كتاب الوعظ والتذكير

جلد سوم

منتخب اصلاحی بیانات

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری
استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم، دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ﴾ [الغاشية: ۲۱]

(اے پیغمبر علیہ السلام) آپ سمجھاتے رہیے، آپ کا کام ہی سمجھانا ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

جلد سوم

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

ناشر:

المركز العلمي للنشر والتحقيق

مرادآباد ○ دیوبند

○ اِشاعت کی عام اِجازت ہے۔

○ نام کتاب : کتاب الوعظ والتذکیر (جلد سوم)

○ منتخب اصلاحی بیانات : مفتی محمد سلمان منصور پوری

○ جمع وضبط : مفتی عبدالرحمٰن قاسمی بنگلور

: مفتی انعام الحق قاسمی حیدرآباد

: محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

○ کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

○ ناشر : المركز العلمي للنشر والتحقيق مرادآباد، ديوبند

9412635154 - 9058602750

○ تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ لمیٹڈ) دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

○ اِشاعت : جمادی الاخریٰ ۱۴۴۵ھ مطابق دسمبر ۲۰۲۳ء

○ صفحات : ۳۶۸

○ آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل ویب سائٹ ملاحظہ کریں:

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

(مولوی محمد جنید پٹیل، جامعہ حقانیہ کٹھور، گجرات)

○ الحمدللہ ہر اتوار کو رات میں ۱۰ ربجے ''التذکیر یوٹیوب چینل'' پر ''درسِ قرآن'' اور ''دینی رہنمائی'' کا پروگرام نشر کیا جاتا ہے، لنک درج ذیل ہے:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

(مفتی سید محمد ابوبکر صدیق منصور پوری 8791034667)

نصیحت جاری رکھئے!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ○ [الذّٰريٰت: ۵۵]
(اورآپ نصیحت فرماتے رہیے! اِس لئے کہ نصیحت اِیمان والوں کونفع دیتی ہے)

سب سے اچھی بات

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ ○ وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○

[فصلت: ۳۳-۳۶]

ترجمہ :- اوراُس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو(لوگوں کو)اللہ کی طرف بلائے اور(خود) نیک عمل (بھی) کرے اور کہے کہ میں تابع داروں میں سے ہوں۔اورنیکی اور برائی برابرنہیں ہوسکتی، برائی کوایسی خصلت سے دفع فرمایئے جو بہت بہتر ہو، پھروہ شخص کہ جس میں اورآپ میں دشمنی ہے گویا کہ وہ جگری دوست بن جائے گا،اوریہ خصلت انہیں کوعطا ہوتی ہے جوصبر کرتے ہیں اوریہ بات انہیں کوسکھلائی جاتی ہے جو بڑے خوش نصیب ہیں،اوراگرآپ کوشیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ بازرکھے تو اللہ سے پناہ مانگئے، بےشک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمده ونصلي علىٰ رسولهٖ الكريم، أمابعد !

اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص توفیق اور فضل وکرم سے ’’کتاب الوعظ والتذکیر‘‘ کی تیسری جلد طباعت کے لئے تیار ہے، جس میں مختلف دینی واِصلاحی موضوعات پر کتاب وسنت اور سلفِ صالحین کے اِفادات پر مشتمل ۲۵؍ مضامین اور خطبات شامل ہیں۔

اِن میں متعدد مضامین ماہ نامہ ’’ندائے شاہی‘‘ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے اِدارتی کالم میں وقتاً فوقتاً شائع ہو چکے ہیں۔ اَب اُن کو یکجا کر کے پیش کیا جارہا ہے؛ تاکہ وہ محفوظ ہوجائیں اور اُن کا نفع دیرپا ثابت ہو، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اُمت میں وعظ ونصیحت کا کام ہر جگہ اور ہر زمانہ میں تسلسل کے ساتھ جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔ اور حسبِ ارشادِ خداوندی: ﴿وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الذّٰريٰت: ۵۵] (اور آپ نصیحت کرتے رہئے؛ اِس لئے کہ نصیحت اِیمان والوں کو نفع دیتی ہے)

اِن دعوتی اور اِصلاحی محنتوں کا کچھ نہ کچھ نفع ضرور ظاہر ہوکر رہتا ہے۔ اور بات سننے اور مضمون پڑھنے والوں کو نفع بعد میں پہنچتا ہے؛ جب کہ بولنے اور لکھنے والے کو پہلے خود فائدہ اُٹھانے کی توفیق میسر آتی ہے۔

اِسی پہلو کو پیش نظر رکھ کر یہ مضامین مرتب کئے گئے ہیں اور کوشش کی گئی ہے کہ جو بات

بھی پیش کی جائے، وہ معتبر حوالوں سے مزین ہو؛ تاکہ پورے اعتماد کے ساتھ صحیح مواد لوگوں تک پہنچایا جاسکے، فالحمد کلہ للہ۔

وہ سب حضرات جنہوں نے اِس مجموعہ کو تیار کرنے میں جس طرح بھی تعاون کیا وہ تہہ دل سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اُنہیں اجر جزیل سے سرفراز فرمائیں اور اِس حقیر خدمت کو اپنے دربار میں قبولیت سے نواز کر اُمت کے لئے نافع بنائیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

۵/ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۵ھ

مطابق ۱۹/ دسمبر ۲۰۲۳ء بروز منگل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسنِ ترتیب

(۴٦)

قرآنِ کریم کی اِنسانیت نواز تعلیمات	۱۹

(۴۷)

(۴۸)

اِیمان کی مٹھاس ۱۰۹

(۴۹)

(۵۰)

(۵۱)

(۵۲)

(۵۳)

(۵۴)

(۵۵)

چند زریں نصیحتیں ۱۸۷

(٦٠)

(٦١)

(۶۲)

(۶۳)

(۶۴)

(٦۵)

(٦٦)

(۶۷)

(۶۸)

(۶۹)

(۷۰)

اِباحیت کی دعوت ۳۵۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (۴۶)

قرآنِ کریم کی اِنسانیت نواز تعلیمات

تحریر:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]
(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۴۶)

- موضوع : قرآنِ کریم کی اِنسانیت نواز تعلیمات
- تحریر : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- شائع شدہ : ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' اپریل تا جولائی ۲۰۲۲ء
- جمع وضبط : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

- آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

آج کل ہمارے ملک میں دینِ اِسلام اور قرآنِ کریم کے بارے میں ''سوشل میڈیا'' اور دیگر مواصلاتی ذرائع پر منفی پروپیگنڈے کا سلسلہ شدت سے جاری ہے؛ حتیٰ کہ قومی الیکٹرانک میڈیا میں تسلسل کے ساتھ دینی موضوعات پر مباحثے کرائے جاتے ہیں، اور اُن میں حصہ لینے والے شرکاء اور پروگرام چلانے والے اینکر پوری ڈھٹائی کے ساتھ قرآنِ مقدس اور اِسلامی تعلیمات کے بارے میں زہر اُگلتے ہیں۔ اور اگر مباحثے میں شریک کوئی شخص جواب دینے کی کوشش کرتا ہے، تو نہایت حقارت کے ساتھ اُسے بولنے سے روک دیا جاتا ہے۔

میڈیا کے اِس طرزِ عمل کی وجہ سے عوام کا ذہن بھی مسموم ہوتا جارہا ہے، جس کا اَندازہ اُن ہزاروں تبصروں سے لگایا جاسکتا ہے، جو مذکورہ مباحثوں پر درج کئے جاتے ہیں۔

حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ مقدس اور اِسلام کے خلاف یہ سب باتیں سراسر جھوٹ اور فریب ہیں اور شرارت یا کم علمی پر مبنی ہیں؛ کیوں کہ قرآنِ کریم کا مطالعہ کرنے والا ہر اِنصاف پسند شخص اِس بات کی گواہی دے سکتا ہے کہ قرآنی تعلیمات پوری طرح اِنسانیت نوازی پر مبنی ہیں اور جن آیاتِ کریمہ میں دشمنوں سے جہاد وقتال کا حکم ہے، وہ مطلق نہیں؛ بلکہ خاص حالات کے بارے میں ہے۔

بریں بنا ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآنِ کریم میں بکھری ہوئی ہدایات کا ایک آسان اِشاریہ آیاتِ مبارکہ کے حوالے سے پیش کردیا جائے؛ تاکہ اِنصاف پسند حضرات کے لئے وہ سند بن سکے۔

یہ مضمون جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے ترجمان ماہنامہ ’’ندائے شاہی‘‘ میں ۴؍قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ اَب اُسے مزید اِفادہ کے لئے الگ رسالے کی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِسے قبول فرمائیں، اور نافع بنائیں، آمین۔

فقط والسلام

احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

۱۵؍۱۱؍۱۴۴۳ھ مطابق ۱۶؍۶؍۲۰۲۲ء بروز جمعرات

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ’’رحمۃ للعالمین‘‘ بنا کر بھیجا اور آپ کے قلب میں اُمت کی طرف سے بڑی شفقت اور بڑا ہی تعلق پیدا فرمایا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ اِنسانیت کا کوئی فرد بھی اللہ کے عذاب کا مستحق نہ بن پائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مثال خود پیش فرمائی کہ میری مثال ایسی ہے جیسے جنگل بیابان میں کوئی آگ کا اَلاؤ جلایا گیا ہو، اور اُس میں پتنگے اور پروانے آآ کر گر رہے ہوں اور جل رہے ہوں، اور وہاں سے اُنہیں کوئی ہٹا رہا ہو کہ اِدھر نہ آؤ ورنہ جل جاؤ گے، ایسے ہی میں اُن انسانوں کو گویا کہ پیچھے سے پکڑ کر جہنم سے ہٹا رہا ہوں، مگر لوگ میرے ہاتھ سے چُھٹے چلے جارہے ہیں، اور جہنم کے مستحق بن رہے ہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل/ باب شفقتہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث: ۲۲۸۵) تو یہ آپ علیہ السلام کی شانِ رحمت اور شانِ شفقت ہے۔

اِس شفقت کے مقابلے میں مکہ معظّمہ کے مشرکین نے بڑا ہی نامعقول رویہ اپنایا۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ وہ سب آپ کی بات تسلیم کر کے آپ کی ہدایات اور تعلیمات کو قبول کر لیتے، جس میں ہر طرح کی عافیت تھی؛ لیکن اِس کے برخلاف اُنہوں نے معاندانہ رویہ اختیار کیا، وہ طرح طرح کے اعتراضات کرتے، طعنے کستے، مذاق اُڑاتے، تحقیر کرتے اور ہر طرح کی تکلیفیں پہنچاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ: ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ﴾ [فصلت: ٢٦] یعنی خبردار! کوئی اِس قرآن کو نہ سنے اور جب وہ پڑھا جائے تو خوب غل غپاڑہ مچاؤ؛ تاکہ سننے میں نہ آئے کہ کیا پڑھا جارہا ہے۔

باہر سے کوئی اجنبی آدمی آتا تو کہتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس مت چلے جانا اور اگر گئے بھی تو کانوں میں روئی ٹھونس کے جاؤ کہ کہیں آواز نہ آجائے؛ کیوں کہ یہ سمجھتے بھی تھے کہ اگر کوئی سن لے گا تو اِنھیں کا ہو کر رہ جائے گا۔

چناں چہ صحابیِ رسول سیدنا حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے قبل مکہ معظّمہ آئے، اُن کو بھی لفنگوں نے ایسی ہی پٹی پڑھائی کہ میاں تم بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے مت گذر جانا؛ چناں چہ اَولاً وہ اپنے کانوں میں روئی وغیرہ ٹھونس کر چلے، تو اُن کے دل میں بات آئی کہ میں اپنے قبیلے کا بڑا سردار ہوں، لوگ مجھ سے فیصلے کراتے ہیں، میں صحیح اور غلط پہچانتا ہوں، یہ کیا حماقت ہے کہ میں روئی ٹھونس لوں؟ سن کر تو دیکھوں اچھی بات ہوئی تو ٹھیک ہے، نہیں تو رد کر دیں گے، اَب جو پیغمبر علیہ السلام کی زبانی قرآنِ پاک کانوں میں پڑا اور اُس کی حلاوت اور مٹھاس دل کے اندر پہنچی تو فوراً کفر وشرک کے جو جراثیم تھے وہ ختم ہوگئے، اور ضمیر نے گواہی دی کہ یہی حق اور قابلِ قبول ہے، اور دولت اِسلام سے مشرف ہوگئے۔ (تلخیص از: حیاۃ الصحابہ ۱/۲۱۰ ملت پریس علی گڈھ)

آج بھی دشمنوں کی طرف سے یہی حرکت جاری ہے، جتنے بھی باطل اَفراد ہیں، وہ اہل حق سے لوگوں کو دور کرنے کی مہم چلائے ہوئے ہیں؛ کیوں کہ اگر صحیح بات سن لی جائے گی، تو ان سب کی دوکان بند ہوجائے گی۔

قیامت میں پیغمبر علیہ السلام کا شکوہ

اَب قیامت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں جب نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے جائیں گے، تو آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پر صرف ایک شکوہ ہوگا کہ: ﴿يَـا رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ [الفرقان: ۳۰] (اے الٰہ العالمین! میری قوم نے اِس قرآنِ مقدس کو چھوڑ دیا تھا)

حضراتِ مفسرین لکھتے ہیں کہ ویسے تو اِس کا اصل مصداق مکہ کے کفار ہیں، جنھوں نے

قرآنِ کریم چھوڑا، اس کے خلاف بدتمیزی اور بکواس کی، غل غپاڑہ مچایا؛ لیکن درجہ بدرجہ جو لوگ بھی قرآن سے منہ موڑنے والے ہیں، اگرچہ وہ اہلِ ایمان کیوں نہ ہو، اِس شکایت کا اثر اُن تک بھی پہنچے گا، یعنی اگر کوئی آدمی ویسے تو مؤمن ہے؛ لیکن اُس نے قرآن کو اُٹھا کر نہیں دیکھا، قرآن کی ہدایات پر عمل نہیں کیا، اور قرآن کی تعظیم دل کے اندر نہیں بسائی؛ گویا کہ قرآنِ کریم کا جو حق تھا وہ اَدا نہیں کیا، وہ بھی ایک طرح سے قرآن کو نظر انداز کرنے والوں میں شامل ہے، جس کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے دربار میں شکایت فرمائیں گے، تو ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے، اور قرآنِ پاک سے اپنی وابستگی مضبوط رکھنی چاہئے؛ تاکہ ہم کسی بھی درجہ میں اِس شکایت کے تحت میں نہ آسکیں۔

حق کی مخالفت کوئی نئی بات نہیں

اُس کے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی دشمنی اور مخالفت کا جو سلسلہ چل رہا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے؛ بلکہ دنیا میں جتنے بھی اللہ کے پیغمبر تشریف لائے، اور اُنہوں نے اچھی باتیں سنائیں، تو جن کے مفادات پر زَد پڑتی تھی وہ اُن کے مقابلہ میں کھڑے ہوگئے، اور دشمن بن گئے، جان و مال اور عزت وآبرو سب کو مٹانے پہ تُل گئے، ایسے مجرم دنیا میں پہلے بھی پائے جاتے رہے ہیں، اور آج بھی موجود ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ایسا تو ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا؛ چناں چہ اِرشادِ خداوندی ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ، وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا. (الفرقان: ۳۱)	اور ہم نے اِسی طرح ہر نبی کا دشمن مجرموں میں سے بنایا، اور تیرا رب کافی ہے ہدایت دینے والا اور مدد کرنے والا۔

پیغمبر علیہ السلام آخری پیغمبر ہیں تو اب نیا پیغمبر تو کوئی بنایا نہیں جائے گا؛ لیکن جو اہلِ حق اُن کی نیابت کریں گے اُن کی ہر سطح پر مخالفتیں ہوں گی، تو اِس مخالفت سے ڈرنا نہیں ہے؛ بلکہ حکم یہ ہے کہ حق پر ڈٹے رہو اور کسی کو اچھا لگے یا بُرا لگے، تم کلمہ حق سناتے رہو۔

اور رہ گئی یہ بات کہ کون ہدایت پائے گا کون نہیں پائے گا، وہ اللہ کے حوالہ کرو، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اُس کو ہدایت سے نوازے گا، اور جس کے لئے فیصلہ نہیں ہوگا وہ ہرگز ہدایت پا نہیں سکتا، اگر چہ پیغمبر اُس کے لیے محنت کریں پھر بھی نہیں پا سکتا۔

آج کل بعض بدنصیبوں کی طرف سے عوامی مجامع اور سوشل میڈیا پر قرآنِ کریم اور اُس میں درج کردہ ہدایات اور اَحکامات سے متعلق بدتمیزی اور ہرزہ گوئی کا ایک طوفان سا مچا ہوا ہے؛ حالاں کہ قرآنِ کریم سراپا کتابِ ہدایت ہے، اُس کی تعلیمات پوری طرح روشن ہیں۔ جو شخص بھی نفرت وعداوت کی عینک اُتار کر عقل وانصاف کی روشنی میں قرآنی تعلیمات کا مطالعہ کرے گا، اُس کا ضمیر پکار اُٹھے گا کہ یہ تعلیمات اِنسانیت اور فطرت کے عین مطابق ہیں، اِن میں کسی بات پر بھی اُنگلی رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ذیل میں قرآنی ہدایات کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا جارہا ہے، جس سے اندازہ ہوگا کہ قرآنِ کریم کی تعلیمات کس قدر جامع اور اَہمیت کی حامل ہیں:

عقائد

○ آسمان وزمین اور کائنات کا مالک حقیقی طور پر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [آل عمران: ۱۸۹]

○ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ، وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ [الأنعام: ۱۰۳]

○ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو سب اِنسان اِیمان لے آتے۔ ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا﴾ [یونس: ۹۹]

○ اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی شخص اِیمان سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔ ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [یونس: ۱۰۰]

○ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو مت پکارو جو تمہارے نفع ونقصان کے مالک نہیں

ہیں۔ ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ﴾ [يونس: ١٠٦]

○ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کسی پریشانی میں مبتلا کریں تو کوئی اُسے ہٹا نہیں سکتا، اور اگر وہ کسی بھلائی سے نوازیں تو اُس کے فضل کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ [يونس: ١٠٧]

○ روئے زمین پر چلنے والے سب لوگوں کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے۔ ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ [هود: ٦]

○ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ﴾ [الأعراف: ١٨٧]

○ اگر آسمان وزمین میں اللہ کے علاوہ کوئی اور خدا ہوتا تو سارا نظام تباہ ہو جاتا۔ ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ [الأنبياء: ٢٢]

○ زمین آسمان میں بھاگ کر کوئی اللہ کو نہیں تھکا سکتا۔ ﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ﴾ [العنكبوت: ٢٢]

○ اللہ کی تخلیق کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ [الروم: ٣٠]

○ اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو، جب کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور قابل تعریف ہے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ [الفاطر: ١٥]

○ ہم نے اِنسانی ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے معاشی اعتبار سے لوگوں میں فرق رکھا ہے۔ ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ [الزخرف: ٣٢]

○ قرآن اللہ کی کتاب ہے، اس میں شک کی گنجائش نہیں۔ ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ [البقرة: ٢]

○ قرآنِ کریم میں حضور اکرم علیہ السلام بھی اپنی طرف سے تبدیلی نہیں کر سکتے۔

﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِيْ﴾ [يونس: ١٥]

- قرآنِ کریم اور سابقہ نازل شدہ کتابوں پر ایمان۔ ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ [البقرة: ٤]
- غیب کی باتوں پر ایمان۔ ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ [البقرة: ٣]
- آخرت پر ایمان۔ ﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ [البقرة: ٤]
- تقدیر پر ایمان۔ ﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا﴾ [:]
- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الأحزاب: ٤٠]
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عام ہے۔ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ [الأعراف: ١٥٨]
- حلال کو حرام کرنا نبی کے اختیار میں بھی نہیں ہے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ [التحريم: ١]
- آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے۔ ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [القصص: ٥٦]
- تمام سچے رسولوں اور کتابوں پر ایمان۔ ﴿كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ﴾ [البقرة: ٢٨٥]
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ ﴿اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ﴾ [النساء: ١٧١] ﴿قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ [مريم: ٣٠]
- یہودی دشمن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے یا سولی دینے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ﴿وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ [النساء: ١٥٧]

○ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھالیا۔ ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ﴾ [النساء: ۱۵۸] ﴿اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ﴾ [آل عمران: ٥٥]

○ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی علامت ہیں۔ ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ﴾ [الزخرف: ٦١]

○ قیامت کے قریب سبھی اہل کتاب (عیسائی) ایمان لے آئیں گے۔ ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ [النساء: ۱۵۹]

○ سب لوگ پہلے ایک ہی مذہب اِسلام پر تھے، پھر بعد میں الگ الگ ہوگئے۔ ﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا﴾ [یونس: ۱۹]

○ موت سے کسی کو رستگاری نہیں۔ ﴿قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ﴾ [الأحزاب: ١٦]

عبادات

○ اپنے رب کی عبادت کرو۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾ [البقرة: ۲۱]

○ نماز قائم کرو۔ ﴿يُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ﴾ [البقرة: ۳]

○ نمازوں کی خوب پابندی کرو۔ ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى﴾ [البقرة: ۲۳۸]

○ نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى﴾ [النساء: ٤٣]

○ سفر میں نماز قصر کرنے کا حکم۔ ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلَاةِ﴾ [النساء: ۱۰۱]

○ دورانِ جنگ نماز خوف کا حکم۔ ﴿وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ﴾ [النساء: ۱۰۲]

○ نماز وقت کی پابندی کے ساتھ پڑھنی چاہئے۔ ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَوْقُوْتًا﴾ [النساء: ۱۰۳]

○ نماز کے لئے وضو کے اَحکامات۔ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ الخ﴾ [المائدة: ٦]

○ نماز میں خشوع وخضوع کی تاکید۔ ﴿الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ [المؤمنون: ۲]

○ تہجد کی نماز پڑھا کرو۔ ﴿وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ﴾ [الاسراء: ۷۹]

○ نماز بے حیائی اور گناہ سے روکتی ہے۔ ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ﴾ [العنکبوت: ٤٥]

○ زکوٰۃ ادا کرو۔ ﴿وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾ [البقرة: ٤٣]

○ کارِ خیر میں خرچ کرنا۔ ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾ [البقرة: ۳]

○ زکوٰۃ وصدقات کو مصارف (فقراء، مساکین وغیرہ) میں خرچ کریں۔ ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغَارِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ [التوبة: ٦٠]

○ کھیتی کاٹتے وقت اس کا حق اَدا کرو۔ ﴿وَآتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ [الأنعام: ١٤١]

○ اہل ایمان پر رمضان کا روزہ فرض ہے۔ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۸۳]

○ اللہ کی رضا کے لئے حج وعمرہ کے اَرکان ومناسک مکمل کرو۔ ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ [البقرة: ۱۹٦]

○ لوگوں پر (حسبِ شرائط) حج کرنا ضروری ہے۔ ﴿وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا﴾ [آل عمران: ۹۷]

○ ہر قوم کے لئے قربانی کا حکم مقرر کیا گیا تھا۔ ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ [الحج: ٣٤]

○ دین کی حفاظت کے لئے ہجرت کا بڑا ثواب ہے۔ ﴿وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ﴾ [النساء: ١٠٠]

دیگر اَحکام

○ سدھے ہوئے جانوروں کے ذریعہ اللہ کا نام لے کر شکار کی اِجازت۔ ﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوا مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ [المائدة: ٤]

○ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اِجازت۔ ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِينَ اُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [المائدة: ٥]

○ قسم توڑنے پر کفارہ۔ ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ اَهْلِيكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ﴾ [المائدة: ٨٩]

○ صرف اُن جانوروں کا ذبیحہ حلال ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔ ﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ [الأنعام: ١١٨]

○ زینت اور عمدہ روزی منع نہیں ہے۔ ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي اَخْرَجَ لِعِبَادِهِ﴾ [الأعراف: ٣٢]

○ جن عورتوں سے تم نے ظہار کیا ہے وہ تمہاری حقیقی ماں نہیں ہیں۔ ﴿وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ اللَّائِي تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ اُمَّهَاتِكُمْ﴾ [الأحزاب: ٤]

○ لے پالک بیٹے حقیقی اولاد کے حکم میں نہیں ہیں۔ ﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآئَكُمْ اَبْنَآئَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ﴾ [الأحزاب: ٤]

○ ظہار کا اسلامی تصور۔ ﴿اَلَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِنْ نِسَآئِهِمْ مَاهُنَّ اُمَّهَاتِهِمْ اِنْ اُمَّهَاتُهُمْ اِلَّا اللّٰٓئِىْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا﴾ [المجادلة: ٢]

○ ظہار کا فدیہ۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَتَمَاسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا﴾ [المجادلة: ٣-٤]

○ طلاق دینے کا صحیح طریقہ۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ...... فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ [الطلاق: ١-٢]

○ دو طلاق تک رجعت کا اختیار۔ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ، فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ﴾ [البقرة: ٢٢٨]

○ تیسری طلاق کے بعد حلالہ کے بغیر رجعت کی گنجائش نہیں ہے۔ ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ﴾ [الطلاق: ٢٣٠]

تنبیہات

○ اللہ کے عہد کو توڑنا برا ہے۔ ﴿اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهِ﴾ [البقرة: ٢٧]

○ زمین میں فساد مچانا قابل مذمت ہے۔ ﴿وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ﴾ [البقرة: ٢٧]

○ میری آیتوں کی معمولی قیمت مت لو۔ ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ [البقرة: ٤١]

○ حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ۔ ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾ [البقرة: ٤٢]

○ حق بات مت چھپاؤ۔ ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الْحَقَّ﴾ [البقرة: ٤٢]

○ دوسروں کو نصیحت کر کے خود کو فراموش مت کرو۔ ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ [البقرة: ٤٤]

○ قیامت میں پیشی سے ڈرو۔ ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا﴾ [البقرة: ٤٨]

○ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معبود مت بناؤ۔ ﴿لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ [البقرة: ٨٣]

○ لوگوں کو اللہ کی مسجدوں میں ذکر سے روکنے والا سب سے بڑا ظالم ہے۔ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ [البقرة: ١١٤]

○ لوگوں سے مت ڈرو مجھ سے ڈرو۔ ﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ﴾ [البقرة: ١٥٠]

○ شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ﴾ [البقرة: ١٦٨]

○ حاکموں کو رشوت مت دو۔ ﴿وَتُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ﴾ [البقرة: ١٨٨]

○ صدقہ دے کر احسان نہ جتائیں۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾ [البقرة: ٢٦٤]

○ سود خور سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کا اعلانِ جنگ ہے۔ ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ [البقرة: ٢٧٩]

○ گواہی مت چھپاؤ۔ ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ﴾ [البقرة: ٢٨٣]

○ بخل اور کنجوسی بری عادت ہے۔ ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ﴾ [آل عمران: ١٨٠]

○ ہر شخص کو موت آنی ہے اور آخرت میں پیش ہونا ہے۔ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ [آل عمران: ١٨٥]

○ کنجوسی ناپسندیدہ کام ہے۔ ﴿الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ [النساء: ٣٧]

○ اَفواہوں پر دھیان نہ دیں؛ بلکہ واقف کار لوگوں سے تحقیق کریں۔ ﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهُ مِنْهُمْ﴾ [النساء: ٨٣]

○ جو کفار تمہیں اپنے جیسا کافر بنانا چاہیں، تو اُن کے فریب میں مت آؤ، اور اُن سے دوستی مت گانٹھو۔ ﴿وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ [النساء: ٨٩]

○ جو شخص ظاہری مسلمان ہو اُسے کافر مت کہو۔ ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ [النساء: ٩٤]

○ دغابازوں کی حمایت نہ کی جائے۔ ﴿وَلَا تَهِنُوْا فِيْ ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ﴾ [النساء: ١٠٤]

○ اہلِ ایمان کے مقابلے میں دشمن کافروں کو دوست مت بناؤ۔ ﴿الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [النساء: ١٣٩]

○ منافقین (دوغلے لوگوں) کا انجام بہت برا ہے۔ ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [النساء: ١٤٣]

○ دین میں غلو مت کرو۔ ﴿يَآهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾ [النساء: ١٧١]

○ گناہ اور ظلم پر ایک دوسرے کے معاون مت بنو۔ ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: ٢]

○ دشمن کے ساتھ بھی ناانصافی مت کرو۔ ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا اعْدِلُوْا﴾ [المائدة: ٨]

○ برائیوں پر روک ٹوک نہ کرنا قابلِ لعنت عمل ہے۔ ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوُوْدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ [المائدة: ٧٨-٧٩]

○ حلال چیزوں کو حرام کرنا جائز نہیں ہے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ [المائدة: ٨٧]

○ کھلے اور چھپے گناہ چھوڑ دو۔ ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ﴾ [الأنعام: ١٢٠]

○ اللہ تعالیٰ کو فضول خرچی کرنے والے پسند نہیں ہے۔ ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ [الأنعام: ١٤١]

○ فقر و فاقہ کی وجہ سے اولاد کو قتل نہ کرو۔ ﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ﴾ [الأنعام: ١٥١]

○ قتل ناحق سے بچو۔ ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ [الأنعام: ١٥١]

○ یتیم کے مال کو غلط طرح سے استعمال نہ کریں۔ ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [الأنعام: ١٥٢]

○ شیطان کے فتنے میں پڑ کر بے لباس مت ہو۔ ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا﴾ [الأعراف: ٢٧]

○ فضول خرچی سے بچو۔ ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ [الأعراف: ٣١]

○ اللہ تعالیٰ کو فضول خرچی کرنے والے پسند نہیں۔ ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ [الأعراف: ٣١]

○ اپنا مال بے جا مت اُڑاؤ، بے جا اُڑانے والے شیطان کے بھائی بند ہیں۔ ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا. اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ [الإسراء: ٢٦-٢٧]

○ گناہ اور ظلم کی اِجازت نہیں۔ ﴿وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ [الأعراف: ٣٣]

○ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ ﴿لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ [الأعراف: ٤٤]

○ زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔ ﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ [الأعراف: ٧٤]

○ فتنے سے بچتے رہو۔ ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾ [الأنفال: ٢٥]

○ آپس میں مت لڑو، ورنہ تم ناکام ہوجاؤ گے، اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔ ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا﴾ [الأنفال: ٤٦]

○ اللہ تعالیٰ کو دغاباز لوگ پسند نہیں ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ﴾ [الأنفال: ٥٨]

○ دین کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح مت دو۔ ﴿تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ﴾ [الأنفال: ٦٧]

○ دین کے معاملے میں قرابت داری کو ترجیح مت دو۔ ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهِ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهِ﴾ [التوبة: ٢٤]

○ منافقین کی معافی نہیں۔ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيْمٌ﴾ [التوبة: ٦٨]

○ مسجد ضرار برداشت نہیں۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ. لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا﴾ [التوبة: ١٠٧-١٠٨]

○ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار بہت بڑا ظلم ہے۔ ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيَاتِهِ﴾ [يونس: ١٧]

○ ناشکری موجبِ عذاب ہے۔ ﴿وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِيْدٌ﴾ [ابراهيم: ٧]

○ بیٹی کی پیدائش کی خبر سن کر کفار کے چہرے سیاہ پڑ جاتے ہیں۔ ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيْمٌ﴾ [النحل: ٥٨]

○ بلا تحقیق باتوں کے پیچھے نہ پڑیں۔ ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ [الإسراء: ٣٦]

○ زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔ ﴿وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا﴾ [الإسراء: ٣٧]

○ ہمیشہ شیطان سے پناہ چاہتے رہیں۔ ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ﴾ [المؤمنون: ٩٧]

○ خلوت کے اوقات میں بچوں وغیرہ کو کمرہ میں نہ آنے کی تاکید۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَآءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ﴾ [النور: ٥٨]

○ بر اور بحر میں فساد لوگوں کی بد عملی کی وجہ سے ہے۔ ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِی النَّاسِ﴾ [الروم: ٤١]

○ شرک سے بچو؛ کیوں کہ وہ ظلم عظیم ہے۔ ﴿يَا بُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ، اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [لقمان: ١٣]

○ شرک کے بارے میں والدین کی بات نہ مانی جائے۔ ﴿وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ [لقمان: ١٥]

○ عورتیں اجنبی مردوں سے نرم گفتگو نہ کریں۔ ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوْفًا﴾ [الأحزاب: ٣٢]

○ عورتیں بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں۔ ﴿وَقَرْنَ فِیْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ [الأحزاب: ٣٣]

○ اللہ اور اُس کے رسول کے فیصلے کے بعد کسی مؤمن کو اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔
﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَمْرًا اَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ [الأحزاب: ٣٦]

○ شیطان تمہارا دشمن ہے، اُسے دشمن سمجھا کرو۔ ﴿اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾ [الفاطر: ٦]

○ بدخواہ شخص خود اپنی سازش میں پھنس کر رہتا ہے۔ ﴿وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ﴾ [الفاطر: ٤٣]

○ غیر اللہ کی عبادت جاہلوں کا طریقہ ہے۔ ﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّيْ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجَاهِلُوْنَ﴾ [الزمر: ٦٤]

○ جو شخص ذکر خداوندی سے غافل رہے ہم اُس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔
﴿وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ [الزخرف: ٣٦]

○ اگر تم اعراض کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ پر دوسری قوم لے آئیں گے اور تمہارا نام ونشان مٹ جائے گا۔ ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ﴾ [محمد: ٣٨]

○ ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو؛ کیوں کہ غیبت کرنا مردار بھائی کے گوشت کھانے کے برابر ہے۔ ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ [الحجرات: ١٢]

بشارتیں

○ جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر عمل کرے گا وہ نجات پائے گا۔ ﴿فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ [البقرة: ٣٨]

○ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ ﴿فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ﴾ [البقرة: ١٥٢]

○ اگر تم صبر اور تقویٰ پر قائم رہو تو تمہیں کوئی (دشمن) نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ ﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا﴾ [آل عمران: ۱۲۱]

○ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کی محنت اور عمل ضائع نہ ہوگا۔ ﴿اَنِّیْ لَا اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْکُمْ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی﴾ [آل عمران: ۱۹۵]

○ احسان کرنے والوں سے اللہ کی رحمت قریب ہے۔ ﴿اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ [الأعراف: ٥٦]

○ میری رحمت سب کو شامل ہے۔ ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ﴾ [الأعراف: ١٥٦]

○ رسول کی اتباع کرنے والے اور تعظیم کرنے والے لوگ ہی کامیاب ہیں۔ ﴿فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [الأعراف: ١٥٧]

○ اولیاء اللہ پر نہ ڈر ہے نہ غم۔ ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ [یونس: ٦٢]

○ نفع بخش کام دیرپا ہوتا ہے۔ ﴿وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ﴾ [الرعد: ١٧]

○ صلہ رحمی کرنے والے قابل تعریف ہیں۔ ﴿وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ﴾ [الرعد: ٢١]

○ اللہ تعالیٰ کا ذکر دلی اطمینان کا سبب ہے۔ ﴿اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ [الرعد: ٢٨]

○ شکر گذاری نعمتوں میں اضافہ کا سبب ہے۔ ﴿لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ﴾ [ابراهیم: ٧]

○ شیطان کا زور ایمان والوں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والوں پر نہیں چلتا۔ ﴿اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ﴾ [النحل: ٩٩]

○ اگر بھلائی کرو گے تو اپنا ہی بھلا کرو گے۔ ﴿مَنِ اهْتَدَى فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ﴾ [الإسراء: ١٥]

○ ہم نے اِنسان کو مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے۔ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ [الاسراء: ٧٠]

○ اِیمان اور اَعمالِ صالحہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا﴾ [مريم: ٩٦]

○ جو شخص بھی اِیمان کی حالت میں نیک عمل کرے گا اُس کی محنت ضائع نہ ہوگی۔ ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ﴾ [الأنبياء: ٩٤]

○ نکاح سے مالی وسعت نصیب ہوگی۔ ﴿إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ [النور: ٣٢]

○ تہجد پڑھنے والوں کو بشارت۔ ﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ. فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ [السجدة: ١٦]

○ اگر تم برائی کا بدلہ بھلائی سے دو گے تو اُس کی برکت سے تمہارا دشمن سگا دوست بن جائے گا۔ ﴿ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾ [فصلت: ٣٤]

آداب

○ اپنے رب کے احسانات کو یاد کرو۔ ﴿اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ﴾ [البقرة: ٤٠]

○ عہد کی پاس داری کرو۔ ﴿وَأَوْفُوا بِعَهْدِي﴾ [البقرة: ٤٠]

○ صبر سے مدد حاصل کرو۔ ﴿اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ﴾ [البقرة: ٤٥]

○ ہماری عطا کردہ حلال روزی کھاؤ۔ ﴿كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ [البقرة: ٥٧]

○ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ [البقرة: ٨٣]

○ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ ﴿وَبِذِی الْقُرْبٰى﴾ [البقرة: ٨٣]

○ یتیموں کے ساتھ احسان کرو۔ ﴿وَالْيَتٰمٰى﴾ [البقرة: ٨٣]

○ مساکین کا خیال رکھو۔ ﴿وَالْمَسٰكِيْنَ﴾ [البقرة: ٨٣]

○ لوگوں سے اچھے انداز میں گفتگو کرو۔ ﴿وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ [البقرة: ٨٣]

○ جو دشمن تم سے لڑیں اُن سے تم بھی لڑو؛ لیکن حد سے آگے نہ بڑھو۔ ﴿وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ [البقرة: ١٩٠]

○ وسعت و تنگی؛ ہر حالت میں کار خیر میں خرچ کرو۔ ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ﴾ [آل عمران: ١٣٤]

○ غصہ کو پی جانا اور لوگوں کو معاف کر دینا پسندیدہ صفات ہیں۔ ﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ [آل عمران: ١٣٣]

○ لوگوں کے ساتھ عفو و درگذر کا معاملہ کرنے کا حکم۔ ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾ [آل عمران: ١٥٩]

○ اہم معاملات میں آپس میں مشورہ کا حکم۔ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ﴾ [آل عمران: ١٥٩]

○ اَمانت کی اَدائیگی کی تائید۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا﴾ [النساء: ٥٨]

○ اچھی باتوں میں سفارش پسندیدہ اور بری باتوں میں ناپسند ہے۔ ﴿مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيْبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا﴾ [النساء: ٨٥]

○ سلام کا جواب دینے کا حکم۔ ﴿وَاِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا﴾ [النساء: ٨٦]

○ جن کفار سے تمہاری صلح ہو اُن سے جنگ مت کرو۔ ﴿فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ﴾ [النساء: ٩٠]

○ نیکی اور پرہیزگاری میں آپس میں تعاون کرو۔ ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ [المائدة: ٢]

○ نماز کے وقت زینت اختیار کرو۔ ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ [الأعراف: ٣١]

○ اپنے رب سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کیا کرو۔ ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ [الأعراف: ٥٥]

○ والدین کے ساتھ احترام کے ساتھ گفتگو کیا کرو۔ ﴿وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾

[الإسراء: ٢٣]

○ زبان سے بہترین گفتگو کیا کرو۔ ﴿وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾

[الاسراء: ٥٣]

○ تزکیہ کا حکم۔ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾ [المؤمنون: ٥]

○ غیروں کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہوں۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا﴾ [النور: ٢٧]

○ گھر میں داخلے کے وقت سلام کی تاکید۔ ﴿وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا﴾ [النور: ٢٧]

○ لوگوں سے منہ پھلا کر بات مت کرو۔ ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾ [لقمان: ١٨]

○ اللہ کے نیک بندے صرف اچھی بات ہی کو غور سے سن کر عمل کرتے ہیں۔ ﴿الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ﴾ [الزمر: ١٨]

○ مجلسوں میں وسعت کا حکم۔ ﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ﴾ [المجادلة: ١١]

عام ہدایات

○ میرا احسان مانو اور ناشکری مت کرو۔ ﴿وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ﴾

[البقرة: ١٥٢]

○ جب کوئی مصیبت پہنچے تو انا للہ پڑھو۔ ﴿اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ﴾ [البقرة: ١٥٦]

○ حلال اور پاکیزہ روزی کھاؤ۔ ﴿کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلَالًا طَیِّبًا﴾ [البقرة:

١٦٨]

○ فتنہ وفساد ختم کرنے کے لئے دین کے دشمنوں سے لڑو۔ ﴿وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ﴾ [البقرة: ١٩٣]

○ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ﴾

[البقرة: ١٩٥]

○ اِسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً﴾ [البقرة: ٢٠٨]

○ قرض اور اُدھار کا معاملہ لکھ لیا کرو۔ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ﴾ [البقرة: ٢٨٢]

○ اللہ تعالیٰ سے کما حقہ ڈرتے رہو۔ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ﴾ [آل عمران: ١٠٢]

○ اللہ کی رسی کو مضبوط تھامو، اور اختلاف مت کرو۔ ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ [آل عمران: ١٠٣]

○ تم میں سے ایک جماعت کو مسلسل دعوت الی الخیر اور اچھائیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کی محنت جاری رکھنی چاہیے۔ ﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [آل عمران: ١٠٤]

○ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی اِطاعت کرو۔ ﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ﴾ [آل عمران: ١٣٢]

○ صبر وضبط اور مسلسل محنت میں لگے رہو۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا﴾ [آل عمران: ٢٠٠]

○ اے لوگو! اُس رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا، پھر اس کا جوڑا بنایا اور پھر بے شمار مرد وعورت پیدا فرمائے۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ [النساء: ١]

○ تقسیم وراثت کے احکامات۔ ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ الخ. [النساء: ١١]

○ مردوں کو عورتوں پر نگراں بنایا گیا ہے۔ ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ [النساء: ٢٤]

○ حکام (اور علماء) کی اِطاعت کا حکم۔ ﴿وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [النساء: ٥٩]

○ اپنے سبھی نزاعات شریعت کی روشنی میں حل کرائیں۔ ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ [النساء: ٥٩]

○ اپنے مظلوم اور کمزور بھائیوں کی حمایت میں جہاد کا حکم۔ ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ [النساء: ٧٥]

○ اے لوگو! انصاف پر قائم رہو اور سچی گواہی دو؛ اگر چہ وہ تمہارے یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف کیوں نہ ہو۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ﴾ [النساء: ١٣٥]

○ اے اِیمان والو! عہدوں کو پورا کرو۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾

[المائدة: ١]

○ ماکول اللحم چوپائے تم پر حلال ہیں۔ ﴿اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ﴾ [المائدة: ١]

○ حلال اور طیب روزی کھاؤ۔ ﴿وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا﴾

[المائدة: ٨٨]

○ غیروں کے معبودوں کو برا بھلا مت کہو۔ ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ﴾ [الأنعام: ١٠٨]

○ ناپ تول میں اِنصاف کرو۔ ﴿وَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ [الأنعام: ١٥٢]

○ جو بات بھی کہو حق کہو۔ ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ [الأنعام: ١٥٢]

○ اللہ تعالیٰ کا عہد پورا کرو۔ ﴿وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا﴾ [الأنعام: ١٥٢]

○ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ ﴿فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ﴾ [الأعراف: ٦٩]

○ ناپ تول پورا پورا کرو۔ ﴿فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ﴾ [الأعراف: ٨٥]

○ دنیا میں خرابی مت مچاؤ۔ ﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا﴾

[الأعراف: ٨٥]

○ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو اور صبر کرو۔ ﴿اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾ [الأعراف: ١٢٨]

○ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ اور آپس میں خیانت مت کرو۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [الأنفال: ٢٧]

○ فتنے کو مٹانے کے لئے قتال کرو۔ ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ [الأنفال: ٣٩]

○ جنگ کے وقت ثابت قدم رہو۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا﴾ [الأنفال: ٤٥]

○ اللہ تعالیٰ کو خوب یاد کرو۔ ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا﴾ [الأنفال: ٤٥]

○ دشمن سے مقابلہ کے لئے ہر ممکن تیاری کرو۔ ﴿وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ [الأنفال: ٦٠]

○ جو تم سے صلح کرنا چاہے اُس سے صلح کرلو۔ ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾ [الأنفال: ٦١]

○ اللہ تعالیٰ کے راستے میں (حسب شرائط) جانی اور مالی جہاد میں پس وپیش نہ کرو۔ ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ [التوبة: ٣٨]

○ صفائی ستھرائی اور پاکیزگی قابل تعریف ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ [التوبة: ١٠٨]

○ اللہ سے ڈرو اور سچے کے ساتھ رہو۔ ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾ [التوبة: ١١٩]

○ موت تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے۔ ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ [الحجر: ٩٩]

○ حکمت عملی اور اچھے انداز میں دین کی دعوت پیش کی جائے۔ ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ [النحل: ١٢٥]

○ دینی معاملات میں مباحثہ بھی باوقار انداز میں ہونا چاہیے۔ ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [النحل: ١٢٥]

○ اگر کوئی تم پر ظلم کرے تو برابر سرابر جواب دو (زیادتی نہ کرو) ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهِ﴾ [النحل: ١٢٦]

○ زیادتی کے مقابلے میں صبر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ﴿وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِيْنَ﴾ [النحل: ۱۲۶]

○ قرآنِ کریم سب سے زیادہ سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ ﴿إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ﴾ [الإسراء: ۹]

○ والدین کے سامنے نیازمندی سے کندھے جھکا کر رکھو۔ ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ [الإسراء: ۲۴]

○ والدین کے لئے رحمت کی دعائیں کیا کرو۔ ﴿وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا﴾ [الإسراء: ۲۴]

○ رشتہ داروں، مسکینوں، مسافروں کا حق ادا کرو۔ ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهُ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ [الإسراء: ۲۶]

○ آئندہ زمانے کے لئے کوئی بھی وعدہ کرتے وقت ''اِن شاء اللہ'' کہنے کا حکم۔ ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا، إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ﴾ [الكهف: ۲۳]

○ ذکر کرنے والے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی تاکید۔ ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ﴾ [الكهف: ۲۸]

○ علم میں اِضافہ کی دعا۔ ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ [طٰه: ۱۱٤]

○ گھر والوں کی دینی اصلاح کی فکر۔ ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ [طٰه: ۱۳۲]

○ مظلومین کے لئے جہاد وقتال کی اِجازت۔ ﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ [الحج: ۳۹]

○ حکام اور اُمراء پر لازم ہے کہ وہ اللہ کی زمین پر اللہ کا حکم نافذ کریں۔ ﴿الَّذِيْنَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [الحج: ٤۱]

○ کامیابی کے حصول کے لئے بھلائی اختیار کرنے کا حکم۔ ﴿وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [الحج: ٧٧]

○ لغویات سے اعراض۔ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ [المؤمنون: ٣]

○ شرم گاہوں کی حفاظت۔ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ﴾ [المؤمنون: ٥]

○ اَمانت داری اور معاہدے کی پاس داری۔ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ﴾ [المؤمنون: ٨]

○ اَعمالِ خیر میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا حکم۔ ﴿اُولٰٓئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ﴾ [المؤمنون: ٦١]

○ برائی کو بھلائی کے ذریعہ دفع کیا جائے۔ ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ﴾ [المؤمنون: ٩٦]

○ معمولی باتوں کی وجہ سے رشتہ داروں سے حسن سلوک روکا نہ جائے۔ ﴿وَلَا يَأْتَلِ اُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِي الْقُرْبٰى﴾ [النور: ٢٢]

○ اِیمان والے مرد نظر جھکا کر رکھیں۔ ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ [النور: ٣٠]

○ ایمان والی عورتیں نظر جھکائے رکھیں۔ ﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾ [النور: ٣١]

○ مسلم خواتین محارم اور شوہروں کے علاوہ کسی کے سامنے اپنے اعضاء زینت ظاہر نہ کریں۔ ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَآءِ﴾ [النور: ٣١]

○ مسلم عورتیں اپنے گریبانوں پر اوڑھنیاں ڈالے رہیں۔ ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾ [النور: ۳۱]

○ اَزواجِ مطہرات سے پردہ کے پیچھے سے بات کرنے کا حکم۔ ﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْاَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ [الأحزاب: ۵۳]

○ مؤمن عورتوں کو پردے کے لئے لمبی چادریں اوڑھنے کی تاکید۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ [الأحزاب: ۵۹]

○ معاشرہ میں نکاح کو عام کیا جائے۔ ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ﴾ [النور: ۳۲]

○ ایک ساتھ یا الگ الگ کھانا کھانے کی اِجازت۔ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا﴾ [النور: ۶۱]

○ پیغمبر علیہ السلام کو بے اَدبی کے ساتھ پکارنا ممنوع ہے۔ ﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾ [النور: ۶۳]

○ اللہ کا شکر بجالاؤ۔ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ﴾ [لقمان: ۱۲]

○ مصیبت پر صبر کرو۔ ﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ﴾ [لقمان: ۱۷]

○ پیغمبر کے گھروں میں اجازت کے بغیر داخلہ ممنوع ہے۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ﴾ [الأحزاب: ۵۳]

○ مسلمانوں کے معاملات آپسی مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔ ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ [الشوریٰ: ۳۸]

○ مظلوم کا ساتھ دیا جانا چاہئے۔ ﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ [الشوریٰ: ۴۱]

○ اگر آپس میں لڑائی ہو جائے تو صلح کی کوشش کرو۔ ﴿وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ [الحجرات: ۹]

○ کوئی مرد یا عورت دوسرے کا مذاق نہ اُڑائے۔ ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَكُوْنُوْا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِنْ نِسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ﴾ [الحجرات: ۱۱]

○ کوئی دوسرے میں عیب نہ نکالے۔ ﴿وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ﴾ [الحجرات: ۱۱]

○ کوئی شخص دوسرے کو ہتک آمیز القاب نہ دے۔ ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ [الحجرات: ۱۱]

○ بدگمانی سے بچو؛ کیوں کہ وہ گناہ ہے۔ ﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِنَ الظَّنِّ، اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ [الحجرات: ۱۲]

○ کسی کی ٹوہ میں نہ رہو۔ ﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ [الحجرات: ۱۲]

○ کوئی شخص کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرے۔ ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ [الحجرات: ۱۲]

○ خاندانوں اور قبیلوں کا مقصد آپسی تعارف ہے۔ ﴿يَآاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا﴾ [الحجرات: ۱۳]

○ اللہ کے نزدیک سب سے معزز شخص وہ ہے جو سب سے بڑا متقی ہو۔ ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات: ۱۳]

○ اے لوگو! اپنے اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ ﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ [التحريم: ٦]

تحریمات

○ تم پر مردار، خون، خنزیر اور غیر اللہ پر چڑھائے ہوئے جانور حرام ہیں۔ ﴿اِنَّمَا

حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ [البقرة: ۱۷۳]

○ حج میں جھگڑا، بے حیائی اور گناہ کا کام (بالخصوص) منع ہے۔ ﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ [البقرة: ۱۹۷]

○ اللہ تعالیٰ کو فساد پسند نہیں ہے۔ ﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ [البقرة: ۲۰۵]

○ شراب اور جوا حرام ہے۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ﴾ [المائدة: ۹۰، البقرة: ۲۱۹]

○ مشرکین سے نکاح مت کرو۔ ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ﴾

[البقرة: ۲۲۱]

○ حیض کے زمانہ میں بیوی سے جماع نہ کرو۔ ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ﴾ [البقرة: ۲۲۲]

○ سود کھانا حرام ہے۔ ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة: ۲۷۵]

○ سود در سود مت کھاؤ۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً﴾ [آل عمران: ۱۳۰]

○ قریبی عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ حقیقی ماں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں، رضاعی مائیں، رضاعی بہنیں، خوش دامن، ربیبہ، بہو، منکوحۃ الاب (سوتیلی ماں) اسی طرح بیک وقت دو محرم عورتوں کو رکھنا حرام ہے۔ ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا. حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ [النساء: ۲۲-۲۳]

○ غیر کی منکوحہ عورتوں سے تعلق بھی حرام ہے۔ ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ﴾ [النساء: ٢٤]

○ ہر قسم کے فواحش حرام ہیں۔ ﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ [الأعراف: ٣٣]

○ زنا کے قریب بھی مت جاؤ، وہ سراسر بے حیائی ہے۔ ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ [الإسراء: ٣٢]

○ آپسی رضامندی کے بغیر ایک دوسرے کا مال کھانا حرام ہے۔ ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ [النساء: ٢٩]

○ کسی مؤمن کا قتل جائز نہیں ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً﴾ [النساء: ٩٢]

○ جان بوجھ کر قتل کا انجام بہت برا ہے۔ ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ [النساء: ٩٣]

○ میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا جائز نہیں۔ ﴿وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ [الأنفال: ١٦]

○ والدین کو اُف تک مت کہو۔ ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ﴾ [الإسراء: ٢٣]

○ والدین سے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو۔ ﴿وَلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ [الإسراء: ٢٣]

○ اپنی اَولاد کو فقر کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ [الإسراء: ٣١]

○ ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ﴾ [الإسراء: ٣٥]

جرائم کی روک تھام

○ قتل میں قصاص کا حکم۔ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی﴾ [البقرة: ۱۷۸]

○ فسادیوں اور ڈاکوؤں پر سخت سزا کا حکم۔ ﴿اِنَّمَا جَزٰٓءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْا اَوْ یُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ [المائدة: ۳۳]

○ چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم۔ ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا جَزَآءً بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ﴾ [المائدة: ۳۸]

○ زنا پر سو کوڑوں کی سزا۔ ﴿اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ﴾ [النور: ۲]

○ زنا کی تہمت پر اسی کوڑے کی سزا۔ ﴿وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ فَاجْلِدُوْھُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَۃً﴾ [النور: ٤]

○ لعان کا حکم۔ ﴿وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَھُمْ وَلَمْ یَکُنْ لَّھُمْ شُھَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُھُمْ فَشَھَادَۃُ اَحَدِھِمْ اَرْبَعُ شَھٰدٰتٍ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ. وَالْخَامِسَۃُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَیْہِ اِنْ کَانَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ﴾ [النور: ٦-٧]

○ فواحش کو پھیلایا نہ جائے۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ﴾ [النور: ۱۹]

معاشرت

○ عورتوں کا بھی حق ہے؛ جیسا کہ اُن پر مردوں کا حق ہے۔ ﴿وَبُعُوْلَتُھُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّھِنَّ فِیْ ذٰلِکَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ﴾ [البقرة: ۲۲۸]

○ دو مرتبہ تک طلاق میں رجعت کا اختیار ہے۔ ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ [البقرة: ٢٢٩]

○ خلع لینے کی اجازت۔ ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ [البقرة: ٢٢٩]

○ تیسری طلاق کے بعد نکاح بالکل ختم ہے۔ ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ [البقرة: ٢٣٠]

○ مطلقہ عورت اگر دوبارہ پہلے شوہر کے پاس (حسبِ شرائط) نکاح کر کے جانا چاہے تو مت روکو۔ ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة: ٢٣٢]

○ ماں دو سال تک بچے کو دودھ پلائے گی اور خرچہ باپ پر ہوگا۔ ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [البقرة: ٢٣٣]

○ عورت متوفی عنہا زوجہا چار مہینے دس دن عدت گذارے گی۔ ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ [البقرة: ٢٣٤]

○ عدت کے دوران عورت کا رشتہ نہ کیا جائے۔ ﴿وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ﴾ [البقرة: ٢٣٥]

○ رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھو۔ ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾ [النساء: ١]

○ مرد کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ ﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾ [النساء: ٣]

○ لیکن اگر برابری نہ ہو سکے تو ایک پر اکتفاء کریں۔ ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ [النساء: ٣]

○ عورتوں کا مہر خوشی خوشی ادا کرو۔ ﴿وَآتُوا النِّسَآءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحۡلَةً﴾ [النساء: ٤]

○ یتیموں کا مال بڑے ہونے تک اُن کے حوالے نہ کرو۔ ﴿وَلَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ اَمۡوَالَكُمُ الَّتِیۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ قِیَامًا﴾ [النساء: ٥]

○ عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا یَحِلُّ لَكُمۡ اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرۡهًا﴾ [النساء: ١٩]

○ عورتوں کو دی گئی مہر واپس مت لو۔ ﴿وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ لِتَذۡهَبُوۡا بِبَعۡضِ مَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡهُنَّ﴾ [النساء: ١٩]

○ بیویوں کی طرف سے نافرمانی ہو تو تنبیہ کے ساتھ رشتہ کو نبھانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ ﴿وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا اِنۡ یُّرِیۡدَاۤ اِصۡلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیۡنَهُمَا﴾ [النساء: ٣٥]

○ پڑوسیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم۔ ﴿وَالۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ﴾ [النساء: ٣٦]

○ میاں بیوی کے درمیان صلح بہتر ہے۔ ﴿وَالصُّلۡحُ خَیۡرٌ﴾ [النساء: ١٢٨]

○ کئی بیویاں ہوں تو (حتی الامکان اُن میں برابری کروں اور) کسی ایک کی طرف پوری طرح متوجہ ہو کر دوسری کو ادھر (بیچ) میں نہ لٹکاؤ۔ ﴿وَلَنۡ تَسۡتَطِیۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَیۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِیۡلُوۡا كُلَّ الۡمَیۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ﴾ [النساء: ١٢٩]

○ اللہ تعالیٰ نے ازدواجی رشتے میں بے مثال محبت اور شفقت رکھی ہے۔ ﴿وَمِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَیۡهَا وَجَعَلَ بَیۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً﴾ [الروم: ٢١]

○ رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔ ﴿فَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّهٗ﴾ [الروم: ٣٨]

اعلان

○ قرآن ہم نے اُتارا اور ہم ہی اُس کے محافظ ہیں۔ ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ [الحجر: ۹]

○ قرآن کی مثال لانے سے ساری دنیا عاجز ہے۔ ﴿قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا﴾ [الإسراء: ۸۸]

یہ تو مضامینِ قرآنِ کریم کا ایک سرسری اور اِجمالی جائزہ ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قرآنِ کریم کائنات کی ہدایت کے لئے کیسی جامع اور مقدس کتاب ہے، جس کا ہر ہر ورق روشن اور ہر ہر لفظ منور ہے۔ اگر اتنی عظیم ہدایات کے باوجود کوئی شخص قرآنِ کریم کی بے حرمتی کرتا ہے، تو وہ یقیناً دل ودماغ کی آنکھوں سے بے بہرہ اور حق وانصاف سے بہت دور ہے۔

لٰہذا موجودہ ماحول میں اِس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہر مسلمان قرآنِ کریم سے اپنی وابستگی مضبوط کرے، اور قرآنی پیغامات دور دور تک پہنچانے کے لئے کوشاں رہے۔ یہ وقت کا ایک اہم تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآنِ پاک سے پختہ تعلق نصیب فرمائیں، اور اِس کی برکات سے مالامال فرمائیں، آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (۴۷)

نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ فقہ وحدیث دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۴۷)

موضوعِ خطاب	:	نبی اُمی ﷺ کا مشن
خطاب (مع اِضافات)	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	سیرت کانفرنس، عیدگاہ پرانا پل جمعیۃ علماء بنارس
تاریخ	:	۱۸؍صفر ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۸؍اکتوبر ۲۰۱۹ء بروز جمعہ
دورانیہ	:	۴۷؍منٹ تقریباً
جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

○

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارک وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارک وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ [الأعراف، جزء آيت: ۱۵۸]

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ.

معزز علماءِ کرام اور علاقہ بھر سے تشریف لانے والے فرزندانِ توحید اور بزرگو اور بھائیو اور جہاں تک یہ آواز پہنچ رہی ہے ہماری مائیں اور بہنیں!

یہ سیرت کانفرنس جو جمعیۃ علمائے بنارس کی طرف سے گزشتہ ۲۸ / سالوں سے منعقد ہوتی آرہی ہے، اِس طرح کی کانفرنسیں ہمارے دلوں میں سرورِ عالم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ اور دین اور سنت پر چلنے کا جذبہ اور داعیہ پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں۔

ماہِ ربیع الاول میں عموماً سیرتِ طیبہ کے عنوان پر جا بجا پروگرام منعقد کئے جاتے ہیں، اُن کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالاتِ مبارکہ اور شمائلِ طیبہ کو بیان کیا جائے، بلاشبہ یہ بھی بڑی سعادت کی بات ہے؛ لیکن اُس سے بھی زیادہ اہمیت کا پہلو یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی بعثتِ مبارکہ جن مقاصد کے لئے ہوئی ہے، اُن کا مذاکرہ کیا جائے، اور اُن مقاصد کی تکمیل میں ہمارا اگر کوئی حصہ ہو سکے تو اُس کو ادا کرنے کی کوشش کی جائے، یہ سب سے اہم مقصد اور پہلو ہے، جس کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

ایک مسلمان اور محبّ رسول ہونے کی حیثیت سے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہر سطح پر ہماری وابستگی ہونی چاہئے، ہم اپنے گھر کا ماحول ایسا بنائیں کہ بچوں اور عورتوں کے سامنے بات بات پر پیغمبر علیہ السلام کا تذکرہ ہو۔ مثلاً بچے کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھیں تو اُس وقت اُن سے کہا جائے کہ:

جاؤ ہاتھ دھوکر آؤ، یہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (سنن الترمذی حدیث: ۱۸۴۶)

جب وہ کھانا شروع کریں تو بتائیں کہ حضور اکرم علیہ السلام کا طریقہ یہ تھا کہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع فرماتے تھے۔ (سنن الترمذی حدیث: ۱۸۵۷-۱۸۵۸)

جب وہ کھانے کا اِرادہ کریں تو بتائیں کہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا سنت ہے۔ (سنن الترمذی حدیث: ۱۸۵۷)

جب وہ پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھائیں تو تعلیم دیں کہ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پلیٹ میں اپنے سامنے سے کھاؤ، بیچ سے لقمہ نہ اُٹھاؤ۔ (سنن الترمذی / ابواب الاطعمۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث: ۱۸۵۷)

اِسی طرح جب وہ گھر میں داخل ہوں، تو اُنہیں سلام کا عادی بنائیں۔ (سنن ابی داؤد، اول کتاب الادب/ باب مایقول اذا خرج من بیتہ حدیث:۵۰۹۶)

اگر کوئی باشعور بچہ بغیر سلام کے گھر میں آجائے تو اُس سے کہیں کہ چلو باہر جاؤ، پھر سلام کر کے اندر آؤ۔

ہمیں یاد ہے، اَمروہہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سید طاہر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے بڑے ہی مشفق اُستاذ تھے، ایک مرتبہ اُن کے ''ہدایۃ النحو'' کے سبق میں ہم درس گاہ میں سلام کئے بغیر چپکے سے پیچھے جا کر بیٹھ گئے، حضرت کی نظر پڑ گئی، فرمایا: ''چلو اُٹھو! حوض کا چکر لگا کر آؤ، پھر سلام کر کے اندر داخل ہو''، وہ تنبیہ ایسی دل پر نقش ہوئی کہ اب ہر مجلس میں جاتے وقت زبان پر سلام کا اہتمام ہوتا ہے۔

تو سیرت کے پروگراموں کا بڑا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ہماری زندگی کے اندر سیرت اور سنت کی باتیں عام ہوجائیں، گھر کا ماحول سنت والا بن جائے، مائیں اپنی بچوں کو سیرت کی باتیں سنائیں، اگر بچے کہانیوں کی فرمائش کریں تو اُن کو نبیٔ اکرم علیہ السلام کی سیرت کے واقعات سنائے جائیں، ان باتوں کو اگر سامنے لایا جائے گا تو غیر محسوس طریقے پر بچے کے دل میں پیغمبر علیہ السلام کی عظمت اور محبت قائم ہوگی اور یہ محبت اگر بچپن میں دل کی گہرائی میں اُتر جائے گی تو یہ مرتے دم تک نہیں نکلے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

قرآنِ کریم کی بہت سی آیتوں میں نبی اکرم علیہ السلام کی بعثت کے مقاصد مختلف انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ اُنہی میں سے ایک آیت یہ ہے: ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکَاةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِآیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ. اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیْلِ، یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ، فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ

وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

[الأعــراف: ١٥٦-١٥٧] (اور میری رحمت ہر چیز کوشامل ہے،سومیں اُس کومتقیوں کے لئے لکھ دوں گا،اور اُن لوگوں کے لئے بھی جوزکوٰۃ اَدا کرتے ہیں،اور جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ جواُس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی اُمی ہیں،جن کو وہ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں،وہ اُن کونیک کام کا حکم فرماتے ہیں،اور برے کام سے منع کرتے ہیں،اور پاک چیزیں اُن کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں اُن پرحرام فرماتے ہیں،اور اُن پر سے اُن کے بوجھ اور وہ قیدیں اُتارتے ہیں جو اُن پر پہلی شریعتوں میں) تھیں۔ پس جو لوگ اُس رسول پر اِیمان لائے،اور اُن کی رفاقت کی،اور اُن کی مدد کی،اور اُس نور (قرآن اور وحی) کے تابع ہوئے جو اُن کے ساتھ اُترا ہے،سو وہی لوگ اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں)

اِس آیت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متعدد صفات بیان کی گئی ہیں:

نبی اُمی کا مفہوم

(۱) پہلی صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ "اَلنَّبِيُّ الْأُمِّيُّ" ہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے دنیوی ذرائع (کتابت وقرأت وغیرہ) سے علم حاصل نہیں کیا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست آپ کوعلم سے نوازا ہے، نہ تو کسی اُستاذ کے آپ شاگرد تھے اور نہ ہی کسی کتاب سے آپ نے علم سیکھا تھا؛ بلکہ آپ کو جو بھی علم ملا، اور کمالات نصیب ہوئے، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمائے، یہی "اَلنَّبِيُّ الْأُمِّيُّ" کا مطلب ہے۔

اور آپ کے اُمی ہونے میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ اگر آپ دنیوی ذرائع سے علم حاصل کرتے، تو شکی اور وہمی قسم کے لوگ کہہ سکتے تھے کہ آپ جو حکمت ورسالت کی باتیں بتاتے ہیں، وہ آپ نے کہیں سے پڑھ رکھی ہیں؛ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے "اُمی" ہونا پسند فرمایا؛ تاکہ کسی کو تشکیک کا موقع ہی نہ رہے۔ اِسی بات کو قرآنِ کریم کی دوسری آیت میں اِس طرح واضح کیا گیا: ﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ

اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ [العنکبوت: ٤٨] (اور آپ نہ پڑھتے تھے اِس سے پہلے کوئی کتاب، اور نہ لکھتے تھے اپنے داہنے ہاتھ سے، تب تو یہ البتہ جھوٹے شبہ میں پڑ جاتے)

پس اِس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''نبی اُمی'' کا مطلب لاعلمی یا جہل نہیں ہے؛ بلکہ دنیوی ذرائع علم کے بغیر علم وحکمت سے سرفراز کیا جانا ہے۔

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعت کا ایک شعر ہے:

کوئی اعجاز تو دیکھے میرے قرآنِ ناطق کا
لقب اُمیؔ ہے لیکن علم کے دریا بہاتے ہیں

توریت وانجیل میں پیغمبر علیہ السلام کا ذکر مبارک

(۲) دوسری صفت یہ بیان ہوئی کہ آپ ایسے پیغمبر ہیں جن کا تذکرہ پُرانی کتابوں یعنی توریت اور انجیل میں موجود ہے؛ حتیٰ کہ آج بھی جو بائبل پڑھی جاتی ہے، اُس میں بھی واضح اِشارات اور علامات مذکور ہیں۔

اور خود قرآن کہتا ہے کہ ہم نے جن کو کتابیں دی ہیں یعنی یہود ونصاریٰ، آپ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے کوئی باپ اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔ (البقرۃ:١۴٦)

چناں چہ پُرانی کتابوں کے جاننے والے بہت سے علماء واحبار اپنی کتابوں میں ذکر کردہ علامتوں کو پڑھ کر پیغمبر علیہ السلام پر ایمان لائے، مثلاً: سیدنا حضرتِ عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا حضرتِ سلمانِ فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن جیسے بہت سے حضرات۔

اور پیغمبر علیہ السلام اپنے بارے میں فرمایا کرتے تھے: ''دَعْوَةُ أَبِيْ إِبْرَاهِيْمَ وَبَشَارَةُ عِيْسىٰ الخ''. (البداية والنهاية ٣٣٥/٢ دار إحياء التراث العربي بيروت) (مَیں اپنے والد (مورثِ اعلیٰ) ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کا اور اپنے سے پہلے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور خوش خبری کا مصداق ہوں)

حضرت عطاء بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے میری ملاقات ہوئی، تو میں نے آپ سے پوچھا کہ ''توریت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو صفات بیان ہوئی ہیں، اُن کے متعلق آپ مجھے باخبر فرمائیے''۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات قرآنِ کریم میں بیان ہوئی ہیں، اُن میں سے بعض توریت میں بھی بیان کی گئی ہیں؛ چناں چہ توریت میں لکھا ہے (جس کا آپ نے عربی میں ترجمہ کرکے بیان کیا): **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ! إِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيْرًا، وَحِرْزًا لِلْأُمِّيِّيْنَ، أَنْتَ عَبْدِيْ وَرَسُوْلِيْ، سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ، لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيْظٍ وَلَا صَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ، وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَيَغْفِرُ، وَلَنْ يَقْبِضَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ حَتّٰى يُقِيْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ، بِأَنْ يَقُوْلُوْا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهَ، وَيَفْتَحُوْا بِهَا أَعْيُنًا عُمْيًا وَآذَانًا صُمًّا وَقُلُوْبًا غُلْفًا''.**

(صحيح البخاري، كتاب البيوع / باب كراهية السخط في السوق رقم: ٢١٢٥) (اے نبی! ہم نے آپ کو گواہ بناکر اور جنت کی خوش خبری دینے والا اور جہنم کا ڈر سنا دینے والا بنا کر بھیجا ہے، اور آپ کو اُمیین (اُمت محمدیہ) کے لئے حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے، آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں، میں نے آپ کا نام ''متوکل'' (مجھ پر بھروسہ کرنے والا) رکھا ہے، آپ نہ بدگو ہیں، اور نہ سخت دل ہیں، اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہیں، اور آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے؛ بلکہ عفو و درگذر سے کام لیتے ہیں، اور اُس وقت تک اللہ تعالیٰ آپ کی روح کو قبض نہیں فرمائیں گے؛ تا آں کہ آپ کے ذریعہ بھٹکی ہوئی ملت کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پر نہ قائم ہوجائے، اور آپ اِس کلمہ کے ذریعہ نابینا آنکھوں کو بینائی عطا کریں گے، اور بہرے کانوں اور ڈھکے ہوئے دلوں کو کھول دیں گے)

اور ایک روایت میں وارد ہے کہ ایک دیہاتی شخص کاروباری سلسلے میں مدینہ منورہ آتے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آئے تو اُن کے دل میں خیال آیا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے بارے میں بہت سن رکھا ہے، چلو آج مل کے آتے ہیں، دیکھیں کون ہیں؟ فرماتے ہیں کہ: جب مَیں گیا تو دیکھا کہ آپؐ راستے سے گزر رہے ہیں اور آپؐ کے دائیں بائیں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں؛ چناں چہ مَیں بھی آپ کے ساتھ ہو گیا، آپ چلتے چلتے ایک یہودی کے مکان سے گزرے، تو وہاں چارپائی پر ایک بہت حسین وجمیل نوجوان مرض الوفات میں تھا اور اُس کا یہودی باپ اُس کے سرہانے توریت پڑھ رہا تھا، پیغمبر علیہ السلام نے اُس یہودی شخص سے کہا کہ ''مَیں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تمہاری اِس کتاب (توریت) میں میرا تذکرہ اور میری صفات بیان ہوئی ہیں یا نہیں؟'' یہ سوال سن کر وہ باپ ہچکچایا اور گول مول بات کرنے لگا، تو اُس بیمار بیٹے نے اپنی بند آنکھیں کھول دیں، اور پیغمبر علیہ السلام کو جواب دیا کہ ''مَیں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہماری کتابوں میں آپ کا تذکرہ اور آپ کی صفات بعینہٖ موجود ہیں اور مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں''۔ اور یہ کہہ کر اُس کی حالت غیر ہونے لگی اور اُس کی وفات ہوگئی۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اِسے یہاں سے ہٹاؤ ہم اِس کی تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ کا انتظام کریں گے''۔ (کیوں کہ اِسلام پر اِس کی موت ہوئی ہے) (تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۵۴۵ دار السلامؑ ریاض)

گویا اُس جوان نے مرتے مرتے یہ گواہی دے دی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کتاب اللہ، توریت اور انجیل میں موجود ہیں۔

اِسی سلسلے میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ ایک مرتبہ ایک بڑے دولت مند یہودی سے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ضرورت کے وقت کچھ قرض لیا تھا، جب اَدائیگی کا وقت آیا تو وہ تقاضا کرنے لگا، تو نبی اکرم علیہ السلام نے سردست اَدائیگی کا انتظام نہ ہونے کا عذر فرمایا؛ لیکن وہ یہودی وہیں جم کر بیٹھ گیا، اور کہنے لگا کہ آج تو بغیر لئے نہیں جاؤں گا؛ یہاں تک کہ پورا دن اور رات گذر گئی، اُس کا یہ عمل وہاں موجود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت ناگوار گذرا، اور وہ اُسے اِشارے کنایہ سے ڈراتے دھمکاتے رہے؛ تاکہ وہ اپنے گھر چلا جائے۔ نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کو جب اِس بات کا اندازہ ہوا، تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے باز پرس فرمائی، اور یہ اِرشاد فرمایا کہ ''میرے رب نے مجھے کسی بھی معاہد وغیرہ کے ساتھ ظلم اور حق تلفی سے منع فرمایا ہے''۔ بہر حال جب اگلا دن نمودار ہوا تو اُس یہودی شخص نے برملا کلمہ شہادت ''اشھدان لا الٰہ الا اللہ واشھد انک رسول اللہ'' پڑھا، اور اپنے سب مال کا آدھا حصہ اللہ کے راستے میں دینے کا اعلان کیا، اور یہ کہا کہ میں نے آپ کے ساتھ جو بھی برتاؤ کیا وہ اِس وجہ سے تھا کہ میں آزمانا چاہتا تھا کہ آپ کی جو صفات میں نے توریت میں پڑھ رکھی ہیں، آپ اُس پر پورے اُترتے ہیں یا نہیں؟

اور توریت میں آپ کا تعارف اِس طرح کرایا گیا ہے: ''مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ، مَوْلِدُہٗ بِمَکَّۃَ، وَمُھَاجَرُہٗ بِطَیْبَۃَ، وَمُلْکُہٗ بِالشَّامِ، لَیْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِیْظٍ وَلَا صَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا مُتَزَيٍّ بِالْفُحْشِ وَلَا قَوْلِ الْخَنَا''۔ (محمد عبداللہ کے بیٹے ہیں، اُن کی پیدائش مکہ معظّمہ میں ہوگی، اور مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت فرمائیں گے، اور اُن کی حکومت شام تک پہنچے گی، نہ تو آپ بدگو ہیں، اور نہ بے جا سختی کرنے والے ہیں، اور نہ ہی بازاروں میں شور وشغب مچانے والے ہیں، اور نہ فحش کلامی اور نازیبا گفتگو کرنے والے ہیں)

اُس کے بعد اُس یہودی شخص نے اپنے مال کو پیش کرتے ہوئے پیغمبر علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ اِسے اپنی مرضی سے جہاں چاہیں خرچ کر سکتے ہیں، اور یہ یہودی بڑے سرمایہ داروں میں تھا۔ (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ، مشکوٰۃ شریف/ باب فی اخلاق وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲/۵۲۰-۵۲۱)

اور حضرت سہل مولیٰ خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود انجیل میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ صفات پڑھی ہیں کہ ''وہ نہ پستہ قد ہوں گے نہ بہت دراز قد؛ بلکہ سفید رنگ اور دو زلفوں والے ہوں گے، اُن کے دونوں شانوں کے درمیان ایک مہر نبوت ہوگی، صدقہ قبول نہیں فرمائیں گے، حمار اور اُونٹ پر سوار ہوں گے، بکریوں کا دودھ خود دوہ لیا کریں گے، پیوندزدہ کرتا استعمال کریں گے اور جو ایسا کرے گا وہ تکبر سے بری ہوگا، وہ حضرت

اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت میں سے ہوں گے، ان کا نام ''احمد'' ہوگا''۔ (رواہ ابن سعد وابن عساکر، ماخوذ: معارف القرآن ۸۲/۴ ربانی بک ڈپو دہلی)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

(۳) بعد ازاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مشن بیان ہوا کہ: ﴿يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ یعنی آپ کا مشن دنیا میں یہ ہے کہ اچھائیوں اور نیکیوں کو پھیلائیں، اور برائیوں پر روک ٹوک کریں۔ یعنی:

اِنسانیت کو زندہ کریں، اور اِنسانیت کے خلاف باتوں کو مٹانے پر محنت کریں۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کو بجالائیں، اور حق تلفی پر نکیر کریں۔

تمام عالم میں عدل وانصاف کو عام کریں، اور نااِنصافی کو دور کریں۔

ہر جگہ اَمن واَمان قائم کریں اور فتنہ وفساد کو مٹادیں۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ ہر اچھی بات کو قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ''المعروف'' سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ اُس کام سے اِنسانوں کو اُنسیت اور معرفت ہونی چاہئے۔ خصوصاً ہر مسلمان کی طبعیت اُس کی طرف راغب ہونی چاہئے، اور اُسے بجالانے میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں کرنی چاہئے۔

اِس کے برخلاف ''اَلْمُنْکَر'' کے معنی عربی میں ''اجنبی اور نامانوس'' کے آتے ہیں، اِس سے یہ اِشارہ کرنا مقصود ہے کہ اِنسان کو گناہ اور جرم سے کوئی واسطہ اور مطلب نہیں ہونا چاہئے، واضح ہو کہ آپ ﷺ کی یہ تعلیمات صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں؛ بلکہ تمام اِنسانوں کے لئے ہیں۔ گویا کہ آپ نے جو بھی اچھائی کا حکم دیا یا جس بُرائی سے روکا اُس میں تمام اِنسانوں کی بھلائی مضمر ہے۔

تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اگر معاشرہ میں اچھی باتوں کی تاکید اور بری باتوں پر روک ٹوک کا ماحول نہ ہو، تو پورا معاشرہ بدترین اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہوکر تباہ وبرباد ہوجاتا

ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے غضب کا مستحق بن جاتا ہے، اِسی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت میں سے ایک اہم مقصد ''اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کو قرار دیا گیا، اور آپ علیہ السلام نے اُمت کو اِس بات کی انتہائی تاکید فرمائی کہ وہ ہر سطح پر اِس عمل کو جاری رکھیں، ورنہ سخت نقصان کا اندیشہ ہے۔ سیدنا حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرَنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ، ثُمَّ تَدْعُوْنَهٗ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ. (سنن الترمذي / أبواب الفتن ٢١٦٩)	اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم لوگ ضرور بالضرور اچھی باتوں کی تاکید اور بری باتوں پر نکیر جاری رکھو، ورنہ اِس بات کا اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیجے، پھر تم دعائیں کرو مگر وہ اُس کے دربار میں قبول نہ ہوں۔

اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر میں تشریف لائے، اور میں نے آپ کے چہرۂ اَنور سے اَندازہ لگالیا کہ ضرور کوئی اَہم بات پیش آئی ہے، پھر آپ وضو کرکے باہر تشریف لائے اور گھر میں کسی سے گفتگو نہیں فرمائی، اور باہر تشریف لاکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے خطاب فرمایا، جسے میں حجرہ کے دروازے کے قریب کھڑے ہوکر سن رہی تھی، آپ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ: مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَدْعُوْنِيْ فَلَا أُجِيْبُكُمْ، وَتَسْأَلُوْنِيْ فَلَا أُعْطِيْكُمْ، وَتَسْتَنْصِرُوْنِيْ فَلَا أَنْصُرُكُمْ. (مسند أحمد رقم: ٢٥٢٥٥)	اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتے ہیں کہ اچھی باتوں کی تلقین اور برائیوں پر نکیر کرتے رہو، قبل اِس کے کہ تم مجھ سے دعا مانگو اور میں قبول نہ کروں، اور تم مجھ سے سوال کرو اور میں تمہیں عطا نہ کروں، اور تم مجھ سے مدد طلب کرو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اِرشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

إِنَّكُمْ مَنْصُوْرُوْنَ مُصِيْبُوْنَ وَمَفْتُوْحٌ لَكُمْ، وَمَنْ أَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلْيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (سنن الترمذي / أبواب الفتن ٢٢٥٧)

یقیناً تمہاری مدد ہوگی، تم مالِ غنیمت حاصل کروگے اور تمہیں فتوحات حاصل ہوں گی، اور تم میں سے جو اُس زمانہ کو پائے تو وہ اللہ سے ڈرے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے، اور جو شخص قصداً میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے گا۔

چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو ہر اچھی بات کی تعلیم دی اور ہر برائی سے بچنے کی تاکید فرمائی۔

آپ نے وحدانیت کا حکم دیا، جو دنیا کی سب سے بڑی سچائی ہے۔

آپ نے شرم وحیا اور عفت اور پاک دامنی کی تعلیم دی۔

آپ نے حسن معاشرت کی تاکید فرمائی۔

آپ نے اَمن واَمان کی فضا قائم کی۔

الغرض جتنی بھی اچھی باتیں ہوسکتی ہیں، اُن کو معاشرہ میں رائج کرنے کی آپ نے تحریک چلائی۔

اور دوسری طرف آپ نے ہر برائی سے اُمت کو بچنے کی تاکید فرمائی۔

فواحش پر روک

بالخصوص آپ نے بے حیائی، فواحش، ننگا پن اور اجنبی عورتوں اور مردوں کے ناجائز میل ملاپ سے منع فرمایا؛ کیوں کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا فتنہ اور فساد ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ ’’مَیں نے اپنی اُمت میں مَردوں کے لئے (بدکار) عورتوں سے بڑا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا‘‘۔ (بخاری شریف، کتاب النکاح/ باب ما یتقی من شؤم المرأۃ حدیث:۵۰۹۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس پر بند لگانے کی صرف زبانی ہی تعلیم نہیں دی؛ بلکہ اُس کو روکنے کے مستحکم اُصول اور قانون بنائے، مثلاً: کوئی عورت کسی اجنبی مرد کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے، اکیلے سفر نہ کرے، بغیر محرم یا شوہر کے گھر سے باہر نہ نکلے وغیرہ۔ (بخاری شریف، کتاب الجہاد والسیر/ باب من اکتتب فی جیش الخ حدیث:۳۰۰۶)

عورتوں کے لئے پردہ کیوں ضروری ہے؟

بہت سے لوگ عورت کے لئے پردہ اور حجاب کے حکم پر اعتراض کرتے ہیں اور اسے عورت کے لئے ناانصافی سمجھتے ہیں؛ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ پردہ عورت کے لئے احترام اور عزت کا ذریعہ ہے، اور اُس کی عصمت کی حفاظت کا انتظام ہے۔

اِس لئے کہ جو چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے اُتنا ہی اُسے چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ اگر کسی کے پاس بہت گراں قدر ہیرا ہو تو اُسے سڑک پر نہیں ڈالا جائے گا؛ بلکہ اُسے مخمل کے ڈبے میں بند کر کے تالے میں رکھا جائے گا؛ کیوں کہ اگر اُسے کھول دیا جائے تو اُس کی آب وتاب میں فرق آسکتا ہے، دُزدیدہ نگاہیں اُس پر پڑیں گی، تو اُس کا چوری کرنا آسان ہو جائے گا، پس جتنی زیادہ قیمتی چیز ہے اُتنی ہی اُس کی حفاظت کی جاتی ہے، اسلام کی نظر میں یہ عورت ذات بڑی قیمتی اور قابلِ احترام ہے، اِس کی حفاظت اِسی میں ہے کہ اِس پر کسی اجنبی کی نظر نہ پڑے۔

اِس کے برخلاف اگر بے پردگی اور عریانیت کی اِجازت دی جائے گی، تو نہ صرف یہ کہ عورت کی عزت پامال ہوگی؛ بلکہ پورا معاشرہ اَخلاقی اَنارکی میں مبتلا ہو جائے گا، اور پورا خاندانی نظام مخدوش ہو جائے گا، اور خوش گوار گھریلو زندگی ناپید ہو جائے گی؛ جیسا کہ اِباحیت پسند معاشرہ کا حال ہے، نعوذ باللہ منہ۔

شراب نوشی پر نکیر

اِسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہی عن المنکر کی ذمہ داری انجام دیتے ہوئے شراب اور منشیات سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی۔ آپ نے صرف شراب پینے ہی کو حرام نہیں کہا؛ بلکہ اس کے پھیلانے میں جو لوگ بھی کسی طرح حصہ لیں، ان سب کے بارے میں لعنت فرمائی ہے؛ چناں چہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: ''میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے، اور یہ فرمایا:

يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَعَنَ الْخَمْرَ وعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَسَاقِيَهَا وَمُسْتَقِيَهَا. (رواه أحمد / مسند عبد الله بن العباس رقم: ٢٨٩٧)

اے محمد! بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب پر، اس کے بنانے والے پر، اس کو بنوانے والے پر اور اس کے پینے والے اور اسے اٹھانے والے اور جس کے پاس اسے اٹھا کر لے جایا گیا ہو، اور اس کے بیچنے والے پر اور اس کے خریدار پر اور اس کے پلانے والے اور پینے والے پر لعنت اور پھٹکار فرمائی ہے۔

اِسلام برائی کو مٹانے میں صرف نعرے بازی اور ظاہری شور شرابے پر بھروسہ نہیں رکھتا؛ بلکہ وہ برائی کو جڑ سے مٹانے پر یقین رکھتا ہے، چناں چہ شراب اور منشیات کے بارے میں بھی اس کا یہی کردار روشن ہے کہ اسلام کی نظر میں شراب کشید کرنا یا شراب کی فیکٹریاں بنانا یا اس کی خرید و فروخت کرنا سب ممنوع اور قابل تعزیر جرم ہے۔ اسلام اس منافقت کو کبھی برداشت نہیں کرسکتا کہ ایک طرف باقاعدہ شراب بنانے اور فروخت کرنے کے لائسنس دئے جائیں اور دوسری طرف شراب کی بوتلوں پر نشہ کے نقصان دہ ہونے کی تنبیہ لکھ دی جائے، یا اخبارات میں اس کے خلاف اشتہارات چھاپ دئے جائیں، اس طریقہ سے کبھی منشیات کا رواج ختم نہیں

ہوسکتا؛ بلکہ یہ کھلا ہوا مذاق ہے جس کی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

اسلام کی نظر میں شراب کتنی قابل نفرت چیز ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے دسترخوان پر بھی بیٹھنے سے منع فرمایا ہے جہاں شراب کا دور چل رہا ہو؛ چناں چہ اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

يَـأَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يَقْعُدَنَّ عَلٰى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهَا الْخَمْرُ. (مسند أحمد ۱۲۵/۱)

اے لوگو! میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چل رہا ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ایسی تقریبات حتی کہ ایسے ہوٹلوں میں بھی جانے سے احتراز کرنا چاہئے جہاں برسرعام شراب پلائی جاتی ہو۔

شراب کو حلال سمجھنے والوں کو بندر اور خنزیر بنادیا جائے گا

بخاری شریف میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَيَكُوْنَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَّ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ، وَلَيَنْزِلَنَّ أَقْوَامٌ إِلٰى جَنْبِ عَلَمٍ يَرُوْحُ عَلَيْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَهُمْ، يَأْتِيْهِمْ يَعْنِي الْفَقِيْرَ لِحَاجَةٍ، فَيَقُوْلُ: اِرْجِعْ إِلَيْنَا غَداً، فَيُبَيِّتُهُمُ اللّٰهُ

یقیناً میری اُمت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشمی کپڑے، شراب اور گانے باجے کے آلات کو جائز سمجھیں گے، (اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو راتوں رات ہلاک کردیں گے) اور کچھ لوگ ایک اونچے پہاڑ کے دامن میں پڑاؤ کریں گے، جہاں چرواہے ان کے جانوروں کو چرائیں گے، تو ایک فقیر شخص اپنی

وَيَضَعُ الْعَلَمَ وَيَمْسَخُ آخَرِيْنَ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

(بخاری شریف ۸۳۷/۲ حدیث: ۵۵۹۰، جامع المہلکات ۲۷۰۷)

ضرورت کے لئے ان کے پاس مانگنے کے واسطے آئے گا، تو وہ یہ کہہ دیں گے کہ آج نہیں کل آنا (یعنی بلا وجہ اسے ٹال دیں گے) تو اُسی رات اللہ تعالیٰ اُنہیں ہلاک فرمادیں گے اور وہ پہاڑ ان پر گرادیں گے، اور جو باقی رہ جائیں گے، اُن کو قیامت تک کے لئے بندر اور خنزیر بنادیں گے۔

اس صحیح روایت میں دیگر گناہوں کے ساتھ شراب کا بھی ذکر موجود ہے، اس لئے خاص طور پر جو لوگ کسی تاویل سے شراب کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے لئے سخت تنبیہ ہے۔

اَفسوس ہے کہ آج کل معاشرہ میں ''شراب نوشی'' اور نشہ عام ہوتا جا رہا ہے۔ اَب یہ گناہ اتنا عام ہے گویا وہ معیوب ہی نہیں رہا؛ بلکہ فیشن بن گیا ہے۔

دوسروں کی بات ہم کیا کریں، ہمیں تو اپنوں سے شکوہ ہے کہ آج سے ۱۰، ۲۰/ سال پہلے تک یہ ماحول تھا کہ اگر محلے میں کوئی آدمی -نعوذ باللہ- شرابی ہے، تو محلے کے لوگ اُس سے ملتے ہوئے اور پاس بیٹھتے ہوئے کتراتے تھے؛ لیکن آج مسلمانوں کے محلوں میں ردی چننے والا آدمی آواز لگاتا ہے، تو اُس کے ٹھیلے پر شراب کی خالی بوتلیں نظر آتی ہیں؛ حالاں کہ شراب اُمُّ الخبائث یعنی ساری برائیوں کی جڑ اور تمام فواحش ومنکرات کی بنیاد ہے، جس کی وجہ سے آدمی کی عقل ماؤف ہوجاتی ہے، اور وہ انسان ہوکر جانوروں سے بھی بدتر ہوجاتا ہے، شراب کے نشے میں مدہوش ہوکر اُسے پانی اور پیشاب میں، بہن میں اور بیوی میں، گھر میں اور سڑک میں اور اپنے میں یا غیر میں کوئی امتیاز نہیں رہتا، اس کے متعلق پیغمبر علیہ السلام نے سخت ترین وعید ارشاد فرمائی ہے کہ ''جو آدمی دنیا میں شراب پئے اور وہ بغیر توبہ کے مرجائے تو اُس کو قیامت میں ''طینۃ الخبال'' پلایا جائے گا''۔ پوچھا گیا کہ یہ کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ جہنمیوں کے زخموں سے جو بدبودار

پیپ اور مواد نکلے گا وہ اِس شرابی کو پلایا جائے گا۔(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ/ بیان ان کل مسکر خمر رقم:۲۰۰۲)

اِس لئے اِس منحوس اور موجب لعنت گناہ کو معاشرہ سے مٹانے پر مسلسل محنت کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ پوری اُمت کو اِس بدترین گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

پاکیزہ چیزوں کی حلت

(۵) پھر آپ علیہ السلام کی ایک صفت یہ بیان ہوئی کہ: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتُ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ یعنی وہ پیغمبر علیہ السلام پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں، اور خبیث چیزوں کو اللہ کے حکم سے حرام کرتے ہیں۔ یعنی نبی اکرم علیہ السلام کی تعلیمات کا ایک اہم حصہ یہ ہے کہ دنیا میں جو چیزیں صاف ستھری اور پاکیزہ ہیں، اُنہیں حلال قرار دیا جائے اور جن چیزوں میں ظاہری اور معنوی اعتبار سے خبث پایا جائے اُن کے حرام ہونے کا اعلان کیا جائے؛ اِس لئے کہ آدمی جس طرح کی غذا اِستعمال کرتا ہے، اور جن جانوروں کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے، ویسے ہی اچھے اور برے اَثرات اُس کی طبعیت پر رونما ہوتے ہیں۔ بریں بنا اِسلام نے حلال اور طیب مال اور پاکیزہ غذائیں اِستعمال کرنے کی تاکید کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا اُحِلَّ لَهُمْ، قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ. (المائدۃ، جزء آیت: ٤)

(اے پیغمبر) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اُن کے لئے کیا حلال ہے؟ تو آپ اُن سے فرمادیجئے کہ تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔

اور سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ ’’اے لوگو! اللہ تبارک وتعالیٰ طیب اور پاک ہیں، اور وہ صرف طیب ہی کو قبول فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اِیمان والوں کو بھی اُسی بات کا حکم دیا ہے جس کا پیغمبروں کو حکم دیا ہے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

يَآيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا، اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ. (المؤمنون: ۵۱)

اے پیغمبرو! تم صاف ستھری چیزیں کھاؤ، اور نیک اَعمال کرو، بے شک میں تمہارے کاموں کو جانتا ہوں۔

اور یہ آیت بھی تلاوت فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ. (البقرة: ۱۷۲)

اے اِیمان والو! ہم نے تمہیں جو روزی عطا کی ہے اُس میں سے عمدہ چیزیں کھایا کرو، اور اللہ کا شکر بجالاؤ اگر تم اُس کی بندگی کرتے ہو۔

اُس کے بعد یہ اِرشاد فرمایا کہ ’’آدمی لمبا سفر کر کے آتا ہے، پراگندہ حال ہوتا ہے، گرد وغبار میں اَٹا ہوا ہوتا ہے (یعنی بظاہر قابل رحم حالت ہوتی ہے) لیکن اُس کا کھانا، پینا، لباس اور غذا سب حرام سے ہوتی ہے، پھر وہ آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اُٹھا کر ’’یارب! یارب‘‘ کہہ کر دعا کرتا ہے، مگر اُس کی فریاد کیسے سنی جائے گی؟‘‘ (گویا کہ حرام میں اِشتغال کی وجہ سے وہ راندۂ درگاہ قرار پاتا ہے، نعوذ باللہ من ذلک)۔ (صحیح مسلم/ کتاب الزکوۃ حدیث: ۱۰۱۵، تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۹۱۴ دار السلام ریاض)

نیز ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ. وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ. (المائدة: ۸۷-۸۸)

اے اِیمان والو! مت حرام قرار دو اُن پاکیزہ چیزوں کو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے، اور حد سے آگے مت بڑھو، بے شک اللہ تعالیٰ کو حد سے تجاوز کرنے والے لوگ پسند نہیں آتے ہیں۔ اور کھاؤ اُن چیزوں کو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں روزی کے طور پر حلال اور طیب عطا فرمائی ہیں، اور ڈرو اللہ سے جس پر تم یقین رکھنے والے ہو۔

مذکورہ آیاتِ کریمہ میں ’’طیبات‘‘ سے مراد سبھی حلال چیزیں ہیں، جن میں مذبوحہ جانور، پھل فروٹ، غلہ جات اور شرعی حدود میں رہ کر کمایا جانے والا مال شامل ہے۔

خبائث کی حرمت

اِس کے برخلاف شریعت میں حرام مال، نجس غذا اور خبیث عادات والے جانوروں کا استعمال حرام قرار دیا گیا ہے؛ چناں چہ:

الف:- مردار جانور حرام قرار دیا گیا۔

اور شریعت میں جانور یا تو اِس وجہ سے مردار ہوتا ہے کہ اُس سے بہنے والا خون (دم مسفوح) خارج نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے پورا گوشت زہریلا اور نقصان دہ ہو جاتا ہے، جیسے خود بخود مرنے والا یا جھٹکے کا جانور وغیرہ۔ اور یا وہ جانور مردار کہلاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نام پر ذبح کیا جائے، تو اُس میں معنوی طور پر خباثت آجاتی ہے، اِس لئے اُس پر حرمت کا اطلاق ہوتا ہے، وغیرہ۔

ب:- بہتا ہوا خون حرام قرار دیا گیا۔

اور یہ بات جدید تحقیق سے بھی ثابت ہے کہ جانور سے نکلنے والا بہتا ہوا خون اِنسانی صحت کے لئے انتہائی مضر اور خطرناک ہے۔ نیز وہ نجس اور ناپاک بھی ہے، اِس لئے بجا طور پر اُس سے دور رہنے کی تلقین کی گئی۔

ج:- خنزیر کو نجس العین اور حرام قرار دیا گیا۔

اِس لئے کہ یہ جانور دنیا کے تمام جانوروں میں سب سے زیادہ غلیظ الطبع اور شرم ناک حرکتوں کا مرتکب ہے۔ اِس کی سب سے مرغوب غذا مردار اور گندگی ہے؛ حتیٰ کہ یہ اپنے فضلات بھی کھا جاتا ہے۔ جدید سائنسی تحقیق کے مطابق خنزیر کے جسم میں دیگر جانوروں کے مقابلے میں ۳۰ رفیصد زائد زہریلے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ یہ بدترین جانور شہوانیت میں بھی اپنی مثال آپ ہے، غیر محدود جنسی لذت اندوزی اِس کا محبوب مشغلہ ہے۔ (تلخیص: جرمن فوڈ اسٹنڈرڈ سپروائزری بورڈ)

دنیا کا تجربہ ہے کہ جو قومیں ’’خنزیر خور‘‘ ہیں، اُن میں جسمانی اور اَخلاقی طور پر خنزیر جیسی ہی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو حرام اور نجس العین قرار دے کر بلاشبہ اہلِ اِیمان اور اِنسانیت پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

د:- درندوں مثلاً: شیر، چیتا، کتا، سانپ اور بچھو وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا۔

اِس سلسلے میں حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہٗ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ’’رحمۃ اللہ الواسعۃ‘‘ شرح ’’حجۃ اللہ البالغۃ‘‘ میں لکھتے ہیں کہ:

خنزیر کے بعد حرمت میں اُن جانوروں کا نمبر آتا ہے جو بداَخلاق ہیں۔ وہ ایسے اخلاق پر پیدا کئے گئے ہیں، جو اِنسان سے مطلوب اَخلاق کے برخلاف ہیں، اور وہ اُن کی فطرت کا ایسا لازمہ بن گئے ہیں کہ وہ بداَخلاقی کرنے پر مجبور ہیں۔ وہ حیوانات اُن برے اَخلاق میں ضرب المثل ہیں، اور سلیم الفطرت لوگ اُن جانوروں کو برا سمجھتے ہیں، وہ اُن کے کھانے کے رَوادار نہیں، بجز چند لوگوں کے جو قابل اعتماد نہیں۔

اور وہ جانور جن میں یہ اَخلاقی بگاڑ پوری طرح پایا جاتا ہے، اور خوب نمایاں ہے، اور عرب و عجم کے سبھی لوگ اِس کو تسلیم کرتے ہیں، وہ پانچ قسم کے جانور ہیں:

(۱) درندے:- جن کی فطرت میں پنجوں سے چھیلنا، زخمی کرنا اور حملہ کرنا ہے، اور جن میں سخت دلی پائی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے: ’’ہر کچلی دار درندے کا کھانا حرام ہے‘‘۔ (مشکوٰۃ شریف حدیث: ۴۱۰۴)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجّو کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’کیا بجّو کو بھی کوئی کھاتا ہے؟‘‘ اور بھیڑیے کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو فرمایا: ’’کیا بھیڑیے کو بھی کوئی بھلا مانس کھاتا ہے‘‘۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب المناسک/ باب المحرم یجتنب الصید حدیث: ۲۷۰۵)

(۲) وہ حیوانات جن کی طبعیت میں لوگوں کو ستانا، تکلیف پہنچانا، اُن سے جھپٹ کر کوئی چیز لے لینا، اُن پر ٹوٹ پڑنے کے لئے موقع کا منتظر رہنا، اور اِس معاملے میں شیاطین کا اِلہام قبول کرنے کا مادّہ ہے، جیسے: کوا، چیل، چھپکلی، مکھی، سانپ اور بچھو وغیرہ۔

(۳) وہ حیوانات جن کی فطرت میں ذلت وحقارت اور گڑھوں میں چھپا رہنا ہے، جیسے: چوہا اور دیگر حشرات الارض (کیڑے مکوڑے)

(۴) وہ حیوانات جو نجاستوں اور ناپاکیوں میں زندگی بسر کرتے ہیں، یا مردار کے ساتھ لگے رہتے ہیں، اور وہی کھاتے ہیں؛ یہاں تک کہ اُن کے جسم بدبو سے بھر گئے ہیں۔

(۵) گدھا: یہ جانور حماقت وذلت میں ضرب المثل ہے۔ کوئی بے وقوفی کا کام کرتا ہے تو اُس کو گدھے کا خطاب ملتا ہے۔ اور عرب کے سلیم الفطرت لوگ اِسلام سے پہلے بھی اِس کو حرام قرار دیتے تھے اور گدھا شیطان کے مشابہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ''جب تم گدھے کا رینکنا سنو تو شیطان سے اللہ کی پناہ چاہو؛ کیوں کہ اُس نے یقیناً کسی شیطان کو دیکھا ہے''۔ (مشکوٰۃ شریف حدیث: ۴۳۰۲)

اور سب حیوانات میں حرمت کی مشترک وجہ وہ ہے جس پر اَطباء کا اتفاق ہے کہ یہ سب حیوانات نوعِ اِنسانی کے مزاج کے برخلاف ہیں، اور اَز روئے طب اِن کا کھانا جائز نہیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ ۴۴۰/۵ - ۴۴۵ مکتبہ حجاز دیوبند)

ہ:- شراب اور منشیات پر سخت پابندی لگائی گئی؛ کیوں کہ یہ چیزیں اُم الخبائث میں داخل ہیں اور بے شمار خرابیوں کا سبب ہیں، اِسی لئے اِسلام میں شراب پینے پر نہ صرف یہ کہ آخرت کی سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں؛ بلکہ دنیا میں بھی اِس پر قابل عبرت سزا مقرر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا اِرشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ	اے ایمان والو! یہ شراب، جوا اور بت اور (سٹہ کے) تیر یہ سب شیطان کے گندے کام ہیں،

رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلاَةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ. (المائدة: ۹۰-۹۱)

تم ان سے بچتے رہو؛ تاکہ نجات پاؤ، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعہ دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، سو اب بھی تم باز آؤ گے۔

یہاں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رہنی چاہئے کہ قرآنِ کریم میں ''خمر'' (شراب) کو ''رجس''یعنی پلیدگی سے تعبیر کیا ہے، جو منشیات سے سخت ناپسندیدگی کی طرف اِشارہ ہے۔

اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ شراب اور نشہ کی عادت اِنسانی صحت کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔طبی تحقیقات کے مطابق شراب پینے سے اِنسان کی رگیں اور پٹھے ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، دماغ کی شرائین شدید طور پر متأثر ہوتی ہیں، جسم میں فالج کا خطرہ بڑھ جاتا ہے، جگر سکڑ جاتا ہے، کینسر کے جراثیم پنپنے لگتے ہیں، نظامِ ہضم جواب دے جاتا ہے اور بہت جلد آدمی موت کے منہ میں چلا جاتا ہے، اِس لئے اِسلام نے نشہ کی ہر صورت کو ممنوع قرار دیا ہے۔اور اُخروی اعتبار سے بھی سخت ترین وعیدیں سنائی ہیں۔

بلاشبہ یہ سب اَحکامات فطرتِ اِنسانی کی بھلائی کے لئے جاری کئے گئے ہیں، جن میں اِنسانیت کی فلاح و بہبود پیش نظر ہے؛ تاکہ ہر طرح کے ظاہری اور باطنی خبیث اَثرات سے اِنسان محفوظ رہے۔

آسان شریعت

(٦) پھر آپ کی یہ صفت بیان ہوئی کہ: ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ یعنی حضور اکرم علیہ السلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جو سخت احکامات

پُرانی اُمتوں کو دیئے گئے تھے، آپ نے اُن کو ختم فرمادیا۔ مثلاً: پاکی حاصل کرنے کے لئے کپڑے کو کاٹ دینا یا کھال کو چھیل دینا یا صدقہ کی قبولیت کے لئے آسمان سے آگ آ کر اُسے جلا دینا وغیرہ۔ یا اُن کی نافرمانیوں کے سبب اُن پر بعض چیزیں حرام کردی گئی تھیں؛ جیسا کہ اِرشادِ خداوندی ہے:

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِىْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَا اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَا اَوِ الْحَوَايَا اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصَادِقُوْنَ. (الأنعام: ١٤٦)

اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ناخن والا جانور (جس کی اُنگلیاں پھٹی نہ ہوں جیسے: اُونٹ، شتر مرغ، بطخ، مرغ وغیرہ) اور گائے بکری میں سے اُن کی چربی حرام کی تھی، الا یہ کہ جو اُن کی پشت پر یا انتڑیوں پر لگی ہو، یا وہ چربی جو ہڈی کے ساتھ ملی ہو (وہ حرام نہ تھی) یہ ہم نے اُن کو سزا دی تھی اُن کی شرارت پر، اور ہم سچ کہتے ہیں۔

تو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آکر اُن سب پابندیوں کو ختم فرمادیا۔ اور اُمت کے سامنے بہت آسان دین پیش فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ”کون سا دین اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ”**اَلْحَنِيْفِيَّةُ السَّمْحَةُ**“ (یعنی سیدھا اور آسان) (مسند احمد/عن ابن عباس رقم: ۲۱۰۷، صحیح البخاری تعلیقاً/ باب: الدین یسر)

گویا کہ گذشتہ دینوں کے مقابلے میں دین اِسلام اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے، جو ملت ابراہیمی پر مشتمل ہے، اور نسبتاً آسان ہے۔

چناں چہ ایک روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا: ”**إِنَّ خَيْرَ دِيْنِكُمْ أَيْسَرُهُ، إِنَّ خَيْرَ دِيْنِكُمْ أَيْسَرُهُ**“. (مسند أحمد رقم: ١٥٩٣٦) (یعنی سب سے اچھا دین وہ ہے جو سب سے آسان ہے) یہ جملہ آپ نے دومرتبہ اِرشاد فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اُمراء اور ذمہ داروں کو یہ تاکید فرماتے تھے کہ لوگوں کے ساتھ سختی اور تنگی کا معاملہ نہ کریں؛ بلکہ جہاں تک ممکن ہو، آسانی اور سہولت کا معاملہ کریں۔

چناں چہ آپ نے سیدنا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی کہ:

بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا، وَيَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا. (تفسير ابن كثير مكمل ص: ٥٤٧ دار السلام رياض)

لوگوں کو خوش خبریاں سناؤ اور اُنہیں دین سے متنفر مت کرو، اور سہولتیں پیدا کرو اور تنگی سے پیش مت آؤ، اور آپس میں اتفاق رکھو اور اختلاف مت کرو۔

نیز نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اِرشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ قَدْ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ. (سنن ابن ماجة، كتاب الطلاق رقم: ٢٠٤٣)

اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے بھول چوک معاف فرمادی ہے، اور جس چیز پر مجبور کردیا جائے اُس کا (آخرت میں) گناہ بھی معاف ہے۔

علاوہ اَزیں اُمت محمدیہ پر ایک بڑا اِنعام یہ فرمایا کہ دل میں اَزخود پیدا شدہ خیالات اور باتوں پر کسی طرح کا مؤاخذہ نہ ہونے کا اعلان کردیا گیا؛ چناں چہ اِرشادِ نبوی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهٖ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ. (صحيح البخاري / كتاب الطلاق رقم: ٥٢٦٩)

اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے اُن باتوں کو درگذر فرمادیا ہے جو اُن کے دلوں میں آتی ہیں؛ تا آں کہ اُن پر عمل ہو یا زبان سے اِظہار ہو۔

نیز ایک حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے اِس اُمت پر یہ احسان فرمایا کہ جو شخص کسی نیکی کا محض اِرادہ کرتا ہے کہ اگرچہ اُس پر عمل نہ کرے، پھر اللہ تعالیٰ اُسے ایک کامل نیکی کا اجر عطا

فرماتے ہیں۔ اور اگر اِرادے کے بعد اُسے عمل میں بھی لے آئے تو اُس کے لئے دس گنا سے سات سو گنا؛ بلکہ اور زیادہ مقدار میں ثواب سے نوازتے ہیں۔

اِس کے برخلاف جو شخص کسی برائی کا اِرادہ کرے؛ لیکن اُس پر عمل نہ کرے اور اُس سے باز آجائے، تو اِس پر بھی اُس کے نامہ اعمال میں ایک کامل نیکی لکھ دی جاتی ہے، اور اگر برائی پر عمل کرلے تو صرف ایک برائی ہی لکھی جاتی ہے''۔ (بخاری شریف/ کتاب الرقاق حدیث:۶۴۹۱)

اِسی بنا پر سورۂ بقرہ کے اخیر میں یہ دعائیں تلقین کی گئی ہیں:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِيْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا، رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ، وَاعْفُ عَنَّا، وَاغْفِرْ لَنَا، وَارْحَمْنَا، اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ. (البقرة: ٢٨٦)

اے ہمارے رب! ہماری بھول چوک پر ہم سے مؤاخذہ مت فرمایئے۔ اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ مت ڈالئے جیسا کہ آپ نے ہم سے پہلی اُمتوں پر ڈالا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اُن باتوں کا مکلّف مت بنایئے جو ہمارے بس سے باہر ہوں۔ اور ہمیں معاف کردیجئے، اور ہماری مغفرت فرمادیجئے، اور ہم پر رحم فرمایئے، آپ ہی ہمارے مولیٰ ہیں، پس کافر قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرمایئے۔

اَحادیثِ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب دعائیں اُمت کے حق میں قبول ہوچکی ہیں۔

بریں بنا اِس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اِسلام میں ثابت شدہ کوئی بھی حکم ہماری طاقت سے باہر نہیں ہے؛ بلکہ اُس پر عمل کرنا آسان ہے؛ البتہ ہمت اور عزم ضروری ہے؛ لہٰذا جو یہ کہے کہ میرے لئے دین پر چلنا مشکل ہورہا ہے وہ اپنے ارادے پر غور کرے، دراصل ارادے اور عزم میں کمی ہوتی ہے؛ اِسی لئے دین مشکل معلوم ہوتا ہے، اگر عزم کرلیا جائے تو بڑے سے بڑا عمل مشکل نہیں رہتا۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ، مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ. (الحج، جزء آیت: ۷۸)

اُس نے تمھیں منتخب کرلیا ہے، اور اُس نے تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تنگی نہیں رکھی، تمھارے جدِ اَمجد ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر قائم فرمایا ہے۔

اِس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندی نور اللہ مرقدہٗ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ''معارف القرآن'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''دین میں تنگی نہ ہونے کا مطلب بعض حضرات نے یہ بیان فرمایا کہ اِس دین میں ایسا کوئی گناہ نہیں ہے جو توبہ سے معاف نہ ہو سکے، اور عذابِ آخرت سے خلاصی کی کوئی صورت نہ نکلے۔ بخلاف پچھلی اُمتوں کے کہ اُن میں بعض گناہ ایسے بھی تھے جو توبہ کرنے سے بھی معاف نہ ہوتے تھے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''تنگی سے مراد وہ سخت اور شدید احکام ہیں جو بنی اسرائیل پر عائد کئے گئے تھے، جن کو قرآن میں ''اصر'' اور ''اغلال'' سے تعبیر کیا گیا ہے، اِس اُمت پر ایسا کوئی حکم فرض نہیں کیا گیا''۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ ''تنگی سے مراد وہ تنگی ہے جس کو اِنسان برداشت نہ کر سکے، اِس دین کے اَحکام میں کوئی حکم ایسا نہیں جو فی نفسہٖ نا قابل برداشت ہو، باقی رہی تھوڑی بہت محنت ومشقت تو وہ دنیا کے ہر کام میں ہوتی ہے، تعلیم حاصل کرنے پھر ملازمت، تجارت وصنعت میں کیسی کیسی محنتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں؛ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کام بڑے سخت وشدید ہیں، ماحول کے غلط اور مخالف ہونے، یا ملک وشہر میں اُس کا رواج نہ ہونے کے سبب جو کسی عمل میں دشواری پیش آئے، وہ عمل کی تنگی اور تشدد نہیں کہلائے گی؛ بلکہ کرنے والوں کو اِس لئے بھاری معلوم ہوتی ہے کہ ماحول میں کوئی اُس کا ساتھ دینے والا نہیں، جس ملک میں روٹی

کھانے پکانے کی عادت نہ ہو، وہاں روٹی حاصل کرنا کس قدر دشوار ہوجاتا ہے، وہ سب جانتے ہیں؛ مگر اُس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ روٹی پکانا بڑا سخت کام ہے۔

اور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تفسیر مظہری'' میں فرمایا کہ ''دین میں تنگی نہ ہونے کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس اُمت کو ساری اُمتوں میں سے اپنے لئے منتخب فرمالیا ہے، اُس کی برکت سے اِس اُمت کے لوگوں کو دین کی راہ میں بڑی سے بڑی مشقت اُٹھانا بھی آسان بلکہ لذیذ ہوجاتا ہے، محنت سے راحت ملنے لگتی ہے، خصوصاً جب دل میں حلاوتِ ایمان پیدا ہوجائے تو سارے بھاری کام بھی ہلکے پھلکے محسوس ہونے لگتے ہیں۔

حدیث صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: ''جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ''. (سنن النسائي / كتاب عشرة النساء: ٣٤٠) یعنی نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک کردی گئی ہے''۔ (رواہ احمد والنسائی والحاکم وصححہ، تفسیر معارف القرآن ۲۸۹/۶-۲۹۰ مکتبہ معارف القرآن کراچی)

حقوق المصطفیٰ ﷺ

گذشتہ صفحات میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چند ممتاز صفات بیان کی جاچکی ہیں۔ اَب آگے اُن لوگوں کو بشارت سنائی جارہی ہے جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت پر ایمان لائے ہیں، اور اُن کے دل آپ ؐ کی عظمت ومحبت سے معمور ہیں، جس کا اظہار زبانی اور عملی طور پر آپ کی عزت وتوقیر اور مصاحبت سے ہوتا ہے، نیز جب بھی موقع پڑتا ہے تو اہل ایمان آپ کی اور آپ کے دین کی نصرت میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے، اور قرآنِ پاک اور آپ کی ہدایات کی مکمل پیروی کرتے ہیں، تو ایسے لوگ یقیناً کامیاب اور فلاح یاب ہیں؛ چناں چہ اِرشاد فرمایا گیا:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ پس جو لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان

وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهُ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (الأعراف: ۱۵۷)

لائے اور آپ کی رفاقت کی اور نصرت کی اور اُس نور (وحی) کی پیروی کی جو آپ کے ساتھ اُترا ہے، وہی لوگ اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔

علماء لکھتے ہیں کہ اُمت پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاص طور پر پانچ حقوق لازم ہوتے ہیں:

(۱) آپؐ پر کامل اِیمان لانا (۲) آپؐ کی سنتوں کا اتباع کرنا (۳) آپؐ سے محبت کو لازم سمجھنا (۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حد درجہ تعظیم وتکریم اور نصرت کرنا (۵) آپؐ پر درود شریف کی کثرت کرنا۔

عالمی پیغمبر ﷺ

واضح رہنا چاہئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا پیغمبر ماننا اور آپ کی رسالت پر اِیمان لانا صرف اہل اِیمان ہی پر نہیں؛ بلکہ ہر اِنسان پر لازم ہے، اِس کے بغیر آخرت میں نجات اور کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے؛ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف کسی خاص قوم یا علاقہ کے رسول نہیں؛ بلکہ تمام عالم کے لئے ''اللہ کے رسول ہیں''، اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ، فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَکَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ. (الأعراف: ۱۵۸)

اے پیغمبر! آپ اعلان فرمادیجئے کہ میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا رسول ہوں جس کی حکومت تمام آسمانوں اور زمین میں ہے، جس کے علاوہ کسی کی بندگی نہیں، وہی زندگی اور موت دینے والا ہے، پس اِیمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول نبی اُمیؐ پر جو کہ یقین رکھتا ہے اللہ پر اور اُس کے سب کلاموں پر اور اُسی کی پیروی کرو؛ تاکہ تم راہ پاؤ۔

اِس آیت مبارکہ میں مذکورہ اعلان کرتے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کے مالک الملک اور معبود حقیقی ہونے کا ذکر اِس بنا پر کیا گیا کہ یہ باور کرایا جائے کہ اللہ کا رسول بس وہی ہوسکتا ہے جس کی رسالت کا اعلان خود الٰہ العالمین کی طرف سے کیا جائے، ورنہ کوئی شخص اپنی طرف سے رسول نہیں بن سکتا۔

نیز ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِلنَّاسِ بَشِیْرًا وَنَذِیْرًا. (سبا: ۲۸)

ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام لوگوں کے لئے جنت کی بشارت سنانے والا اور جہنم کے عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اور سورۂ فرقان کی ابتداء اِس آیت سے کی گئی:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا. (الفرقان: ۱)

وہ ذات بابرکت ہے جس نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ''الفرقان'' (قرآنِ مقدس) کو نازل فرمایا؛ تاکہ وہ سارے جہانوں کے لئے عذاب سے ڈرانے والا ہو۔

اور مذکورہ آیات کی تشریح فرماتے ہوئے خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اِرشاد فرمایا:

کَانَ النَّبِيُّ یُبْعَثُ إِلٰی قَوْمِهٖ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَی النَّاسِ عَامَّةً. (صحیح البخاري / کتاب التیمم رقم: ۳۳۵)

پہلے نبی کسی خاص قوم کی طرف مبعوث کئے جاتے تھے؛ جب کہ مجھے تمام اِنسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عامہ کا اَندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی سابقہ پیغمبر بھی اِس دور میں تشرف لائیں، تو اُن پر بھی آپ کی شریعت کی اتباع لازم ہوگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے:

لَوْ كَانَ مُوسٰى حَيًّا لَمَا وَسِعَهٗ إِلَّا اتِّبَاعِي. (مسند أحمد رقم: ١٤٥٦٥) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام باحیات ہوتے تو اُنہیں میری اتباع کے بغیر چارۂ کار نہ تھا۔

نیز صحیح اَحادیث شریفہ سے یہ بات ثابت ہے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت کے قریب جب دنیا میں نازل ہوں گے (جو اِس وقت آسمانوں میں باحیات تشریف فرما ہیں) تو آپ شریعت محمدیہ ہی کی پیروی فرمائیں گے۔ (مسند احمد رقم: ۲۰۱۵۱)

پس یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ رسالتِ محمدی کے اقرار واعتراف کے بغیر محض وحدانیت پر یقین (جیسا کہ بہت سے مذاہب میں ہے) اللہ تعالیٰ کے عذاب سے آدمی کو نہیں بچا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا. (الفتح: ١٣) اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر اِیمان نہ لائے، تو ہم نے منکروں کے لئے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

لہٰذا نجاتِ اُخروی کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ رسول اللہ اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر اِیمان لانا ضروری ہے، اِس کے بغیر نجات کا کوئی تصور نہیں ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

یوں ہی جنت کا پتہ مل جائے ممکن ہی نہیں
راہِ سنت لازمی ہے راہِ جنت کے لئے

رسول کی اِطاعت؛ اللہ کی اِطاعت ہے

اور واقعہ یہ ہے کہ آدمی رسول اللہ کی اِطاعت کئے بغیر اللہ تعالیٰ کی اِطاعت کا حق بھی اَدا نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ ہم تک اللہ تعالیٰ کی جو بھی ہدایات پہنچی ہیں، وہ رسول اللہ کے واسطے ہی سے پہنچی ہیں، خواہ وہ وحی متلو (قرآنِ کریم) ہو یا وحی غیر متلو (اَحادیثِ شریفہ) ہوں، اِسی لئے قرآنِ کریم میں جابجا رسول اللہ کی اِطاعت کا باقاعدہ حکم دیا گیا ہے۔ ایک جگہ اِرشاد ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء، جزء آیت: ۸۰)

جس نے رسول کی اِطاعت کی پس اُس نے اللہ کا کہا مانا۔

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا گیا:

مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا. (الحشر، جزء آیت: ۷)

جو رسول تمہارے پاس لائے اُسے لے لو اور جس بات سے منع کرے اُس سے باز آ جاؤ۔

نیز اَحادیثِ شریفہ میں جابجا پیغمبر علیہ السلام کی اِطاعت کی تاکید کی گئی ہے۔ چند اَحادیث شریفہ ذیل میں درج ہیں:

○ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ أَطَاعَنِيْ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ. (صحيح البخاري / كتاب الجهاد والسير رقم: ۲۹۵۷)

جس نے میری اِطاعت کی اُس نے اللہ کی اِطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

○ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

كُلُّ أُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ، إِلَّا مَنْ أَبٰى، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَنْ يَأْبٰى؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبٰى. (صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة / باب الاقتداء بسنن رسول الله رقم: ۷۲۸۰)

میری سب اُمت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، سوائے اُس شخص کے جو انکار کرے، تو صحابہ نے عرض کیا کہ ''اللہ کے رسول! انکار کرنے والا کون ہے؟'' تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ''جو میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں جائے گا، اور جو میری نافرمانی کرے گا وہ منکر ہے''۔

○ نیز نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اِرشاد ہے:

إِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ. (صحيح البخاري / كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة رقم: ٧٢٨٨)

جب میں تم کو کسی بات سے منع کروں تو اُس سے باز رہو، اور جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو حتی الوسع اُس کو بجالاؤ۔

○ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

أَلَا! وَإِنِّي قَدْ أُوْتِيْتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ، أَلَا! يُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانٌ عَلٰى أَرِيْكَتِهٖ، يَقُوْلُ: عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوْهُ، وَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ الخ. (سنن أبي داؤد، كتاب السنة / باب في لزوم السنة رقم: ٤٦٠٤)

سن لو! مجھے کتاب اللہ کے ساتھ مزید اس جیسا علم عطا ہوا ہے، ہوشیار رہو! عنقریب ایک پیٹ بھرا شخص اپنے تخت پر بیٹھ کر یہ کہے گا کہ تم اِس قرآن کو لازم پکڑو! جو تم اِس میں حلال پاؤ بس اُسے حلال سمجھو، اور جو تم اِس میں حرام پاؤ بس اُسے ہی حرام جانو۔ (گویا ایسی بات کہنے والے کی مذمت کی جارہی ہے)

اِس روایت میں جو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''مجھے کتاب اللہ کے ساتھ مزید اس جیسا علم عطا ہوا ہے''، اِس کے دو معنی ہیں:

الف:- ایک یہ کہ مجھے غیر متلو وحی اتنی ہی مقدار میں عطا ہوئی ہے جتنی وحی متلو کتاب اللہ کی شکل میں ملی ہے۔

ب:- دوسرا مطلب یہ ہے کہ مجھے کتاب اللہ کی تشریح وتفسیر کا حق دیا گیا ہے جو کتاب اللہ ہی کے مانند واجب الاتباع ہے۔ (مقدمہ تفسیر قرطبی ۱/۴۳)

○ سیدنا حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاَ أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مَتَّكِئًا عَلَىٰ أَرِيكَتِهِ يَأْتِيهِ أَمْرٌ مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُولُ لاَ أَدْرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ اتَّبَعْنَاهُ.
(سنن الترمذي / أبواب العلم رقم: ٢٦٦٣)

میں تم میں سے کسی کو اپنی مسہری پر ٹیک لگائے ہوئے نہ پاؤں، جس کے پاس میری طرف سے کوئی حکم یا ممانعت پہنچے، پھر وہ یہ کہے کہ میں نہیں جانتا، ہم تو صرف جو بات کتاب اللہ میں پائیں گے اُسی کی پیروی کریں گے

یعنی کسی کو یہ نہیں کہنا چاہئے کہ صرف قرآنِ کریم ہی واجب الاتباع ہے، اِس کے علاوہ کچھ نہیں؛ بلکہ جس طرح دین کی باتیں قرآنِ کریم سے ثابت ہوتی ہیں، اِسی طرح اَحادیث شریفہ سے بھی ثابت ہوتی ہیں، اور بلاشبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی اللہ کے رسول ہونے کی حیثیت سے واجب التعمیل ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وہدایات پر عمل کئے بغیر آدمی نجات نہیں پاسکتا۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت

محبوب رب العالمین، سرورِ عالم، سیدنا ومولانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا اور آپ کی تعظیم وتوقیر دل میں بٹھانا ایمان کا جزوِ اعظم ہے، اس کے بغیر ایمان کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ. (صحيح البخاري رقم: ٤٤، صحيح مسلم ٤٩/١)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میری ذات اس کی نظر میں اس کی اولاد، اس کے والدین اور تمام جہان کے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جائے۔

صحیح روایت میں ہے کہ ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول!

آپ کی ذاتِ عالی مجھے اپنی جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے''۔ یہ سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ ''نہیں! اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم اُس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ میری ذات تمہاری نظر میں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہو جائے''۔ اِس پر سیدنا حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ''قسم بخدا! اَب آپ کی ذات مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب تر ہوگئی ہے''۔ چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی حوصلہ اَفزائی فرماتے ہوئے اِرشاد فرمایا: ''الآن یا عمر!'' (یعنی اے عمر! اَب تمہاری محبت کامل ہوگئی ہے) (بخاری شریف/ کتاب الایمان والنذ ور حدیث: ۶۲۵۷)

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

أَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوكُمْ مِنْ نِعَمِهِ وَأَحِبُّونِي بِحُبِّ اللّٰهِ وَأَحِبُّوا أَهْلَ بَيْتِي بِحُبِّي. (سنن الترمذي / أبواب المناقب رقم: ۳۷۸۹)

یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی وجہ سے اللہ سے محبت کرو، اور اللہ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو، اور میری محبت کی بنیاد پر میرے اہل بیت سے محبت کرو۔

تو معلوم یہ ہوا کہ محبتِ رسول روحِ ایمان ہے، جس شخص کا دل اس محبت سے خالی ہو وہ روحِ ایمانی سے محروم ہے؛ لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ آدمی مؤمن بھی ہو اور اس کا دل عظمتِ محمدی ﷺ سے معمور نہ ہو۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذباتِ محبت کی ایک جھلک

نبی اکرم سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس محبت کا اظہار فرمایا وہ محبت کی تاریخ میں خود اپنی مثال آپ ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے رگ و پے میں محبتِ رسول ﷺ سرایت کی ہوئی تھی، ان کے دل و دماغ حبِ نبوی کے جذبات سے معمور تھے؛ گویا کہ اُن کی پوری زندگی محبت رسول

کا عنوان بن گئی تھی، ان میں کا ہر شخص جان و دل سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فدا تھا۔

''عروہ بن مسعود ثقفیؓ، جو صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان ثالثی کا فریضہ انجام دے رہے تھے، اُنھوں نے اس وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس کا جو نظارہ دیکھا اس کو مشرکین کے سامنے جا کر اس طرح بیان کیا:

أَيْ قَوْمِ وَاللّٰهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوْكِ وَوَفَدْتُ عَلٰى قَيْصَرَ وَكِسْرٰى وَالنَّجَاشِيِّ وَاللّٰهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ كَمَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدًا، وَاللّٰهِ إِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِيْ كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ، وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوْا إِلَيْهِ وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهٖ، وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّوْنَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَهُ. (صحيح البخاري ۳۷۹/۱)

اے لوگو! اللہ کی قسم میں بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے دربار میں بھی حاضر ہوا ہوں، مگر بخدا میں نے کبھی کہیں کسی بھی بادشاہ کو ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے درباری اس کی اتنی قدر اور عزت کرتے ہوں جتنی محمدؐ کے صحابہؓ محمدؐ کی عظمت کرتے ہیں۔ قسم بخدا آپؐ کے دہن مبارک سے نکلا ہوا بلغم اور تھوک ان صحابہؓ میں سے کسی آدمی کے ہاتھ پر ہی گرتا ہے جسے وہ اپنے چہرہ اور بدن پر مل لیتا ہے، اور جب آپؐ ان کو کوئی حکم کرتے ہیں تو وہ اس کو بجالانے میں جلدی کرتے ہیں۔ اور جب آپؐ وضو فرماتے ہیں تو آپؐ کے وضو کے مستعمل پانی کو لینے کے لئے ان میں جھگڑا سا ہونے لگتا ہے۔ اور جب آپؐ گفتگو فرماتے ہیں تو وہ آپؐ کے دربار میں اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں، اور حد تو یہ ہے کہ آپؐ کی انتہائی عظمت کی بنا پر وہ آپؐ کی طرف نظر بھر کر دیکھتے بھی نہیں ہیں۔

سیدنا حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو مشاہدہ بیان کیا یہ کوئی ایک دو دن کی

بات نہیں؛ بلکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ معاملہ ہر روز اور ہر جگہ تھا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے محبتِ رسول ﷺ اور جاں نثاری اور فدویت کے ایسے نمونے پیش فرمائے ہیں کہ ان کے مقابلہ میں شیریں، فرہاد اور لیلیٰ، مجنوں کے قصے قطعاً بے حیثیت معلوم ہوتے ہیں۔

معلمِ انسانیت ﷺ کا اندازِ تربیت

تاہم حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس پر جوش محبت اور بے مثال جاں نثاری پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ گہری نظر رکھی کہ کہیں اُمت محبت کے جوش میں راہ حق اور جادۂ اعتدال سے ہٹ نہ جائے، اور غلو کا شکار ہو کر تباہی مول نہ لے لے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو تلقین فرمائی کہ وہ پیغمبر علیہ السلام کی تعریف میں اس قدر مبالغہ نہ کریں جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کے بارے میں کیا۔ اِرشادِ نبوی ہے:

لَا تُطْرُوْنِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارىٰ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهٗ، وَلٰكِنْ قُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ.
(بخاري شريف ٤٩٠/١)

میری تعریف میں اس طرح مبالغہ مت کرو جیسے کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا؛ اِس لئے کہ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں؛ لہٰذا تم لوگ یوں کہا کرو کہ اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں۔

اسی طرح ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تلقین فرمائی کہ وہ آپ کی فضیلت دوسرے انبیاء علیہم السلام پر اس انداز میں نہ بیان کریں جس سے دوسروں کی تحقیر لازم آئے؛ چناں چہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ.
(مسلم شريف ٢٦٧/٢)

اللہ کے انبیاء علیہم السلام کے درمیان آپس میں فضیلت آرائی نہ کرو۔

علاوہ ازیں حضرت خاتم النبیین سیدنا و مولانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے بار بار اُمت کو جو وصیت فرمائی اور نہایت تاکید کے ساتھ توجہ دلائی وہ یہ تھی کہ لوگ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کو سجدہ گاہ نہ بنائیں۔آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل کتاب کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ ھِمْ مَسَاجِدَ.

اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو یہود ونصاریٰ پر کہ انھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

(بخاری شریف ۱۷۷/۱)

یہ سب ہدایات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ محبت رسولؐ کے بھی کچھ حدود اور آداب ہیں۔محض زبانی جمع خرچ یا نفسانی تقاضوں کے مطابق اظہار محبت کوئی معنی نہیں رکھتا؛ بلکہ محبت کے لئے اطاعت لازم ہے، جو محبت اطاعت سے خالی ہو وہ محبت نہیں؛ بلکہ محبت کا ڈھونگ ہے۔ ایک عربی شاعر کا مشہور شعر ہے:

تَعْصِی الْاِلٰـہَ وَاَنْتَ تُظْھِرُ حُبَّہٗ ❖ ھٰذَا لَعُمْرِيْ فِي الْقِیَاسِ بَدِیْعُ

لَوْ کَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَا طَعْتَہٗ ❖ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ یُطِیْعُ

ترجمہ:- تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور پھر اس سے محبت بھی ظاہر کرتا ہے۔میری جان کی قسم یہ بات عقل کے خلاف ہے۔اگر تیری محبت سچی ہوتی، تو تُو اس کی اطاعت کرتا۔اس لئے کہ عاشق حقیقی اپنے محبوب کا فرماں بردار ہوتا ہے)

نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام ہر موقع پر اس کا خیال رکھتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی غلط جذبہ پروان نہ چڑھ سکے؛ چناں چہ ایک موقع پر جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی سے برکت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کے اوپر گرے پڑ رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ''تمہارے اِس عمل کی وجہ کیا ہے؟'' تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ ''ہمارے دل میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت ہے، اِس لئے ہم آپؐ کے وضو کے مقدس پانی سے برکت حاصل کرکے اپنی وارفتگی کا اظہار کررہے ہیں''۔تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کا رخ زبانی جمع خرچ اور ظاہری نمود سے ہٹا کر حقیقی کردار سازی کی طرف یہ کہہ کر موڑ دیا:

مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُّحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ، أَوْ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ، فَلْيَصْدُقْ حَدِيْثَهُ إِذَا حَدَّثَ، وَلْيُؤَدِّ أَمَانَتَهُ إِذَا ائْتُمِنَ، وَلْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهُ. (مشكوٰة شريف ٢/٤٢٤، شعب الإيمان للبيهقي ٢/٢٠١ حديث: ١٥٣٣)

جسے یہ پسند خاطر ہو کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول ؐ سے محبت کرے یا وہ خدا اور اُس کے رسول ؐ کا محبوب بن جائے تو وہ (۱) جب بولے سچ بولے (۲) اور جب اسے امین بنایا جائے تو امانت کو ادا کرے (۳) اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

قربان جایئے اس شاندار تعلیم اور بے مثال تربیت پر کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس بہترین انداز سے جذبات کو صحیح رخ عطا فرمادیا اور رہتی دنیا تک کے لئے تربیت اور نصیحت کا عظیم الشان نمونہ پیش فرمایا۔

آج ضرورت ہے

پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی مذکورہ ہدایات کی روشنی میں آج ہمیں اپنے جذبات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ہماری محبت، اطاعت کی معیت سے شرف یاب ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ اس کے بغیر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دعوئ محبت قابل قبول نہیں۔ واضح رہے کہ اسلام کوئی سطحی مذہب نہیں؛ بلکہ اس کی بنیاد پختہ اُصولوں اور مستحکم بنیادوں پر ہے۔ محض وقتی شور شرابہ اور کھیل تماشوں اور نفسانیت پر اسلام کی بنیاد ہرگز نہیں رکھی گئی ہے۔ بے شک ہمارے دل میں پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت کے جذبات سب سے زیادہ ہیں مگر اُن کی روح اطاعتِ رسول میں مضمر ہے۔ اگر کوئی صاحب ایمان محبت رسول کا مدعی ہو؛ مگر اُس کا چہرہ، لباس، کردار، اخلاق، معاملات، اور معاشرت سنت کے خلاف ہوں اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں کے موافق ہوں، تو ظاہر ہے کہ ایسے مدعی کے دعوے کو اَز روئے

انصاف قبول نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح محبت کا دعویٰ ہو اور نماز، روزہ اور دیگر عبادات سے زندگی خالی ہو تو ایسا دعویٔ محبت کسی کام کا نہیں۔ محبت میں رنگ بھرنے کے لئے اطاعت اور اتباع کی روشنی ضروری ہے۔

موجودہ دور کا اَلمیہ

لیکن انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ آج محبت کے دعوے تو بہت ہیں؛ لیکن جذبہ اطاعت کا فقدان ہے۔ لوگوں نے اپنے من گھڑت چند بے اصل نظریات اور نفسانیت پر مبنی بعض رسومات کو ہی معیارِ محبت سمجھ لیا ہے۔ اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ جو اُن من گھڑت باتوں کو تسلیم نہ کرے اور قرآن وسنت سے ثابت راہ حق پر قائم ہو، اُلٹا اسے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تارک قرار دینے کا طعنہ دیا جاتا ہے، اور اُن کی نفسانیت میں کوئی آڑے نہ آئے، اس لئے اقدام کر کے علمائے حق اور ائمہ ربانیین کی شان اقدس پر کیچڑ اچھالی جاتی ہے، اور منصوبہ بند طریقہ پر ناواقف عوام کو شکوک وشبہات میں ڈالنے کی کوشش پہلے بھی کی جاتی رہی ہے، اور اب بھی کی جارہی ہے؛ حالاں کہ اس وقت اُمت کی شیرازہ بندی کی سخت ضرورت ہے۔ فروعی اختلافات کو اپنے دائروں میں محدود کر کے عوام کو ایک لڑی میں پرونا وقت کا اہم تقاضا ہے؛ لیکن کچھ لوگ محض اپنی ساکھ اور اپنا امتیاز برقرار رکھنے کے لئے نہایت بے غیرتی کے ساتھ اس نازک دور میں بھی علمائے ربانیین کے خلاف تکفیری محاذ کھولے ہوئے ہیں، بس اللہ تعالیٰ ہی اُنہیں ہدایت سے نوازیں اور اُن کے شر سے اُمت کو محفوظ رکھیں، آمین۔

رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتوقیر

اِیمان کا ایک اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی کے ساتھ حد درجہ اَدب اور احترام کا معاملہ کیا جائے، اور آپ کی شان میں اَدنیٰ سی بھی بے اَدبی کو ہرگز گوارا نہ کیا جائے۔ اِس سلسلے میں خاص طور پر درج ذیل آیاتِ قرآنیہ کا مطالعہ مفید ہوگا:

مخاطبت میں اَدب کا لحاظ

(۱) يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. [البقرة: ١٠٤] (اے اِیمان والو! تم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) ”راعنا“ (ہماری طرف توجہ فرمائیے) نہ کہا کرو، اور ”انظرنا“ (ہماری طرف نظر فرمائیے) کہو، اور سنتے رہو، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے)

یہ حکم اِس لئے دیا گیا کہ یہودی لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زبان دبا کر اور ”عین“ کے بعد ”یا“ کا اظہار کر کے ”رَاعِيْنَا“ کہہ کر خطاب کرتے تھے، جس کے معنی ”چرواہے“ کے آتے ہیں، جو یقیناً پیغمبر علیہ السلام کی شان میں بڑی گستاخی تھی، اِس لئے گستاخی کے اندیشے والے لفظ کے بجائے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ”اُنْظُرْنَا“ کہنے کا حکم دیا گیا، جس میں دوسرے معنی کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں کمالِ اَدب کی تعلیم ہے۔

(۲) لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا، قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا، فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. [النور: ٦٣] (تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے درمیان بلانے کو اِس طرح مت سمجھو، جیسے تم میں سے بعض بعض کو بلاتا ہے، اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اُن لوگوں کو جو تم میں سے آنکھ بچا کر سرک جاتے ہیں، سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اِس بات سے کہ وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں، یا اُن کو دردناک عذاب پہنچے)

اِس آیت شریفہ میں تین اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

الف:- پہلی بات یہ ہے کہ جس طرح عام لوگ ایک دوسرے کا نام لے کر مخاطبت کرتے ہیں اور بلاتے ہیں کہ ”اے فلانے“ وغیرہ، اِس طرح عام انداز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب نہ کیا جائے؛ بلکہ تعظیمی اَلقاب جیسے: ”یا نبی اللہ“ اور ”یا رسول اللہ“ کہہ کر مخاطبت کی جائے۔ اِس سے تمام اہل اِیمان کے دل میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

حد درجہ تعظیم پیدا کرنا مقصود ہے، جس کا لحاظ ہر مسلمان پر لازم ہے۔

ب:- دوسری بات یہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضری ہو، تو کوئی شخص آپ کی اِجازت کے بغیر چپکے سے اُٹھ کر نہ جائے، اِس طرح سے جانا بڑی بے اَدبی کی بات ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ کسی وقت کسی شخص کا اُٹھ کر جانا نبی اکرم علیہ السلام کے علم میں نہ آئے؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ تو بہر حال جاننے والے ہیں، اِس لئے ایسا اِقدام کسی مؤمن کے لئے درست نہیں۔

(علماء لکھتے ہیں کہ یہی اَدب آج بھی اپنے بڑوں کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اُن کی مجلس سے بغیر اِجازت اُٹھ کر نہ آئے)

ج:- تیسری اور اہم بات یہ ہے کہ جب نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی کو بلائیں، تو اُس پر آپ کے حکم کی تعمیل فرض ہوجاتی ہے، اور عدمِ تعمیل کا اختیار نہیں رہتا، اِس لئے خلاف ورزی کرنے والوں کو ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے کہ اُن کی اِس ناروا حرکت کی وجہ سے کہیں وہ کسی بدترین فتنے یا دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہوجائیں۔ اِس سے بھی معلوم ہوا کہ اِس معاملے میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام عام لوگوں کی طرح نہیں ہے، جن کی باتوں کی تکمیل لازم نہیں ہوتی۔

مجلس نبوی میں بلا اِجازت گفتگو میں احتیاط

(۳) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ. [الحجرات: ۱]

(اے اِیمان والو! آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اُس کے رسول سے، اور ڈرتے رہو اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے)

یہ آیت اِس پس منظر میں نازل ہوئی کہ ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کے کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور یہ بات زیر غور تھی کہ اِس قبیلے پر کس کو حاکم بنایا

جائے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب کے بارے میں رائے دی؛ جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اُس کے خلاف تھی، اتفاق یہ کہ اِن دونوں کے درمیان گفتگو بڑھ گئی، اورآوازیں بلند ہوگئیں، تو یہ آیت نازل ہوئی، جس میں یہ ہدایت کی گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جب تک نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً گفتگو کی اِجازت نہ ہو؛ کسی کو آگے بڑھ کر بات نہیں کرنی چاہیے۔ یہ ایک طرح کی بےاَدبی ہے۔ اِسی طرح اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جارہے ہوں تو کسی کے لئے آپ سے آگے چلنا یا کھانے کی مجلس میں آپ سے پہلے کھانا شروع کرنا بھی بےادبی میں داخل اور ممنوع ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۱۲۵/۸ ا ریب پبلی کیشنز دہلی)

علاوہ اَزیں اپنے علماء ومشائخ اور اکابر واَساتذہ کے ساتھ بھی یہی اَدب ملحوظ رہنا چاہیے۔

حضور اکرم ﷺ کے سامنے آوازیں بلند کرنے کی ممانعت

(٤) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِىِّ وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ. اِنَّ الَّذِيۡنَ يَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَهُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُولٰۤئِكَ الَّذِيۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ لِلتَّقۡوٰى لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ عَظِيۡمٌ. [الحجرات: ۲-۳]

(اے اِیمان والو! نبی کی آواز سے اوپر اپنی آوازیں بلند نہ کرو، اور آپ سے اِس طرح تیز آواز میں گفتگو نہ کرو، جیسے تم آپس میں کرتے ہو، مبادا تمہارے اَعمال اکارت ہوجائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ بے شک جو لوگ رسول اللہ کے پاس دبی آواز سے بولتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کردیا ہے، اُن کے لئے معافی ہے اور بڑا ثواب ہے)

مذکورہ آیات میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ عالی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ اَدب

سکھلایا گیا کہ آپ کی مجلس میں بلند آواز سے گفتگو ہرگز نہ کی جائے؛ اِس لئے کہ اِس طرح کی گفتگو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعی ناگواری ہوسکتی ہے، جو بجائے خود اَعمالِ خیر سے محرومی کا سبب ہے۔

روایات میں ہے کہ اِس آیت کے نزول کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت زیادہ محتاط ہوگئے تھے، اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بہت ہی آہستگی کے ساتھ گفتگو کا اہتمام کیا کرتے تھے؛ چناں چہ آیت بالا میں ایسے بااَدب حضرات کے لئے تعریفی کلمات اِرشاد فرماتے ہوئے مغفرت اور اجرِ عظیم کی بشارت سنائی گئی ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اِس اَدب کا لحاظ جس طرح نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات میں ضروری تھا، اِسی طرح آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی لازم ہے۔ بریں بنا روضۂ اَقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے قریب شور شرابہ اور آوازوں کا بلند کرنا صحیح نہیں ہے، اور بے اَدبی میں داخل ہے، اُس سے ہر مسلمان کو اِجتناب کرنا چاہئے۔ نیز جس مجلس میں پیغمبر علیہ السلام کی اَحادیث شریفہ بیان کی جارہی ہوں اُس کا اَدب بھی ضروری ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۱۲۸/۸ اَریب پبلی کیشنز دہلی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں سے باہر سے پکارنے پر تنبیہ

(۵) اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ. وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. [الحجرات: ٤-٥]

(بے شک جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں وہ اکثر عقل نہیں رکھتے، اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ علیہ السلام خود اُن کے پاس باہر تشریف لاتے تو یہ اُن کے حق میں بہتر ہوتا، اور اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والے بڑے مہربان ہیں)

مذکورہ آیات میں یہ اَدب سکھلایا گیا کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات مقصود ہو تو آپ کے درِ دولت پر پہنچ کر باہر سے آواز نہ لگائی جائے، یہ نادانوں کا طریقہ ہے، جو آداب

سے واقف نہیں ہوتے۔ ہونا یہ چاہئے کہ مشتاقانِ زیارت باہر ہی انتظار کریں، اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود باہر تشریف لائیں تو آپ کی زیارت سے مشرف ہوکر اپنا مدعا عرض کریں۔

یہ حکم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی تعظیم وتوقیر کی بنا پر دیا گیا ہے۔

حضور ﷺ کے دولت خانہ پر حاضری کے آداب

(٦) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ، اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ، وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ، ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ، وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا، اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا. [الأحزاب: ٥٣] (اے ایمان والو نبیؐ کے گھروں میں مت داخل ہو مگر یہ کہ تم کو اِجازت دی جائے کھانے کے واسطے، نہ کہ اُس کے پکنے کے انتظار میں؛ مگر جب تم کو بلایا جائے تب جاؤ، پھر جب کھانے سے فارغ ہوجاؤ تو اپنے آپ چلے جاؤ، اور آپس میں جی لگا کر مجلس بازی نہ کرو، تمہاری اِس بات سے نبی کو تکلیف ہوتی ہے، پھر وہ تم سے شرم فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ٹھیک بات بیان کرنے سے نہیں شرماتا، اور جب تم اَزواجِ مطہرات سے کوئی سامان مانگنے جاؤ تو اُن سے پردہ کے باہر سے مانگنا چاہئے، اِس میں تمہارے اور اُن کے دلوں کی خوب ستھرائی ہے، اور تم کو حق نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو اذیت دو، اور نہ یہ کہ اُن کی بیویوں سے نکاح کرو اُن کے بعد کبھی بھی؛ البتہ یہ تمہاری بات (کہ تم اَزواجِ مطہرات سے نکاح کا اِرادہ کرو) اللہ کے یہاں بہت بڑا گناہ ہے)

اِس آیت میں متعدد آداب بیان کئے گئے ہیں، جن کا تعلق بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پایاں عظمت ہی سے ہے۔......

الف:- کوئی شخص بلا اِجازت پیغمبر علیہ السلام کے کسی گھر میں داخل نہ ہو؛ کیوں کہ اِس طرح بلا اِجازت آنا گھر والوں کے لئے سخت ناگواری کا سبب ہوتا ہے؛ لہٰذا اِس اَدب کو ہر جگہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

ب:- جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے کھانے کی دعوت ہو، تو مدعو حضرات پہلے سے جاکر نہ بیٹھ جائیں؛ کیوں کہ اِس سے منتظمین کی یکسوئی میں خلل ہوتا ہے۔

ج:- کھانے سے فراغت کے بعد سب کو اپنے گھر واپس چلے جانا چاہئے، اور کھانے کی جگہ پر مجلس نہیں جمانی چاہئے۔ اِس سے بھی میزبان کو ناگواری ہوتی ہے اور بسا اَوقات انتظام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ خود ایک موقع پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اِسی طرح کا واقعہ پیش آیا، تو آپ نے کمالِ شرافت کی وجہ سے زبان سے تو کچھ نہیں فرمایا؛ لیکن دلی ناگواری ہوئی، جس کا اِظہار اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں فرمادیا ہے۔ (دیگر مواقع پر بھی اِس اَدب کا خیال رکھنا چاہئے)

د:- اِسی آیت میں اَزواجِ مطہرات سے باقاعدہ پردہ کا بھی حکم دیا گیا ہے؛ کیوں کہ کسی بھی شریف آدمی کے لئے اُس کے گھر کی عورتوں کا اجنبیوں کے ساتھ بلاتکلف سامنے آنا سخت اَذیت کا سبب ہوتا ہے؛ اِس لئے حکم دیا گیا کہ اگر اَزواجِ مطہرات سے کوئی چیز مانگنی بھی ہو تو پردہ کے پیچھے سے اُسے مانگا جائے، اِس میں ہر طرح کی عافیت ہی عافیت ہے۔

حضور ﷺ کے بعد اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے نکاح کی ممانعت

ہ:- اِسی آیت میں ایک اہم امتیازی حکم یہ بھی دیا گیا ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد آپ کی اَزواجِ مطہرات سے نکاح کرنا کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پوری اُمت کے لئے روحانی ماؤں کے درجہ میں ہیں۔ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اُن کی زوجیت کا رشتہ آپ کی وفات کے بعد بھی برقرار ہے۔

اِس اہم حکم کی علت وحکمت بتلاتے ہوئے مفسر قرآن حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نوراللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مؤمنین جو دلائل وبراہین کی روشنی میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انتہائی راست بازی اور پاک بازی کو معلوم کر چکے ہیں، اُنہیں لائق نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یا وفات کے بعد کوئی ایسی بات کہیں یا کریں، جو خفیف سے خفیف درجہ میں آپ کی ایذاء کا سبب بن جائے، لازم ہے کہ مؤمنین اپنے محبوب ومقدس پیغمبر کی عظمت شان کو ہمیشہ مرعی (ملحوظ) رکھیں، مبادا غفلت یا تساہل سے کوئی تکلیف دہ حرکت صادر ہو جائے اور دنیا وآخرت کا خسارہ اُٹھانا پڑے۔

اِن تکلیف دہ حرکات میں سے ایک بہت سخت اور بڑا بھاری گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے آپ کے بعد نکاح کرنا چاہے، یا ایسے نالائق اِرادے کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اظہار کرے۔ ظاہر ہے کہ اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی مخصوص عظمت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلق کی وجہ سے قائم ہوئی ہے، کہ روحانی حیثیت سے وہ تمام مؤمنین کی محترم مائیں قرار دی گئیں، کیا کسی اُمتی کے عقد نکاح میں آنے کے بعد اُن کا یہ احترام کما حقہ ملحوظ رہ سکتا ہے؟ یا آپ کے بعد وہ خانگی بکھیڑوں میں پڑ کر تعلیم وتلقین دین کی اُس اعلیٰ غرض کو آزادی کے ساتھ پورا کرسکتی ہیں، جس کے لئے ہی فی الحقیقت قدرت نے نبی کی زوجیت کے لئے اُن کو چنا تھا، اور کیا کوئی پرلے درجہ کا بے حس وبے شعور اِنسان بھی باور کرسکتا ہے کہ سید البشر اِمام المتقین اور پیکر خلق عظیم کی خدمت میں عمر گذارنے والی خاتون ایک لمحہ کے لئے بھی کسی دوسری جگہ رہ کر قلبی مسرت وسکون حاصل کرنے کی اُمید رکھ سکے گی؟ خصوصاً جب کہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ وہ منتخب خواتین تھیں جن کے سامنے دنیا وآخرت کے دو راستوں میں سے ایک راستہ انتخاب کے لئے پیش کیا گیا، تو اُنہوں نے بڑی خوشی اور آزادی سے دنیا کے عیش وبہار پر لات مار کر اللہ ورسول کی خوشنودی اور آخرت کا راستہ اختیار

کر لینے کا اعلان کر دیا؛ چناں چہ تاریخ بتاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیسے عظیم النظیر زہد وورع اور صبر وتوکل کے ساتھ اُن مقدس خواتین جنت نے عبادتِ الٰہی میں اپنی زندگیاں گذاریں اور احکامِ دین کی اِشاعت اور اِسلام کی خدماتِ مہمہ کے لئے اپنے کو وقف کئے رکھا، اُن میں سے کسی ایک کو کبھی بھول کر بھی دنیا کی لذتوں کا خیال نہیں آیا''۔ (فوائد عثمانی برترجمہ شیخ الہند ۲/۹۲۱-۹۲۲ مکتبہ البشریٰ کراچی)

درود شریف کی تاکید

(٤) إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. [الأحزاب: ٥٦] (بے اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں، اے اِیمان والو! اُس پر درود بھیجو اور سلام کہہ کر سلام بھیجو)

اس آیت میں اللہ کی طرف سے پیغمبر علیہ السلام پر ''صلوٰۃ'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العالمین کی رحمت آپ پر نازل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے آپ کی تعریف فرماتے ہیں، اور فرشتوں کی طرف سے صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ فرشتے آپ کے لئے رحمت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں، اور اہلِ ایمان کی طرف سے صلوٰۃ وسلام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رحمت وسلامتی کی دعا کرنے کے معنی میں ہے، اور اس آیت سے عالم بالا اور عالم دنیا یعنی زمین اور آسمان ہر جگہ پیغمبر علیہ السلام کی رفعتِ شان اور عظمت ومرتبہ کو بیان کرنا مقصود ہے، جس سے اونچا درجہ مخلوق میں اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۱۰۷۶ ادار السلام ریاض)

علماء نے لکھا ہے کہ ہر مسلمان کے لئے زندگی میں کم سے کم ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے، اور جس مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سنا جائے تو ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے، اور اگر اسی مجلس میں بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لیا جائے تو ہر مرتبہ درود شریف پڑھنا مستحب ہے، اور جس قدر زیادہ درود شریف آدمی پڑھے گا اتنا ہی وہ آیتِ کریمہ کے حکم کی تکمیل کرنے والا اقرار پائے گا۔ (قال الشامي: ومقتضى الدليل

افتراضها في العمر مرة، وايجابها كلما ذكر إلا أن يتحد المجلس فيستحب التكرار بالتكرار. (شامي ۲۲۸/۲ زكريا)

جس شخص کے سامنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہو اور وہ درود شریف کا نذرانہ پیش نہ کرے وہ پرلے درجہ کا محروم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ہے: رَغِمَ اَنفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ. (رواه الترمذي، مشكوٰة ۸٦/۱) (اُس شخص کی ناک رگڑی جائے جس کے سامنے میرا تذکرہ ہو پھر وہ مجھ پر درود نہ بھیجے)

اور جگر گوشۂ نبوت سیدنا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''جو شخص میرا ذکر آنے پر درود پڑھنے سے چوک جائے وہ جنت کے راستے سے چوک جانے والا ہوگا''۔ (الترغیب والترہیب مکمل ۳۸۴)

اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کو بڑا کنجوس قرار دیا ہے جو آپ کا نامِ نامی سن کر بھی درود شریف نہ پڑھتا ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے: اَلْبَخِيْلُ الَّذِيْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ. (مشكوٰة شريف ۸۷/۱) (وہ شخص بہت بخیل ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے)

سرورِ عالم، محسنِ انسانیت، سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درود شریف پڑھنا آپ کی جانب سے اُمت پر کیئے گئے بے انتہا احسانات کی شکر گزاری کا ادنیٰ سا مظاہرہ ہے؛ لہٰذا اگر اِس کے عوض میں کچھ بھی نہ عطا ہوتا پھر بھی بجا تھا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ جو شخص ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے اُس پر اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں:

چناں چہ سیدنا حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام صبح کے وقت نہایت بشاشت کے ساتھ تشریف لائے، آپ کے چہرۂ انور سے خوشی کے آثار نمایاں تھے، حاضرین نے عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! آج آپ کے چہرۂ انور سے بشاشت ظاہر ہورہی ہے، کیا وجہ ہے؟'' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: أَجَلْ! أَتَانِيْ اٰتٍ مِنْ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ وَقَالَ: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِنْ اُمَّتِکَ صَلاَةً كَتَبَ اللّٰهُ بِهَا عَشَرَ

حَسَنَاتٍ، وَمَحیٰ عَنْهُ عَشَرَ سَيِّئَاتٍ وَرَفَعَ لَهُ عَشَرَ دَرَجَاتٍ وَرَدَّ لَهُ مِثْلَهَا. (مسند احمد بن حنبل ۲۹/٤، الترغيب والترهيب مكمل ۳۸۰) (جی ہاں! میرے رب کی طرف سے ایک قاصد میرے پاس آیا تھا، اُس نے یہ خوش خبری سنائی کہ آپ کی اُمت کا جو بھی فرد آپ پر درود بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کے بدلہ میں اُس کے لئے دس نیکیاں لکھیں گے اور اُس کے دس گناہ معاف فرمائیں گے، اور اُس کے لئے دس درجات بلند فرمائیں گے، اور جیسے اس نے رحمت کی دعا کی ہے ویسے ہی اسے بھی رحمت سے نوازیں گے)

اور ایک روایت میں ہے کہ: ''جو شخص ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہے اُس پر اللہ تعالیٰ ۷۰/مرتبہ رحمتیں نازل فرماتے ہیں اور فرشتے دعاء خیر کرتے ہیں''۔

(مسند احمد ۱۸۷/۲ عن عبداللہ بن عمروؓ، مشکوٰۃ شریف ۸۷/۱، مرقاۃ المفاتیح ۱۸/۳)

دنیا میں جہاں کہیں بھی درود شریف پڑھا جاتا ہے اور جو شخص بھی یہ سعادت حاصل کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے بے شمار فرشتے اِس کام پر مقرر فرما رکھے ہیں کہ وہ درود شریف کو لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں؛ چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ يُبَلِّغُوْنِيْ عَنْ أُمَّتِيْ السَّلَامَ. (عمل اليوم والليلة، الترغيب والترهيب مكمل ۳۸۱) (اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرشتے ہیں جو (ساری دنیا میں) چکر لگاتے ہیں اور مجھ تک میری اُمت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں)

اور بعض روایات میں ہے کہ روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر ایک ایسا فرشتہ مقرر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے نام ونسب کا علم عطا کیا ہے، وہ وہیں کھڑے کھڑے پوری دنیا میں جہاں جہاں بھی درود شریف پڑھا جاتا ہے اُس کا علم حاصل کر لیتا ہے اور پھر درود پڑھنے والے کا نام اُس کے والد کے نام کے ساتھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ چناں چہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ وَكَّلَ بِقَبْرِيْ مَلَكًا أَعْطَاهُ اللّٰهُ أَسْمَاءَ الْخَلَائِقِ فَلَايُصَلِّيْ عَلَيَّ أَحَدٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَبْلَغَنِيْ بِاسْمِهٖ وَاسْمِ أَبِيْهِ هٰذَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ قَدْ صَلّٰى

عَلَيْكَ. (رواہ البزار والطبرانی، الترغیب والترهیب مکمل ۳۸۱) (اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے اور اُسے تمام مخلوقات کے نام عطا فرمائے ہیں، پس قیامت تک جو شخص بھی مجھ پر درود شریف پڑھے گا وہ فرشتہ اُس کو میرے پاس اُس کے نام اور اُس کے والد کے نام کے ساتھ یہ کہہ کر پیش کرے گا کہ فلاں بن فلاں نے آپ کی خدمت میں درود شریف پیش کیا ہے)

ذرا غور فرمائیں! ایک اُمتی کے لئے کس قدر مسرت کی بات ہے کہ اُس کے پیش کردہ درود کا ذکر آقا کے دربار میں ہو؟ اگر درود شریف کا کوئی اور فائدہ نہ بھی ہوتا تو یہی ایک فائدہ اُس کی اَہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے کافی تھا۔

درود شریف کی کثرت کا ایک بڑا اَہم فائدہ یہ ہے کہ اِس کی بدولت آخرت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قربِ خاص نصیب ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلاةً. (سنن الترمذي: ٤٢٠، الترغيب والترهيب ٣٨١) (یقیناً مجھ سے قیامت کے دن سب سے قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر (دنیا میں) سب سے زیادہ درود شریف پڑھنے والے ہوں گے)

لہٰذا جو شخص آخرت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت اور تقرب کا متمنی ہو اسے کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

نبی ﷺ کی ایذاءرسانی؛ قابلِ لعنت عمل

(۵) اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا. [الأحزاب: ٥٧] (بے شک جو لوگ اللہ کو اور اُس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، اُن پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے، اور اُن کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے)

جو بدنصیب شخص بھی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات میں یا وفات کے بعد آپ کی شانِ اَقدس میں اَدنیٰ درجہ کی بھی گستاخی کر کے آپ کو اَذیت پہنچاتا ہے وہ اِس بدترین وعید کا مستحق ہے۔

اور تمام علماء اور ائمہ کا اِس پر اجماع ہے کہ جو شخص بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اَقدس میں گستاخی کرے وہ کافر و مرتد ہے، اور اگر توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے۔

نیز ایک ضعیف روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں: ''مَنْ سَبَّ نَبِیًّا فَاقْتُلُوْہُ''. (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ / لقاضی عیاض ۲۲/۲) یعنی جو کسی نبی کو برا بھلا کہے تو اُس کو قتل کردو۔

لیکن ظاہر ہے کہ اِس حکم کی تعمیل صرف اِسلامی حکومت میں شرعی قواعد کے تحت صرف حاکم شرعی کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے۔ عام لوگوں کو اپنے طور پر اِس سزا کو جاری کرنے کا حق نہیں ہے۔ تو جب اِسلامی حکومت میں یہ پابندی ہے تو ایسے ممالک جہاں اِسلامی نظام نافذ نہیں ہے، اُن میں بدرجہ اولیٰ گستاخی رسالت کے کسی واقعہ پر قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اِجازت نہ ہوگی اور غیروں کے ماحول میں ''سرتن سے جدا'' جیسے نعرے لگا کر دوسروں کو فتنہ اَنگیزی کا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا۔

تاہم اِیمانی غیرت وحمیت کا تقاضا یہ ہے کہ اِس طرح کے اشتعال انگیز واقعات پر ہوش مندی کے ساتھ اپنا احتجاج درج کرایا جائے اور ملکی قانون کے تحت مجرمین کے خلاف ثبوتوں کے ساتھ نامزد رپورٹیں لکھوائی جائیں اور پوری قوت کے ساتھ قانونی اِقدامات سے گریز نہ کیا جائے۔

نیز ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ سوشل میڈیا پر آنے والے گستاخانہ مواد کو ہرگز ہرگز آگے نشر نہ کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ ہم خود ہی اِس گندگی اور غلاظت کے پھیلانے میں مددگار بن جائیں؛ کیوں کہ تجربہ یہی ہے کہ اگر ایسی گستاخانہ باتوں سے بے رخی برتی جائے گی تو فتنہ پرور لوگ اپنے مقاصد میں یقیناً ناکام اور نامراد ہوجائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کامل ایمان ویقین عطا فرمائیں، ایمان کی چاشنی، حلاوت اور لذت عطا فرمائیں، سیرت اور سنت کی سچی اتباع نصیب فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

(شائع شدہ: ندائے شاہی ستمبر ۲۰۲۲ء - تا - جون ۲۰۲۳ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۴۸)

اِیمان کی مٹھاس

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۴۸)

موضوعِ خطاب	:	اِیمان کی مٹھاس
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	درسِ بخاری شریف دار العلوم تو کلیہ رینگا سلہٹ بنگلہ دیش
تاریخ	:	۱۹؍ربیع الاول ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۶؍اکتوبر ۲۰۲۲ء بروز اتوار
دورانیہ	:	۲۱؍منٹ تقریباً
جمع وضبط	:	(مفتی) عبد الرحمٰن قاسمی بنگلوری

آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

الـحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ بـالـلّٰـه مـن شـرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يـضـلـل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک لهٗ، ونشهد أن سيـدنـا وحبيبـنـا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الـلّٰـه تبـارک وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارک وسلَّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد:

فَـإِنَّ أَصْـدَقَ الْـحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُـحَـمَّـدٍ صَـلَّـى الـلّٰـهُ تَـعَـالٰـى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَخَيْرَ الْأُمُوْرِ عَوَازِمَهَا وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُـحْـدَثَـاتُهَـا وَكُـلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَبِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنَّا إِلَى الشَّيْـخِ الْإِمَامِ الْهُمَامِ الْحَافِظِ الْحُجَّةِ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْحَدِيْثِ، أَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ

مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ بَرْدِزْبَةَ الْجُعْفِيِّ الْبُخَارِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تبارَكَ وَتَعَالٰى وَنَفَعَنَا بِعُلُوْمِهٖ وَعُلُوْمِهِمْ آمِيْنَ. أَنَّهٗ قَالَ بَابُ حَلَاوَةِ الْإِيْمَانِ. وَبِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَعَنْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ أَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ إِلَّا لِلّٰهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ. (صحيح البخاري / كتاب الإيمان رقم: ١٦)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ اِس کتاب کی ترتیب میں یہ ہے کہ ایک عنوان قائم کرتے ہیں جس کو ''ترجمۃ الباب'' کہا جاتا ہے اور پھر اُس کی دلیل کے طور پر اُس باب میں اپنی شرائط کے مطابق صحیح ترین حدیث ذکر فرماتے ہیں۔

چناں چہ اِس باب میں بھی یہی طریقہ اپنایا گیا ہے کہ اَولاً عنوان قائم کیا گیا ''بَابُ حَلَاوَةِ الْإِيْمَانِ'' (یعنی ایمان کی مٹھاس اور چاشنی کا باب)

اور یہ باب قائم کرکے یہ بتلانا مقصود ہے کہ جس طرح ظاہری طور پر کسی میٹھی چیز کی مٹھاس آدمی زبان سے محسوس کرتا ہے، اِسی طرح معنوی چیزوں کی بھی ایک مٹھاس ہوتی ہے، جس کو دل محسوس کرتا ہے، یہاں اِسی طرح کی مٹھاس مراد ہے۔

اور اِس میں ایک تشبیہ یہ بھی ہے کہ عام طور پر آدمی کی طبیعت میٹھی چیزوں کی طرف راغب ہوتی ہے اور وہ اُسے پسند آتی ہے۔ اِسی طرح مؤمن کی طبیعت جب ایمان کی طرف پوری طرح راغب ہوجائے تو اُس کو اِن الفاظ میں تعبیر کیا جاتا ہے کہ اُسے ایمان کی حلاوت اور چاشنی نصیب ہوگئی ہے۔

اور آدمی جس چیز کو پسند کرتا ہے اُس کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار ہوجاتا ہے،

پس اِیمان کی حلاوت اور چاشنی جس آدمی کے دل میں بیٹھ جاتی ہے، تو اَب دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے؛ مگر اِیمان اُس کے دل سے نہیں نکل سکتا، یہی اِیمانی رسوخ اللہ تعالیٰ کو پسند اور منظور ومطلوب ہے۔

راوی حدیث سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ

اور حسنِ اتفاق یہ ہے کہ اِس روایت کے راوی سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے ہی چہیتے صحابی ہیں، اُن کی والدہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا ابتدائی دور میں دولت اسلام سے مشرف ہونے والی انتہائی باکمال انصاری صحابیات میں شامل ہیں۔ سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد (مالک بن النضر جو اِسلام لائے بغیر مقتول ہوئے) کے بعد اُنہوں نے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے نکاح فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس پورے گھرانے سے خصوصی تعلق تھا۔

سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے، اُس وقت گھر میں صرف میں، میری والدہ حضرت اُم سلیم اور میری خالہ حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہما موجود تھے (اور اُس دن آپ کا روزہ تھا) تو حضرت نے اِرشاد فرمایا کہ ''آؤ میں تمہیں نماز پڑھاؤں!''؛ حالاں کہ اُس وقت کسی فرض نماز کا وقت نہ تھا، پھر آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور صف کی ترتیب یہ تھی کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دائیں جانب حضرت انسؓ تھے اور پچھلی صف میں حضرت اُم سلیم اور حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہما تھیں؛ چناں چہ آپ نے چٹائی پر نفل نماز پڑھائی اور نماز سے فراغت کے بعد ہم سبھی گھر والوں کے لئے دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی سے متعلق دعا فرمائی، تو میری والدہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ''میرے پاس ایک خاص عطیہ اور سرمایہ ہے، جس سے میری مراد آپ کا چھوٹا سا خادم انس ہے، آپ اُس کے لئے خصوصی طور پر دعا فرمایئے!'' تو حضرت انس رضی اللہ

عنہ فرماتے ہیں کہ اُس وقت پیغمبر علیہ السلام نے میرے لئے دنیا اور آخرت کی جتنی بھی بھلائیاں ہوسکتی تھیں اُن سب کے بارے میں دعا فرمائی، اور اخیر میں یہ دعائیہ کلمات اِرشاد فرمائے: ’’اَللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَبَارِكْ لَهٗ فِيْهِ‘‘. (صحيح مسلم / كتاب المساجد رقم: ٦٦٠) (اے اللہ! انس کے مال اور اَولاد میں کثرت فرمایئے اور برکت سے نوازئے)

اِس دعاءِ نبوی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اَولاد اور مال میں بے مثال برکت عطا فرمائی۔ مشہور ہے کہ آپ کی حیات ہی میں آپ کی باحیات ذریت کی تعداد سو سے متجاوز تھی، اور آپ کے ایک باغ میں سال میں دو مرتبہ پھل آتے تھے۔ (واللہ اعلم)

ایک روایت میں سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ’’میں نے مشک وعنبر یا کوئی اور چیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدن کی خوشبو سے زیادہ بہترین نہیں سونگھی اور میں نے پیغمبر علیہ السلام کے بدن کو ریشم سے زیادہ نرم پایا‘‘ تو یہ سن کر آپ کے شاگرد حضرت ثابت نے عرض کیا کہ ’’آپ کی نظر میں تو گویا ہر وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سراپا رہتا ہوگا، اور حضور کی آواز آپ کے کانوں میں گونجتی ہوگی؟‘‘ تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ’’جی ہاں! قسم بخدا مجھے اِس بات کی پوری اُمید ہے کہ قیامت کے دن جب میری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوگی تو میں یہ عرض کروں گا کہ اے اللہ کے رسول! میں وہی آپ کا چھوٹا سا خادم ہوں‘‘۔

پھر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ’’مجھے مدینہ منورہ میں بچپن کی حالت میں ۱۰ ر سال تک پیغمبر علیہ السلام کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی، اور ظاہر ہے کہ میرا ہر کام حضور اکرم علیہ السلام کی منشاء کے مطابق نہ ہوا ہوگا؛ لیکن آپ نے اِس پورے عرصہ میں کبھی بھی مجھے اُف تک نہیں فرمایا اور نہ یہ کہا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اور نہ یہ فرمایا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا‘‘۔

(مسند الامام احمد بن حنبل/ مسند انس بن مالک رقم: ۱۳۳۱۷)

بخاری شریف وغیرہ میں سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا کہ: ''ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ''. (صحيح البخاري / كتاب الإيمان رقم: ١٦) (یعنی جس شخص میں تین باتیں پائی جائیں گی وہ ایمان کی چاشنی محسوس کرے گا)

یعنی جس طرح ایک انسان میٹھی چیز کا ذائقہ محسوس کرتا ہے، اِسی طرح اُس کا دل اِیمانی حلاوت کو محسوس کرے گا۔

اِیمانی حلاوت کا مفہوم

شارح بخاری علامہ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِس تشبیہ میں ایک بیمار اور تندرست شخص کی مثال دینا مقصود ہے، یعنی جس طرح بیمار شخص شہد کے ذائقہ کو بھی کڑوا سمجھتا ہے؛ جب کہ تندرست شخص ہر چیز کے حقیقی ذائقہ کو بخوبی محسوس کرسکتا ہے۔ اِسی لئے جو اِنسان اِیمان کے اعتبار سے جتنا صحت مند ہوگا اُتنا ہی اِیمانی حلاوت کو محسوس کرے گا۔ اور جو اِیمان کے اعتبار سے بیمار ہوگا اُسے اِیمانی حلاوت محسوس نہ ہوگی؛ بلکہ وہ طاعات سے بے رغبت ہوگا۔

اور اِیمان کو حلاوت سے تشبیہ کی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اِیمان کو ایک درخت سے تشبیہ دی ہے، جس کی جڑ کلمہ اِخلاص ہے اور اُس کی ٹہنیاں اَوامر شریعت کا اتباع اور منہیات سے اجتناب ہے۔ اور اُس کے پتے وہ نیک اِرادے ہیں جن کا مؤمن قصد کرتا ہے۔ اور اُس کے پھل نیک اَعمال ہیں۔ اور پھلوں کے اندر مٹھاس پکنے کے بعد آتی ہے، تو جتنا پھل پکتا جائے گا اُتنی ہی مٹھاس بڑھتی جائے گی۔ اِسی طرح اِیمان جتنا پختہ ہوتا جائے گا اُسی اعتبار سے اُس کی مٹھاس کا احساس بھی بڑھتا چلا جائے گا۔ (مستفاد: فتح الباری شرح صحیح البخاری/ کتاب الایمان حدیث:۱۶)

اور اِیمانی حلاوت کی علامت اِس طرح ظاہر ہوگی کہ نیک اعمال میں مؤمن کو ایک خاص قسم کی لذت ملے گی، اُسے نماز پڑھنے سے دلی سکون نصیب ہوگا، اُس پر نماز بوجھ نہ ہوگی۔

اِسی طرح قرآنِ کریم پڑھنے اور ذکر وغیرہ کرنے میں جی لگے گا۔ اِسی وجہ سے بعض شارحین نے "حَلاوَةُ الإِيْمَانِ" کی تشریح "اِسْتِلْذَاذُ الطَّاعَاتِ" (نیکیوں کو لذیذ سمجھنا) سے کی ہے۔

اِس کے برخلاف اگر دل میں اِیمان کی چاشنی نہ ہو تو طاعات بوجھ محسوس ہوں گی، نماز اور ذکر وغیرہ میں جی نہیں لگے گا؛ جیسا کہ قرآنِ کریم میں منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ: ﴿وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى، يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [النساء، جزء آیت: ١٤٢] (یعنی وہ لوگ اگر نماز پڑھتے بھی ہیں تو بہت سستی اور بوجھل دل کے ساتھ محض دکھاوے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت تھوڑا سا کرتے ہیں)

اِس لئے کہ اُن منافقین کے دل میں اِیمان کی حلاوت نہیں ہے، اگر ایمان کی مٹھاس ہوتی تو وہ کبھی بھی نماز میں سستی نہ کرتے؛ بلکہ جب تک اَدا نہ کر لیتے اُن کا دل بے چین رہتا؛ جیسا کہ سچے اہلِ اِیمان کا حال ہوتا ہے۔

اللہ اور اُس کے رسول کی محبت

اب جو اِس حدیث میں حلاوتِ اِیمانی کی تین علامتیں بتائی گئی ہیں، اُن میں سے پہلی بات یہ ہے کہ: "أَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا" (یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک ذات اُس شخص کے دل میں سب سے زیادہ محبوب ہو جائے)

گویا کہ ساری کائنات کی محبتیں ایک طرف اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول سے محبت ایک طرف، جب ایسی محبت دل میں پیدا ہو جائے گی تو اُس کے اندر ایمان کی چاشنی راسخ ہو جائے گی۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں محبت سے مراد عقلی محبت ہے، یعنی عقلِ سلیم اِس بات کی متقاضی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول سے سچی محبت کی جائے؛ اگرچہ

خواہش نفس اُس کے خلاف ہو؛ کیوں کہ جب آدمی گہرائی سے غور کرے گا تو اُسے اندازہ ہوگا کہ شارعِ حقیقی کی ہر ہدایت اور ہر حکم میں ہمارے لئے فی الحال یا فی المآل اصلاح وفلاح مضمر ہے، تو جب یہ بات ذہن میں بیٹھے گی تو آدمی کی ذاتی خواہش حکمِ شریعت کے تابع ہو جائے گی، اور پھر رفتہ رفتہ احکامِ شرع کی تعمیل میں لطف آنے لگے گا، اِسی کو حدیث بالا میں اِیمانی حلاوت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (تلخیص فتح الباری حدیث:۱۶)

اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں اِنسان جب کسی سے محبت کرتا ہے تو اُس کے چند اَسباب ہوتے ہیں، جن میں سے ایک سبب ظاہری طور پر موجب لذت باتیں ہیں، جیسے صورت یا آواز کا خوب صورت اور دل کش ہونا۔ اور دوسرا سبب باطنی اور معنوی خوبیوں اور کمالات کا ہونا ہے؛ چناں چہ اِسی بنیاد پر علماء، صالحین اور اہل اللہ سے محبت کی جاتی ہے۔ اور ایک تیسرا سبب کسی کی جانب سے احسان کا صادر ہونا اور مشکل وقت میں کام آنا بھی ہے۔ اور محبت کے یہ سب اَسباب حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ میں اور ثانیاً سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جامعیت کے ساتھ پائے جاتے ہیں، اِس لئے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت کرنا اِسلام کے واجبات میں سے ہے۔ (ملخص: نووی علی مسلم/ کتاب الایمان حدیث:۴۳)

اللہ واسطے محبت

اُس کے بعد اِس حدیث میں آگے فرمایا: "**وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ**" (کہ آدمی کسی مسلمان بھائی سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے محبت رکھے)

یعنی اُن میں آپس میں نہ تو کوئی رشتہ داری ہے، نہ کاروباری تعلق ہے اور نہ کوئی اور سلسلہ ہے؛ بلکہ صرف اللہ واسطے کا تعلق ہے، تو یہ تعلق اِیمانی حلاوت کا مظہر ہے۔

قرآنِ کریم میں تمام اہل اِیمان کو آپس میں ایک دوسرے کا ولی اور دوست قرار دیا گیا ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ [التوبة،

جـزء آیت: ۷۱] (یعنی تمام اِیمان والے مرد اور تمام اِیمان والی عورتیں آپس میں ایک دوسرے سے قرب رکھنے والے ہیں)

اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ میدانِ حشر میں سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائیں گے؛ گویا کہ اُن کے ساتھ اعزاز کا معاملہ کیا جائے گا، اور اُن سات میں ''وہ دو آدمی بھی ہیں جو آپس میں اللہ واسطے تعلق رکھتے ہوں، اُسی پر اکٹھے ہوں اور اُسی پر الگ ہوں''۔ (بخاری شریف، کتاب الاذان/ باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰۃ وفضل المساجد ۱/۹۱)

اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں اِرشاد فرمایا: ''عِبَادٌ لِلّٰهِ تُوْضَعُ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَيْسُوْا بِأَنْبِيَاءَ وَلاَ شُهَدَاءَ، يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ''. قَالُوْا: فَمَنْ هُمْ؟ قَالَ: ''اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِيْ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ''.
(المعجم الكبير للطبراني ۲۹۰/۳ دار إحياء التراث العربي بيروت) (یعنی قیامت کے دن میدانِ حشر میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جن کے لئے نور کے منبر رکھے جائیں گے)

(ظاہر ہے کہ جب نور کے منبر پر ہوں گے تو وہ خود بھی چمک رہے ہوں گے، جیسا کہ لائٹ میں آدمی بیٹھ جائے تو ویسے ہی چمکنے لگتا ہے، تو لوگ اُنہیں دیکھ کر پہنچاننے کی کوشش کریں گے، اور یہ خیال کریں گے کہ یہ شاید انبیاء یا اَولیاء اللہ ہیں)

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منبر پر بیٹھنے والے یہ لوگ نہ تو انبیاء ہوں گے اور نہ شہداء ہوں گے؛ بلکہ اُنہیں دیکھ کر انبیاء اور شہداء بجائے خود رشک کریں گے۔

یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ: ''پھر یہ کون لوگ ہوں گے؟''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا کہ: ''هم الـمُتَحَابُّون فِيْ اللّٰهِ''. یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں صرف اللہ کے لئے محبت رکھتے تھے۔ اِسی پر خلوص محبت کی وجہ سے اُنہیں یہ بلند مرتبہ نصیب ہوگا۔

اور ایک حدیثِ قدسی میں یہ اَلفاظ بھی وارد ہیں: ''الْمُتَزَاوِرُوْنَ فِيَّ'' یعنی منبر پر بیٹھنے

والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ واسطے ایک دوسرے سے ملنے جاتے تھے۔ (صحیح ابن حبان/ ترتیب ابن بلبان رقم الحدیث:۵۷۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

گویا کہ وہ صرف مخلصانہ تعلق اور محبت کی بنیاد پر اللہ کی رضا کے لئے ایک دوسرے کی ملاقات کے واسطے سفر کر کے جاتے تھے۔

لہٰذا ہمیں بھی آپس میں مخلصانہ تعلقات کو فروغ دینا چاہئے؛ تاکہ آخرت میں سرخ روئی نصیب ہو۔

تو درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ اہل اِیمان کا آپس میں پرخلوص تعلق اِیمان کی بہت بڑی علامت ہے۔ اگر یہ تعلق عام ہو جائے اور ایک مؤمن دوسرے مؤمن کو محض اِیمان کی بنیاد پر عزیز سمجھے تو کتنے ہی آپسی جھگڑے اور فتنے ختم ہو سکتے ہیں اور اَمن وسکون، محبت اور ہم آہنگی کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس گراں قدر دولت سے مالا مال فرمائیں، آمین۔

اِیمان سے دست برداری کسی صورت گوارا نہ ہو

اُس کے بعد اِیمانی حلاوت کی تیسری علامت یہ بیان کی گئی کہ: ”وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ“ (یعنی مؤمن ایمان کی دولت ملنے کے بعد کفر کی طرف لوٹنا اِسی طرح ناگوار سمجھے جیسے کوئی آدمی آگ میں گرنے کو ناپسند سمجھتا ہے)

ظاہر ہے کہ جب آدمی کے دل میں اِیمان کی قدر وقیمت پیدا ہو جائے گی تو وہ کبھی بھی اُس سے محرومی کو گوارا نہ کرے گا؛ کیوں کہ اُسے یقین ہو جائے گا کہ تمام تر دینی اور دنیوی کامیابی کا مدار اِیمان پر ثابت قدم رہنے میں ہے؛ جب کہ کفر وشرک اور سرکشی کا انجام جہنم کے سوا کچھ نہیں ہے؛ لہٰذا کوئی بھی عقل مند شخص بالقصد جہنم میں جانے کے اسباب اختیار نہیں کر سکتا؛ بلکہ وہ ہر وقت جہنم سے ڈرتے ہوئے زندگی گذارے گا اور ایسے عقائد واَعمال سے گریزاں رہے گا جو اُس کو جہنم کا مستحق بنا سکتے ہوں۔

آج کے دور میں جب کہ کم علمی اور زہرناک ماحول کی وہ سے ذہنی اور فکری اِرتداد عام ہورہا ہے، تو ضرورت ہے کہ مذکورہ حدیث کے پیغام کی اِشاعت کی جائے اور معاشرہ کے ہر چھوٹے بڑے فرد کی اِس انداز میں تربیت کی جائے کہ ہر شخص اِیمانی حلاوت کو محسوس کرے، دین کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار ہو اور کفر وشرک کے جراثیم سے پوری طرح پرہیز کرنے والا ہو۔ بالخصوص شروع ہی سے بچوں اور بچیوں کے ذہن کو اِیمان کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرنی چاہئے؛ تا کہ وہ مرتے دم تک اِیمان پر قائم رہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کامل اِیمانی حلاوت سے نوازیں، اِسی پر زندگی اور اِسی پر موت عطا فرمائیں، آمین، ثم آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر
سلسلۂ اِشاعت: (۴۹)

اِیمان کی قدر وعظمت

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری
اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:
(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری
مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر
المركز العلمي للنشر والتحقيق
لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۴۹)

موضوعِ خطاب	:	اِیمان کی قدر وعظمت
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	صوبائی اِجلاسِ عام دینی تعلیمی بورڈ جمعیۃ علماء مہاراشٹر دار العلوم سونوری آکولہ (مہاراشٹر)
تاریخ	:	۶؍رجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۴؍مارچ ۲۰۱۹ء بروز پیر جمعرات
دورانیہ	:	۲۸؍منٹ تقریباً
جمع وضبط	:	(مفتی) عبد الرحمٰن قاسمی بنگلوری

آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

○

الـحمد للّٰه نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیه، ونعوذ بـالـلّٰـه مـن شـرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یهده اللّٰه فلا مضل لہٗ، ومن یـضـلـل فلا هادي لہٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شریک لہٗ، ونشهد أن سیـدنـا وحبیبـنـا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلی الـلّٰـه تبـارک وتعالیٰ علیه وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَلِيُّ الْعَظِیْمُ.

معزز علماء کرام، بھائیو اور بزرگو اور پسِ پردہ ہماری مائیں اور بہنیں! اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا

انعام ہے کہ اُس نے ہمیں بہت سی ظاہری نعمتوں سے نوازنے کے ساتھ ساتھ اِیمان کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے۔

کسی اِنسان کے لئے اِیمان سے بڑی کوئی دولت اور نعمت نہیں ہوسکتی۔

اور اِس نعمت کو حاصل کرنے میں ہماری کسی کوشش، کاوش اور محنت کا کوئی دخل نہیں ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے ہم نے کوئی فیس جمع کی ہو یا کوئی فارم بھرا ہو کہ ہماری پیدائش فلاں ماں باپ کے یہاں ہو، یا فلاں گھرانے میں ہو، یا ہمیں آخری پیغمبر علیہ السلام کی اُمت میں شامل کیا جائے۔

ہمیں تو پتہ بھی نہیں تھا کہ ہم پیدا بھی ہوں گے یا نہیں؟

اللہ نے جب پیدا کردیا اور جہاں پیدا کردیا وہیں ہماری پیدائش ہوگئی۔

اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے اِیمان پر قائم رہنا بہت آسان ہوگیا۔

ورنہ خدانہ خواستہ اگر کسی غیر گھرانے میں ہماری پیدائش ہوتی تو ذرا سوچئے اسلام تک آنے میں کتنی رکاوٹیں پیدا ہوتیں؟

اِس لئے کہ دنیا کا سب سے مشکل کام جو پہاڑ سے زیادہ بھاری ہے، وہ اپنے مذہب کو بدلنا ہے، اِس سے بڑا بھاری کام دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔

اِسی وجہ سے بہت سی مرتبہ آدمی اپنے مذہب کو غلط سمجھنے کے باوجود اُس کو چھوڑنے کی ہمت نہیں کرپاتا؛ کیوں کہ اُس کے ساتھ اُس کے مختلف مفادات جڑے رہتے ہیں، جنہیں وہ نظرانداز نہیں کرپاتا۔

چناں چہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دَور میں مدینہ منورہ میں جو یہودی تھے وہ سب جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی آخری پیغمبر ہیں؛ حتیٰ کہ جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے اُن کی انصار کے قبیلوں سے لڑائی ہوتی تھی تو اُن سے یہ کہا

کرتے تھے کہ ''انتظار کرو آخری پیغمبر آنے والے ہیں، اُن کے ساتھ مل کر ہم تمہارا صفایا کریں گے''؛ گویا اُن کو دھونس دیا کرتے تھے۔ (الروض الانف/ انذار یہود برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۲/۲۱۳، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ ۲/۷۴)

لیکن جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور اِسلام کی دعوت پیش کی تو اکثر یہودی مکر گئے اور انکار وتکذیب کے راستے پر چل پڑے۔ (الروض الانف ۴/۲۳۳)

حالاں کہ اُنہیں یقین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں۔ قرآنِ کریم میں مذکور ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰـھُمُ الْکِتٰبَ، یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ﴾ [البقرة، جزء آیت: ١٤٦] (یعنی جن کو ہم نے کتاب عطا کی ہے وہ پیغمبر علیہ السلام کو اِس طرح جانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں) لیکن اِس کے باوجود وہ اِیمان کی دولت سے مشرف نہیں ہوئے؛ کیوں کہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اِیمان لانے کی وجہ سے اُن کی چودھراہٹ اور مصنوعی عزت باقی نہیں رہے گی، اِسی خودغرضی نے اُن کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی تھی۔ اِس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آدمی کے لئے مذہب تبدیل کرنا کتنا مشکل کام ہے؟

یہودی لڑکے کی گواہی

روایت میں آتا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد ایک شخص دُور دراز علاقے سے تجارت کے لئے مدینہ منورہ آئے، اُنہوں نے سن رکھا تھا کہ پیغمبر علیہ السلام مدینہ تشریف لاچکے ہیں اور آپ نبوت کے مدعی ہیں، تو اُن کے دل میں خیال آیا کہ چلو مل کر دیکھتے ہیں کہ کون صاحب ہیں؟ اب جب ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو دیکھا کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دونوں ساتھیوں سیدنا حضرت ابوبکر اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کہیں تشریف لے جارہے ہیں، تو یہ صاحب بھی ساتھ چل پڑے، چلتے

چلتے آپ علیہ السلام کا گذر ایک یہودی کے مکان پر ہوا، جہاں چارپائی پر ایک نوجوان خوب صورت لڑکا بیمار لیٹا ہوا تھا، اور ایسا لگ رہا تھا کہ اُس کا آخری وقت ہے اور اُس کا یہودی باپ اُس کے سرہانے توریت کھول کر کے کچھ پڑھ رہا تھا، نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اُسے دیکھ کر رُک گئے اور آپ نے اُس باپ سے کہا کہ ''میں تم سے اللہ کی گواہی دے کر پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہاری اِس کتاب (توریت) میں میری بعثت وغیرہ کا تذکرہ ہے یا نہیں؟'' تو اُس باپ نے کچھ گول مول بات کرنی چاہی؛ لیکن یہ گفتگو سن کر اُس بیمار لڑکے نے آنکھ کھول دی، اور اُس نے پیغمبر علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ ہماری کتاب (توریت) میں آپ کی صفاتِ عالیہ اور بعثت کا تذکرہ موجود ہے''۔ اُس کے بعد اُس لڑکے کی حالت بگڑ گئی اور اُس کا انتقال ہوگیا، تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ اِس کو یہاں سے اُٹھاؤ، ہم اِس کی تجہیز وتکفین کریں گے، یہ یہودی ہوکر نہیں مرا؛ بلکہ اِیمان پر مَرا ہے؛ چناں چہ پیغمبر علیہ السلام نے اُس کی تجہیز وتکفین کا انتظام فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۵۴۵، مسند احمد ۶/۳۸۷۷ رقم: ۲۳۴۹۲ مؤسسۃ الرسالۃ، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۱/۱۴۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں مسلمان گھرانے میں پیدا کرکے ہمیں بہت بڑی آزمائش سے بچالیا، ورنہ اگر ہم کسی اور مذہبی گھرانے میں پیدا ہوتے، تو نہ جانے کیا انجام ہوتا؟ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے: ''**كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ**''. (صحيح البخاري / كتاب الجنائز رقم: ١٣٨٥) (یعنی ہر بچہ دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے (یعنی اُس میں حق ماننے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے) مگر ماں باپ اُسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں) تو ہمیں اِیمان والے والدین کے ذریعہ وجود بخشنا ہم پر ایسا عظیم انعام ہے، جس پر اُٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے شکر اَدا کرنا لازم ہے۔

آخرت میں صرف ایمان کام آئے گا

کیوں کہ یہی اِیمان وہ نعمت ہے جو اگلی زندگی میں کام آنے والی ہے؛ اِس لئے کہ ہم سب کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں جو آیا ہے اُسے یہاں سے اپنے وقت پر بہر حال جانا ہی جانا ہے، اور جس جگہ جانا ہے وہ بھی متعین ہے، یعنی عالم آخرت۔ اِس کے بغیر چارۂ کار نہیں۔

اِسلام کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ مرنے کے بعد مٹی میں مل جائیں اور قصہ نمٹ جائے، اور اِسلام ''آوا گون'' کے عقیدہ کا بھی قائل نہیں ہے کہ ''اچھے کرم کئے تو اگلی مرتبہ پھر انسان بن جاؤگے، اور بُرے کرم کئے تو کتے بلی وغیرہ بن جاؤگے''، اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا؛ بلکہ اِسلام کا دوٹوک نظریہ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی ختم ہونے والی ہے، اور آخرت کی زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔

گویا کہ دنیوی حیات محدود ہے؛ جب کہ اُخروی حیات لامحدود ہے؛ لیکن بات یہ ہے کہ اُس لامحدود زندگی میں اِس محدود زندگی کا ہی اثر پڑنے والا ہے، پس اگر دنیا کی زندگی میں اِیمان اور اَعمال کی دولت نصیب رہی تو آخرت کی زندگی کامیاب ہوگی۔ اور اگر یہاں اِیمان وعمل سے محرومی رہی تو آخرت کی زندگی ناکام ہوجائے گی۔

موت کو بھی موت آجائے گی

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''قیامت میں جب حساب وکتاب مکمل ہوجائے گا اور سب جنتی جنت میں اور سب جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے، تو جنت اور جہنم کے بیچ میں بنی ہوئی دیوار پر ایک مینڈھا لایا جائے گا اور فرشتہ اعلان کرے گا کہ ''اے جنت کے لوگو! اِدھر متوجہ ہوجاؤ''؛ چناں چہ سارے جنتی اُس کی طرف متوجہ ہوجائیں گے۔ اِسی طرح جہنمیوں میں بھی اعلان ہوگا، اور وہ سب بھی مینڈھے کی طرف متوجہ ہوجائیں گے، پھر کہا جائے گا کہ یہ مینڈھا جو تمہیں نظر آرہا ہے یہ دراصل مینڈھا نہیں ہے، بلکہ یہ موت کی صورتِ مثالیہ ہے۔ اُس

کے بعد اُس مینڈھے کو سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان ہوگا کہ اب موت کو بھی موت آ گئی ہے، اے جنتیو! اب تم ہمیشہ زندہ رہوگے، کبھی موت نہیں آئے گی اور اے جہنمیو! تم ہمیشہ عذاب میں رہوگے، کبھی عذاب سے چھٹکارا نہیں ملے گا۔

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ اُس دن جنتیوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا؛ جب کہ جہنمیوں کے غم کی کوئی انتہاء نہ ہوگی؛ اِس لئے کہ جب موت ہی کو موت آ گئی تو عذاب میں تخفیف کا تصور بھی نہ ہوگا۔ (بخاری شریف/ کتاب التفسیر رقم: ۴۷۳۰، مسند احمد ۱۷/۱۲۰ رقم: ۱۱۰۶۶)

یہ عقیدۂ آخرت اِسلام کا پختہ اور بنیادی عقیدہ ہے، اگر کوئی شخص اِس کا انکار کرے تو وہ ہرگز مسلمان نہیں ہے۔ پورے قرآنِ کریم میں جابجا ''بعث بعد الموت'' اور قیامت سے متعلق مضامین بھرے پڑے ہیں، جن میں قدم قدم پر توجہ دلائی گئی ہے کہ دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لئے کوئی نہیں آیا ہے؛ بلکہ یہاں کا قیام بس چند روزہ ہے۔ بالخصوص اُمت محمدیہ کی عمریں تو پہلی اُمتوں کے مقابلے میں کافی کم ہیں؛ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ میری اُمت کی اَوسط عمر ۶۰ ر سے ۷۰ ر کے بیچ میں ہے، اور ۷۰ ر سے اوپر نسبۃً کم لوگ ہی زندگی پائیں گے۔ (ترمذی شریف / ابواب الدعوات رقم: ۳۵۵۰)

جب کہ پہلی اُمتوں کو کئی سو سال کی عمریں دی گئی تھیں، خود قرآنِ کریم میں موجود ہے کہ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کی عمر مبارک ساڑھے نو سو سال تھی۔

چناں چہ آج ایسا ہی ہو رہا ہے کہ ۶۰ ر سال کے بعد اِنسان پر کمزوریوں اور ضعف کا غلبہ ہو جاتا ہے اور بالآخر وہ دنیا سے پردہ کر جاتا ہے۔

ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ چاند، سورج، ستارے، ندی، نالے، پہاڑ، زمین اور آسمان، یہ سب مخلوقات بھی ایک دن فنا ہونے والی ہیں، بلاشبہ بحکم خداوندی اپنے مقررہ وقت پر جب پہلا صور پھونکا جائے گا، تو یہ سارا نظام کائنات اُلٹ پلٹ ہو جائے گا اور جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو جتنے لوگ مر چکے ہوں گے تو وہ دوبارہ زندہ ہو کر قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے، اور

چار و ناچار بارگاہِ رب العالمین میں حاضر ہو جائیں گے۔

تو اِسلام ہمیں یہ سکھلاتا ہے کہ دنیا کی فکر دنیا میں رہنے کے زمانہ کے بقدر کرو؛ جب کہ آخرت کی فکر آخرت میں رہنے کے اعتبار سے کرو۔

ایک مثال

اِس کو ایک مثال سے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ مثلاً کوئی شخص کمانے کے سلسلے میں اپنے وطن سے دوسرے شہر گیا، اور اُس کا وہاں ۱۵؍دن ٹھہرنے اور اُس کے بعد وطن واپسی کا اِرادہ ہے، اب وہ وہاں جا کر ہوٹل میں کمرہ لے کر رہے گا اور کاروبار کرے گا، تو اگر وہ شخص اُس اجنبی شہر میں جو بھی کمائے وہ وہیں اَللّے تللّے اُڑا دے، یا اپنے ہوٹل کے کمرہ کی سجاوٹ میں لگا دے، اور اپنے وطن میں گھر والوں کے لئے کچھ نہ بھیجے؛ بلکہ دور رہتے ہوئے پوری آمدنی کو ضائع کردے، تو ظاہر ہے کہ اُس سے بڑا ناقدرا اور ناعاقبت اندیش کسی کو نہیں کہا جائے گا، اور اُسے بلاشبہ بےوقوف اور احمق قرار دیا جائے گا۔

اِس کے برخلاف جو شخص باہر رہ کر اپنے کمائی گھر والوں کی پاس بھیجتا رہے، اور گھر والوں کی ضرورتوں کو پورا خیال رکھے، وہ یقیناً عقل مندوں میں شمار ہوگا، اور معاشرہ میں اُس کی عزت و تعظیم ہوگی۔

جیسا کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ’’اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهُ وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ‘‘. (سنن الترمذي، أبواب صفة القيامة والرقائق والورع رقم: ٢٤٥٩) (یعنی کامل عقل مند آدمی وہ ہے جو اپنا محاسبہ کرتا رہے اور مرنے کے بعد والی زندگی کے لئے عمل کرے۔ اِس کے برخلاف عاجز، بےوقوف اور احمق وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو اپنی خواہشات کا غلام بنالے (یعنی جب جو جی میں آئے وہ کرے، حلال وحرام کی تمیز نہ کرے) تو ایسا آدمی عقل مند نہیں ہے۔

اِسلام وہ دین کامل ہے جس میں زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں ایسی رہنمائی موجود ہے، جس سے بہتر کوئی رہنمائی نہیں ہوسکتی۔ اِس دین کی ہمیں قدر کرنی چاہیے۔

یہ سچا دین ہے۔

یہ آخری دین ہے، اَب ساری کائنات کی نجات اِسی دین پر منحصر ہے۔

اِس کے علاوہ نجات کا کوئی راستہ متصور نہیں ہے۔

ہمارے بعض برادرانِ وطن کی طرف سے یہ بات چلائی جاتی ہے کہ ایشور تو ایک ہے، بس عبادت کے طریقے الگ الگ ہیں۔ یعنی جس راستے پر چلو گے تو انجام کار ایک ہی منزل تک پہنچو گے؛ لہٰذا اِنسان جو مذہب چاہے اختیار کرلے، اُس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

تو اِسلام جیسا جامع اور مکمل مذہب اِس معاملہ میں کسی لیت ولعل کو قبول نہیں کرسکتا، اُس کا نظریہ بالکل واضح اور دوٹوک ہے اور وہ یہ ہے کہ حق حق ہے اور باطل باطل ہے، دونوں آپس میں مل نہیں سکتے۔ اور جو شخص عقیدہ اور عمل میں حق کی خلاف ورزی کرے گا، وہ نجات کا مستحق نہیں ہے۔

بعض غیرمسلموں کو یہ بات بہت ناگوار گذرتی ہے کہ مسلمان یہ کیوں کہتے ہیں کہ ہم ہی جنت کے مستحق ہیں؟ وہ دوسرے مذہب والوں کے لئے جنت میں داخلے کا تصور کیوں نہیں کرتے؟ تو ایسے لوگوں سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دراصل جنت کے مالک ہم یا آپ نہیں ہیں؛ بلکہ جنت اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے؛ لہٰذا وہ مالک جسے جنت میں بھیجنا چاہے گا وہی جنت میں جائے گا، محض شیخ چلی کا خواب دیکھنے سے کوئی شخص جنت تو درکنار اُس کے قریب بھی نہیں جاسکتا، اور اُسی مالک نے ہمیں خبر دی ہے کہ اگر اِیمان وعمل کا راستہ اپناؤ گے تو ہی جنت ملے گی، اور اگر اِس راستے کو نہیں اپنایا تو تمہارا جنت میں جانے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ

وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (یعنی جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرے، وہ اُس کی طرف سے ہرگز منظور نہیں ہوگا اور وہ آخرت میں خسارے والوں میں سے ہوگا)

مسلم شریف میں روایت ہے کہ میدانِ حشر میں تمام اولین وآخرین جمع ہوں گے، حساب کتاب میں تاخیر ہورہی ہوگی، کسی کی کچھ بولنے کی ہمت نہیں ہوگی، سب پسینے میں شرابور ہوں گے، دہشت اور گھبراہٹ کا عالم ہوگا، بالآخر شافع روزِ محشر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعتِ کبریٰ سے حساب وکتاب کا مرحلہ شروع ہوگا۔تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دنیا میں جو شخص جس کی عبادت کرتا تھا اُس کے پیچھے لگ لے، اور چھوٹے بڑے جتنے بھی معبودانِ باطلہ ہیں، اُن سب کی تصویریں سامنے لائی جائیں گی اور اُن کے عبادت کرنے والے اپنے معبودوں سے مقناطیس کی طرح چپکتے چلے جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ یہ جتنے معبودانِ باطلہ ہیں اُن کو اُن کے پجاریوں سمیت کھینچ کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔ اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ﴾ [الأنبياء، جزء آيت: ۹۸] (یعنی اللہ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے، تمہیں اُن کے ساتھ ہی جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا، اور تم جہنم میں جا کر رہو گے)

گویا کہ دنیا میں جن بتوں پر تکیہ تھا کہ وہ برے وقت میں کام نہ آئیں گے وہ سب ہوا دے جائیں گے اور نجات کی ساری اُمیدیں خاک میں مل جائیں گی۔

پھر میدان میں باقی رہ جانے والے یہود ونصاریٰ (جو دنیا میں پیغمبروں کے انکار کے مرتکب رہے ہوں گے) اُن سے پوچھا جائے گا کہ ''بہت سے لوگ چلے گئے تم کس کے انتظار میں ہو؟'' تو وہ کہیں گے کہ ہمیں بہت پیاس لگ رہی ہے، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اُدھر جاؤ! وہ ''سراب'' ہوگا، جو دُور سے پانی نظر آئے گا؛ مگر درحقیقت وہ اللہ کا عذاب ہوگا، یہ لوگ اُس کی طرف پانی سمجھ کر دوڑ کر جائیں گے؛ لیکن عذاب میں گر پڑیں گے، نعوذ باللہ من ذلک۔

اَب میدان میں اہل اِیمان اور منافقین رہ جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ اِن سے پوچھیں گے

کہ ’’سب چلے گئے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟‘‘ تو اہلِ ایمان عرض کریں گے کہ ’’الٰہ العالمین! ہم دنیا میں بھی اُن سب سے الگ رہے اور یہاں بھی الگ ہیں، ہم اپنے اللہ کے انتظار میں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ اُنہیں ایک تجلی دکھائیں گے؛ جو دیکھنے میں مخلوقات سے مشابہ ہوگی، اِس لئے اہل ایمان اُس کا انکار کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ کو اُس کا انکار ہی منظور ہوگا؛ تاکہ کوئی اشتباہ ہی نہ رہے۔

پھر اُس کے بعد دوسری عظیم الشان تجلی ہوگی، جسے ’’تجلیٔ ساق‘‘ کہا جاتا ہے، وہ جیسے ہی ظاہر ہوگی، تمام مؤمنین سجدہ میں گر پڑیں گے، جب کہ منافقین کی کمر تختہ ہو جائے گی، اور وہ سجدہ نہ کر پائیں گے۔

اَب جو لوگ سجدہ میں گریں گے، وہی جنت تک پہنچیں گے، اُن کے علاوہ کوئی جنت تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اور یہ وہی لوگ ہوں گے جن کو دنیا میں اِیمان اور اَعمالِ صالحہ کی دولت نصیب ہوئی ہوگی۔ (مسلم شریف، کتاب الایمان/ باب معرفۃ طریق الرؤیۃ حدیث:۳۰۲)

جنت کو دنیا کے کسی محل پر قیاس نہ کیا جائے، جہاں داخل ہونے کی بہت سی قانونی اور غیر قانونی صورتیں نکالی جاسکتی ہیں؛ بلکہ جنت وہ محفوظ ترین جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی قریب بھی نہیں جاسکتا۔

الغرض جس کو جنت میں جانے کا شوق ہے، اُس کے لئے محض تمنا کافی نہیں ہے؛ بلکہ شرائط پوری کرنی ضروری ہے، اور اُس کی شرطِ اول اِیمان ہے، اِس کے بغیر جنت کا کوئی تصور اور نہیں ہے۔

ہمارا یہ مضبوط عقیدہ ہے کہ اُخروی نجات صرف اور صرف دین اِسلام کو ماننے میں مضمر ہے، اِس کے بغیر نجات کا کوئی تصور نہیں۔

یہ پختگی ہمیں خود اپنے اندر بھی برقرار رکھنی ہے اور اپنے بچوں اور بچیوں کے دلوں میں بھی پیدا کرنی ہے۔

بچپن سے اُن کے دل میں یہ بات بٹھائی ہے کہ اِسلام کی ہر بات سرآنکھوں پر ہے، جس سے روگردانی کسی درجہ میں منظور نہیں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں جمعہ کے دن عصر کے بعد مبارک وقت، بابرکت جگہ اور پرنور تاریخ میں سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل فرمائی: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدۃ، جزء آیت: ۳] (یعنی آج میں نے تم پر تمہارا دین مکمل کردیا، اور میں نے تم پر اپنی نعمت تام کردی، اور میں تمہاری طرف سے صرف دین اسلام سے راضی ہوں)

یہودی لوگ کہا کرتے تھے کہ تمہارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے کہ اگر وہ آیت ہم پر اُتاری جاتی تو ہم اُس دن کو عید کا دن مناتے، اور اِس آیت سے اُن کی مراد یہی: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ تھی۔ تو سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت کب اور کہاں نازل ہوئی؟ اور اُس دن ہماری دو عیدیں جمع تھیں۔ (یعنی جمعہ اور یومِ عرفہ) (تفسیر ابن کثیر ۳؍۲۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو اِیمان کی دولت ہمیں عطا کی ہے ہمیں اُس پر بہرحال ثابت قدم رہنا ہے اور اپنی نسلوں کے اِیمان کی بھی ضرور فکر کرنی ہے؛ اِس لئے کہ دین اِسلام کے دشمن اور مخالفین کی پوری کوشش یہ رہتی ہے کہ مسلمان اپنے دین سے ہٹ جائیں اور اِیمان کو فراموش کرکے بدعملیوں میں مبتلا ہوجائے۔

تو اُس کا جواب صرف اور صرف یہ ہے کہ جتنی طاقت سے مخالفت ہورہی ہے اُتنی ہی قوت سے ہم دین پر جمنے اور جمانے کا کام کریں، یہی ہمارا مستحکم جذبہ ہونا چاہئے۔

خاص طور پر علماء حق سے ربط وضبط رکھیں اور اپنے بچوں کو مدرسے اور مکتب میں تعلیم ضرور دلوائیں؛ تاکہ اُن کو ضروری دینی معلومات حاصل ہوں، وہ اِیمان اور اَعمال کو سمجھیں، اُن

کا آخرت پر یقین پختہ ہو اور وہ آگے چل کر کسی غلط ماحول سے متأثر ہو کر ایمان سے محروم نہ ہو جائیں، اگر یہ مدرسے اور مکاتب چلتے رہیں گے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں مٹا نہیں پائے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں اور اپنی رضا اور خوشنودی سے ہم سب کو مالا مال فرمائیں، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

(شائع شدہ: ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۲۳ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (۵۰)

اِیمان کے شعبے

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۵۰)

موضوعِ خطاب	:	اِیمان کے شعبے
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	اجلاس: جامعہ عربیہ اِسلامیہ ٹائٹل مدرسہ سری منگل روڈ (کودالی پول) مولوی بازار بنگلہ دیش
تاریخ	:	۱۹/ربیع الاول ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۶/اکتوبر ۲۰۲۲ء بروز اتوار
دورانیہ	:	۲۰/منٹ تقریباً
جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا ھادي لہٗ، ونشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ، ونشھد أن سیدنا وحبیبنا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد.

فَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيْمَانِ".

(صحیح البخاري، کتاب الإیمان / باب أمور الإیمان رقم: ۹)

معزز علماء کرام، طلبۂ عزیز، بزرگو اور بھائیو! بہت خوشی کی بات ہے کہ اِس نوخیز ادارہ میں ظاہری اَسباب کی کمی کے باوجود ابتداء سے لے کر تخصصات تک تعلیم کا نظم ہے، بلاشبہ یہ منتظمین کی دلچسپی اور محنت کا ثمرہ ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ عمارت کا نام مدرسہ ہے؛ حالاں کہ حقیقت ہے کہ عمارت تو تابع ہے؛ البتہ جہاں تین چیزیں جمع ہوجائیں وہاں مدرسہ وجود میں آجائے گا: (۱) طلبہ (۲) اساتذہ (۳) منتظمین۔ اِس کے برخلاف اگر بڑی سے بڑی عمارت بن جائے؛ لیکن مذکورہ تین میں سے ایک

چیز بھی غائب ہو، تو وہ مدرسہ نہیں رہے گا۔

مثلاً: بہت شاندار عمارت بنادی؛ لیکن طلبہ غائب ہیں، تو کس کو پڑھائیں گے؟ کیا دیواروں کو پڑھایا جائے گا؟

اور اگر طلبہ بہت آجائیں؛ مگر پڑھانے والے اَساتذہ نہ ہوں، تو اکیلے طلبہ کیا کریں گے؟ اُن کا تو سارا وقت کھیل کود اور مچھلیاں پکڑنے میں ہی گذر جائے گا۔

اِسی طرح اگر طلبہ اور اَساتذہ سب جمع ہوجائیں؛ لیکن انتظام کچھ نہ ہو کہ کون کیا پڑھائے گا؟ کب پڑھائے گا؟ اَسباق کی ترتیب کیا رہے گی؟ تو بھی نظام نہیں چل سکتا اور مدرسہ قائم نہیں رہ سکتا۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ اَرکانِ ثلاثہ اگر کسی جنگل، باغ، یا پہاڑ میں بھی جمع ہوجائیں، تو مدرسہ چل پڑے گا، اور اِن اَرکان میں سے کوئی رکن باقی نہ رہے تو مدرسہ باقی نہیں رہے گا۔

پس جو آدمی ہمت کرتا ہے، تو ظاہری اَسباب کم ہونے کے باوجود بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اُسے توفیق سے نوازتے ہیں۔ ''ہمتِ مرداں مددِ خدا''۔

لہٰذا ہم مہتمم صاحب اور دیگر منتظمین سے گزارش کریں گے کہ ہمت نہ ہاریں؛ بلکہ آگے بڑھتے رہیں، اللہ تعالیٰ نصرت فرمائیں گے اور کامیابیاں قدم چومیں گی، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

حضرت ابوہریرہؓ

اِس وقت ہم نے آپ کے سامنے بخاری شریف کی ایک روایت پڑھی ہے، جو صحابیِ رسول سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

اور یہ وہ صحابی ہیں جن سے سب سے زیادہ روایات نقل کی گئیں ہیں، جن کی تعداد ۵/ہزار سے زائد ہے۔

اتنی بڑی تعداد کو دیکھ کر بعض لوگوں کو کچھ تردد ہوا کہ دیگر صحابہؓ کے پاس تو اِتنی روایتیں نہیں ہیں، مگر ابوہریرہؓ کے پاس اِتنی حدیثیں کہاں سے آگئیں؟

تو سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے مہاجر بھائی اپنے معاش کے لئے تجارت میں لگ جاتے تھے، اور اَنصارِ مدینہ کی کھیتی باڑی اور باغات

تھے، جہاں اُنہیں آنا جانا پڑتا تھا؛ مگر ابو ہریرہؓ کی تو نہ تجارت تھی اور نہ باغات اور کھیتیاں تھیں۔ وہ تو دن رات ۲۴ رگھنٹے پیغمبر علیہ السلام کے در پر پڑا رہتا تھا، اِس لئے جو بات سنی یا دیکھی وہ یاد کر لی۔ (بخاری شریف/ باب ماجاء فی الغرس رقم: ۲۳۵۰)

اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوءِ حافظہ کی شکایت کی، تو نبی اکرم علیہ السلام نے اُن سے فرمایا تھا کہ ''چادر پھیلاؤ'' آپ نے چادر پھیلادی، تو حضرتؐ نے اُس پر کچھ دم کر کے فرمایا کہ: ''اسے سینے سے لگالو''؛ چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی، تو اُس کا اثر یہ ہوا کہ اُس کے بعد زندگی بھر کوئی بات نہیں بھولے؛ گویا کہ جو سن لیا وہ پتھر کی لکیر ہوگیا۔ (بخاری شریف/ باب حفظ العلم رقم: ۱۱۹)

اُن کے شاگرد فرماتے ہیں کہ آپؓ کا حافظہ اِتنا غضب کا تھا کہ اگر کئی سال پہلے کوئی روایت سنائی ہے تو اُسے دوہراتے وقت اَلفاظ میں بھی کوئی کمی بیشی نہ فرماتے تھے۔ یہ کمالِ حافظہ کی دلیل تھی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک حاکم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور میرا ایک ساتھی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر تھے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تینوں سے فرمایا کہ ''تم لوگ جو چاہو دعا مانگو''؛ چناں چہ میں نے اور میرے ساتھی نے اپنی ضرورتوں کے موافق دعائیں مانگی، جن پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین فرمایا۔ اُس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جب موقع ملا، تو اُنہوں نے اِن اَلفاظ میں دعا مانگی: ''اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ مِثْلَ مَا سَأَلَکَ صَاحِبَايَ وَأَسْأَلُکَ عِلْمًا لَا يُنْسىٰ''. (اے اللہ! میں آپ سے وہ سب باتیں مانگتا ہوں جو آپ سے میرے دونوں ساتھیوں نے مانگی ہے، نیز میں آپ سے ایسے علم کا سوال کرتا ہوں جو بھولنے سے محفوظ ہو) اِس دعا پر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''آمین'' اِرشاد فرمایا۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ عظیم دعا سن کر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بڑا رشک آیا، اور اُنہوں نے پیغمبر علیہ السلام سے عرض کیا کہ ''حضرت! ہم بھی اِسی طرح کی دعا چاہتے ہیں''، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ''سَبَقَکُمَا الْغُلَامُ الدَّوْسِيُّ''

(یعنی یہ قبیلہ دوس کا لڑکا (ابو ہریرہ) تم دونوں پر سبقت لے گیا) (فتح الباری شرح صحیح البخاری رقم:۹)

تو آپ کا اُمت پر بڑا احسان ہے کہ اگر چہ اُنہیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ صرف ۳؍ سال رہنے کا موقع ملا؛ لیکن اَحادیث شریفہ کا اِتنا بڑا ذخیرہ آپ نے جمع کر کے اُمت کی طرف منتقل فرمایا جو آپ کے لئے علمی صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں، اور آپ کے درجات بلند فرمائیں، آمین۔

اِیمان کے شعبے

تو سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرما رہے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''اَلْإِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً''. (صحیح البخاري / باب أمور الإیمان رقم: ۹) ب (یعنی اِیمان کے ساٹھ سے زیادہ شعبے ہیں) اور بعض روایتوں میں ''بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ'' یعنی ۷۰؍ سے زائد شعبے ہونے کی بات منقول ہے۔

بہت سے علماء کی رائے یہ ہے کہ یہاں ۶۰؍ یا ۷۰؍ سے عدد کی تحدید مراد نہیں ہے؛ بلکہ کثرت مراد ہے۔ (حاشیۃ السندی علی ابن ماجہ رقم: ۵۷) جیسا کہ اُردو محاورہ میں بھی کثرت کو بیان کرنے کے لئے بلاتحدید ۷۰؍ کا عدد بول دیا جاتا ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ اِیمان والے اَعمال کسی خاص عمل یا صورت پر منحصر نہیں ہے؛ بلکہ وہ اَن گنت ہیں، اور اِس اعتبار سے دین کے تمام شعبے اور نقل وحرکت اِیمانی صفات میں داخل ہیں۔

اِس میں کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' تو بنیادی حیثیت رکھتا ہے؛ کیوں کہ اُس پر یقین کے بغیر تو کوئی عمل اللہ کے نزدیک مقبول ہی نہیں۔ اِس کے علاوہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قرآن کی تلاوت، ذکر واذکار، اِسی طرح مال کمانے میں حلال وحرام کی تمیز، سچائی، اَمانت داری، خوش خلقی، اور اپنی ذات سے کسی کو نقصان نہ پہنچانا وغیرہ یہ سب اِیمانی صفات ہیں، جن کا ہر مؤمن کو لحاظ کرنا ضروری ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا اِرشاد کا منشاء یہ ہے کہ اِیمان والوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر اِیمانی صفات پیدا کریں، اور اِیمان کو کسی خاص عمل میں منحصر نہ سمجھیں۔

اِس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم جس انداز میں کوئی دینی کام

کررہے ہیں تو وہ دین ہے، اور وہی کام کوئی دوسرا شخص اگر دوسرے انداز میں کررہا ہے تو وہ دین نہیں ہے، اِس طرح کی سوچ غلط ہے، اور دین میں تنگ نظری کی دلیل ہے۔

بلکہ درحقیقت اِیمان کے بہت سارے شعبے ہیں، اور ہر شعبہ کی اپنی جگہ اَہمیت ہے۔ کسی کو کمتر یا بےضرورت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

دین کی بقاء کے لئے اِن تمام اِیمانی شعبوں کی بقالازم ہے۔

مثال کے طور پر ایک شعبہ دینی تعلیم کا ہے، جسے اہل مدارس سنبھالے ہوئے ہے، جو آنے والی نسلوں میں دین کی بقاء کے لئے اور اُمت کی دینی رہنمائی کے لئے ناگزیر ہے۔

اِسی طرح ایک شعبہ تصنیف وتالیف کا ہے؛ تاکہ ضرورت کے موافق کتابیں تیار کرکے دین کو محفوظ رکھا جائے؛ کیوں کہ اگر کتابیں نہیں رہیں گی تو آگے آنے والوں کو دین کا محفوظ مواد کیسے مل پائے گا؟

اِسی طرح لوگوں کو اچھی باتوں کی تعلیم کرنا اور بُری باتوں سے بچانا جس کو ”اَمر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ یا ”دعوت الی الخیر“ کہتے ہیں؛ یہ بھی دین کا ایک اہم ترین شعبہ ہے۔

یہ سارے شعبے دین ہی کے ہیں، کوئی شعبہ اُس سے الگ نہیں ہے۔

یہ نہیں کہا جائے گا کہ فلاں شعبہ تو ایمان میں داخل ہے اور فلاں داخل نہیں ہے؛ بلکہ سب کو دین ہی کا حصہ ماننا ضروری ہے، جبھی دین اپنی اصل شکل وصورت میں زندہ رہ سکتا ہے۔

صفتِ حیا

تاہم اِیمانی صفات میں ایک امتیازی صفت جو بہت سی عمدہ صفات کا سرچشمہ اور اُن تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، وہ ”صفت حیا“ ہے۔ اِسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیث کے اخیر میں یہ جملہ اِرشاد فرمایا کہ: ”وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيْمَانِ“ (اور حیاء اِیمان کی ایک عظیم شاخ ہے)

حیاء کی تعریف یہ ہے کہ وہ صفت جو آدمی کو بُرائی سے بچنے پر اور حق والے کے حق میں کوتاہی کرنے سے روکتی ہے۔ (فتح الباری ملخصاً رقم:۹)

شارحین فرماتے ہیں کہ اُصولی طور پر حیاء کے ۳/درجات ہیں:

(۱) حیاءِ عقلی ہے جس کے خلاف کرنے والے کو پاگل کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر مجمع عام میں کوئی آدمی اچانک بے لباس ہوجائے، تو آپ کہیں گے کہ اِس کے دماغ میں خلل ہے؛ کیوں کہ بے لباس ہونا عقل کے خلاف ہے۔

(۲) ایک حیاء عرفی ہوتی ہے، جس کے خلاف کرنے والے کو ''بے اَدب'' اور ''بے مروت'' کہتے ہیں۔ مثلاً اچھا خاصا آدمی چلتے ہوئے بلا وجہ دوڑنا شروع کردے، تو یہ لوگوں کی نظر میں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

(۳) اور ایک حیاء شرعی ہوتی ہے، یعنی ہر اُس کام سے بچنا جس سے اللہ، رسول اور شریعت نے منع کیا ہے۔ اور ہر اُس کام کو بجالانا جس کا اللہ اور رسول نے حکم دیا ہے۔

پس جو حیاء شرعی کے خلاف کام کرے اور اُس کے تقاضے پر عمل نہ کرے وہ فاسق اور گنہگار کہلاتا ہے۔ لہٰذا اِس اعتبار سے بدنظری کرنے والا، گانا باجا سننے والا، نامحرموں کو ہاتھ لگانے والا، دل میں کسی شخص سے کینہ بٹھانے والا وغیرہ دراصل شرعی طور پر بے حیاء اور بے شرم کہلائے جانے کے لائق ہے۔ (مستفاد: فتح الباری/ باب الحیاء من الایمان رقم:۲۴)

تو ''وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيْمَانِ'' فرماکر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوری اُمت کو متوجہ فرمایا ہے کہ تم اِیمان کا دعویٰ کرتے ہو، تو یہ جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ تمہارے اندر شرعی حیاء پائی جاتی ہے یا نہیں؟

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم سب اِیمانی تقاضوں پر عمل کرنے والے بن جائیں، اور حیاء شرعی کا پاس ولحاظ رکھیں، یہی تربیت خانقاہوں اور مدرسوں میں دی جاتی ہے، اور نیک لوگوں کی صحبت سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں اور جو بھی کوتاہیاں ہیں اُنہیں معاف فرمائیں اور دین پر چلنا آسان فرمائیں، دین پر زندگی اور دین ہی پر موت عطا فرمائیں، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (۵۱)

قوتِ ایمانی

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ فقہ وحدیث دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]
(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۵۱)

موضوعِ خطاب	:	قوتِ ایمانی
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	جامع مسجد بلال، جالندھر پنجاب
تاریخ	:	۲۷؍ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ مطابق ۳؍دسمبر ۲۰۲۱ء بروز جمعہ
دورانیہ	:	۲۴؍منٹ
جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:
www.youtube.com/c/ALTAZKEER
www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا ھادي لہٗ، ونشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ، ونشھد أن سیدنا وحبیبنا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد.

فَعَنْ أَبِيْ هُرَیْرَۃَ رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَیْرٌ وَأَحَبُّ إِلَی اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ، وَفِيْ کُلٍّ خَیْرٌ، وَاحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُکَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَلَا تَعْجَزْ، وَإِنْ أَصَابَکَ شَيْءٌ فَلا تَقُلْ لَوْ فَعَلْتُ کَذَا لَکَانَ کَذَا وَلٰکِنْ قُلْ قَدَّرَ اللّٰہُ وَمَاشَاءَ فَعَلَ فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ. (صحیح مسلم / کتاب القدر رقم: ٢٦٦٤) أو کما قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم

محترم بھائیو اور بزرگو! اِس وقت آپ کی خدمت میں ایک حدیث شریف پڑھی گئی ہے۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ'' ۔(یعنی طاقت ور مؤمن اللہ تعالیٰ کی نظر میں کمزور مؤمن کے مقابلے میں زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے، اور ہر طرح کے مؤمن میں خیر ہے)

عام طور پر اِس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جسمانی اعتبار سے کمزور مؤمن کے مقابلے میں طاقتور مؤمن اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے، بے شک جسمانی صحت وغیرہ کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے؛ لیکن حضراتِ شارحین فرماتے ہیں کہ اِس حدیث کا اصل مصداق یہ ہے کہ ایمان کے اعتبار سے جو شخص مضبوط ہو، وہ کمزور اِیمان والے سے اَفضل ہے، یعنی مؤمن کا اِیمان لوہا لاٹ ہونا چاہیے، دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے؛ مگر اُس کے ایمان میں ذرہ برابر بھی کوئی خلل نہ ڈال سکے، وہ نہ کسی کے دباؤ میں آئے، اور نہ کسی کے لالچ میں آئے، جان جائے چلی جائے، مال جائے چلا جائے، عزت رہے نہ رہے؛ مگر ایمان ہاتھ سے نہ جائے، جس کا ایمان ایسا مضبوط ہوگا وہی اللہ تعالیٰ کی نظر میں پسندیدہ، محبوب اور قابلِ قدر ہوگا۔

اور ظاہر ہے کہ جب تک اِس طرح کی اِیمانی صفت نہ ہو تو آدمی دین کے لئے کوئی قربانی نہیں دے سکتا، قربانی تو جبھی دے گا جب آدمی کی نظر میں ایمان سب سے زیادہ قیمتی اور سب سے زیادہ اہمیت والی نعمت ہو۔

چناں چہ شارحِ مسلم حضرت اِمام محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ حدیث شریف کے مذکورہ جملے کی تشریح کرتے ہوئے اِرشاد فرماتے ہیں:

وَالْمُرَادُ بِالْقُوَّةِ هُنَا عَزِيمَةُ النَّفْسِ وَالْقَرِيحَةِ فِي أُمُوْرِ الْآخِرَةِ، فَيَكُوْنُ صَاحِبُ هٰذَا الْوَصْفِ أَكْثَرَ إِقْدَامًا عَلَى الْعَدُوِّ فِي الْجِهَادِ، وَأَسْرَعَ خُرُوْجًا إِلَيْهِ وَذَهَابًا فِي طَلَبِهٖ، وَأَشَدَّ عَزِيمَةً فِي الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالصَّبْرِ

عَلَى الْأَذٰى فِي كُلِّ ذٰلِكَ، وَاحْتِمَالِ الْمَشَاقِّ فِي ذَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَأَرْغَبَ فِي الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ وَالْأَذْكَارِ وَسَائِرِ الْعِبَادَاتِ، وَأَنْشَطَ طَلَبًا لَهَا وَمُحَافَظَةً عَلَيْهَا وَنَحْوِ ذٰلِكَ. (شرح النووي على مسلم / كتاب القدر رقم: ٢٦٦٤)

(ترجمہ:- اور یہاں قوت سے مراد اُخروی معاملات میں مؤمن کی طبعیت کا مضبوط اور ثابت قدم ہونا ہے؛ چناں چہ جس میں یہ صفت پائی جائے گی، وہی دشمنوں سے مقابلے کے لئے جہاد میں زیادہ آمادہ ہوگا، اور اِس خدمت کی اَنجام دہی میں جلدی آگے بڑھنے والا ہوگا۔ نیز اچھائیوں کو پھیلانے اور برائیوں پر روک ٹوک کرنے میں بھی بہت زیادہ ہمت والا ہوگا، اور اِس راستے میں ہر طرح کی تکلیفوں پر صبر کرنے والا اور ذاتِ خداوندی کی محبت میں ہر قسم کی مشقتوں کو برداشت کرنے والا ہوگا۔ اِسی طرح نماز، روزہ، اَذکار اور دیگر عبادات کا بھی بہت زیادہ شوقین اور اُن کے حصول میں چاق وچوبند اور پابند ہوگا، وغیرہ)

تاریخ وسیر کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایمان اِسی طرح کا تھا کہ وہ دین کے معاملے میں انتہائی مضبوط اور ثابت قدم تھے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک تاریخی روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں صحابیِ رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو رومی عیسائی کفار نے قید کر کے اپنے بادشاہ کے پاس پہنچادیا، اُس نے آپ سے کہا کہ ''اگر تم عیسائی بن جاؤ تو میں تمہیں اپنی حکومت میں شریک کرلوں گا، اور اپنی شہزادی سے تمہارا نکاح کردوں گا''۔

آپ نے جواب دیا کہ ''اگر تو سارے عرب کی بادشاہت بھی مجھے دے دے، اور یہ چاہے کہ میں ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی دینِ محمدی سے پھر جاؤں، تو یہ نہیں ہوسکتا''۔

بادشاہ نے کہا کہ ''پھر میں آپ کو قتل کردوں گا''۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''ہاں یہ تجھے اختیار ہے''۔

چناں چہ اُسی وقت آپ کو تختہ دار پر کھڑا کر دیا گیا۔ اور بادشاہ کے حکم سے تیر اندازوں نے آپ کے دائیں بائیں تیر چلانے شروع کر دئے؛ تا کہ آپ دہشت زدہ ہو جائیں۔ اِس دوران بار بار کہا جاتا رہا کہ اَب بھی عیسائیت قبول کر لیں؛ لیکن آپ پورے استقلال اور صبر سے انکار فرماتے رہے۔ آخر بادشاہ نے آپ کو تختہ دار سے نیچے اُتارنے کا حکم دیا۔

اُس کے بعد تانبے کی ایک بڑی کڑھائی لائی گئی، اور اُسے آگ پر چڑھا دیا گیا، پھر ایک مسلمان قیدی کو اُس میں ڈال کر زندہ جلا دیا گیا؛ تا آں کہ اُس کی ہڈیاں چمکنے لگیں۔

بعد اَزاں بادشاہ نے حضرت عبد اللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''اَب بھی ہماری بات مان لو''، مگر آپ برابر پورے حوصلے کے ساتھ اُس کی بات کا انکار فرماتے رہے۔

بالآخر بادشاہ نے چرخی پر چڑھا کر آپ کو کڑھائی میں ڈالنے کا حکم دیا؛ لیکن جب آپ کو وہاں لے جانے لگے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، یہ منظر دیکھ کر بادشاہ نے اُنہیں واپس بلایا، اور دوبارہ عیسائیت کی طرف آنے کی دعوت دی۔

لیکن حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے اِرشاد فرمایا کہ ''میں تو صرف اِس وجہ سے رو رہا تھا کہ آج میرے پاس ایک ہی جان ہے، جسے کڑھائی میں ڈال کر راہِ حق میں قربان کیا جا رہا ہے، میری تو یہ خواہش تھی کہ میرے بدن کے ہر ہر روئیں میں الگ الگ جانیں ہوتیں اور اُن سب جانوں کو اللہ کے راستے میں اِسی طرح نچھاور کیا جاتا'' ......الخ۔

اُن کی اِس قوتِ اِیمانی کو دیکھ کر بادشاہ نے کہا کہ ''اگر آپ میرے سر کا بوسہ لے لیں، تو میں آپ کو چھوڑ دوں گا''۔ آپ نے فرمایا کہ ''کیا میرے سب ساتھی قیدیوں کو بھی چھوڑ دیں گے؟'' جب بادشاہ نے اِس کی حامی بھر لی، تو آپ نے اُس کی پیشانی کا بوسہ لیا، اور بحفاظت اپنے ساتھیوں کو چھڑا کر مدینہ منورہ تشریف لائے۔

آپ کی آمد کی اطلاع سن کر اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ عبد اللہ بن حذافہؓ کے سر کا بوسہ لے، اور میں اس کی ابتداء کر رہا

ہوں"۔ یہ فرما کر آپ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے سر کو چوم کر عزت اَفزائی فرمائی۔ رضی اللہ عنہما وعنہم۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل/عن تاریخ ابن عساکر ص: ۵۵۷ دار السلام ریاض)

یہ ہے کمالِ ایمان؛ چاہے آدمی دیکھنے میں کمزور ہو، وزن میں ہلکا ہو، زیادہ خوب صورت بھی نہ ہو؛ لیکن اِیمان جب دل کی گہرائی میں اُترتا ہے تو وہ مؤمن قوی بنتا ہے، جسے کوئی اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتا ہے اور وہ دین کے لیے ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، تو ایسا مؤمن اللہ تعالیٰ کی نظر میں کمزور مؤمن سے افضل ہے۔

ہر مؤمن میں خیر ہے

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی حدیث میں ایک جملہ اور فرمایا: "وَفِـيْ كُـلٍّ خَيْـرٌ"۔ یعنی کوئی مؤمن اپنا دل چھوٹا نہ کرے؛ بلکہ اِیمان کی اہمیت کو سمجھے کہ اُس میں بہر حال انجام کے اعتبار سے خیر ہی خیر ہے؛ گویا کہ مؤمن قوی ہو یا ضعیف، وہ غیروں کے مقابلے میں بہر صورت فضیلت رکھتا ہے۔

بلاشبہ اِس جملے میں سبھی اہلِ اِیمان کے لئے بڑی عظیم بشارت پائی جاتی ہے۔

اِس لئے کہ آخرت میں اِیمان کے بغیر نجات ملنے والی نہیں ہے، دنیا میں چاہے کچھ بھی ہو، اگلی زندگی میں نجات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کی شریعت کو ماننے پر منحصر ہے، اِس کے بغیر نجات کا کوئی تصور نہیں ہے۔

اور جس شخص کے دل میں بھی ذرہ برابر اِیمان ہوگا، وہ انجام کار عذاب سے نجات پا کر جنت میں داخلے کا ضرور مستحق ہوگا۔ اور اَحادیث شریفہ میں وارد ہے کہ سب سے اخیر میں جو اَدنیٰ ترین درجہ کا مؤمن جنت میں داخل ہوگا، اُس کی جنت کا رقبہ موجودہ دنیا کے رقبے سے دس گنا زیادہ بڑا ہوگا، اور اُس کی ہر خواہش اور تمنا پوری کی جائے گی۔ (مسلم شریف/کتاب الایمان حدیث: ۱۸۸)

تو جب اَدنیٰ درجہ کے جنتی کا یہ حال ہے، تو جو اعلیٰ درجہ کے اہلِ اِیمان اور مقربین ہوں گے، اُن کے درجات کتنے بلند ہوں گے، اِس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اِس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے اِیمان کی اَہمیت کو سمجھے اور اُس پر آخر دم تک ثابت قدم رہے، اور اپنی نسلوں کو بھی اِیمان پر جمائے رکھنے کی فکر کرے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِیمان پر استقامت سے نوازیں، آمین۔

نفع بخش اُمور کے حصول کا شوق

اُس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ''**وَاحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُکَ**'' (یعنی جو چیز تمہارے لئے نفع بخش ہو اُس کو حاصل کرنے کے لئے اپنے دل میں شوق پیدا کرو)

آدمی کو دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے اپنے فائدہ والے کاموں کی فکر رہنی چاہئے، اور بے فائدہ اور فضول کاموں اور مشاغل سے دور رہنا چاہئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے: ''**مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَا لَا یَعْنِیْهِ**''. (سنن الترمذي / أبواب الزهد رقم: ۲۳۱۷)

(یعنی اچھے مسلمان ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ لایعنی اور بے فائدہ باتوں سے دور رہے) اور اپنی زندگی کے قیمتی اَوقات نفع بخش کاموں کے حصول میں لگائے)

ویسے تو شریعت کی نظر میں جائز حدود میں رہتے ہوئے دنیوی نفع بخش اُمور میں اشتغال ممنوع نہیں ہے؛ بلکہ بسا اَوقات ضروری بھی ہے؛ تاہم اُن میں سب سے زیادہ قابل توجہ وہ اُمور اور اَفعال ہیں جن کا تعلق آخرت سے ہے؛ لہٰذا اُن کے حصول کا شوق دل میں پیدا کرنا ضروری ہے؛ کیوں کہ اگر کسی کام کا شوق نہ ہو، تو اُس کی انجام دہی بہت مشکل ہو جاتی ہے؛ چناں چہ اگر نماز کا شوق نہ ہو، تو آدمی پابندی سے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اِسی طرح اگر تلاوتِ قرآن کا شوق نہ ہو تو تلاوت کا اہتمام نہیں کرسکتا، وغیرہ۔ اِس لئے نصیحت کی گئی کہ اَعمالِ خیر کی طرف رغبت اور اُن کا شوق ہونا چاہئے۔

یہ رغبت اور شوق کس طرح پیدا ہو؟ اِس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے وعدوں اور

آخرت پر دل میں کامل یقین ہونا ضروری ہے۔ جتنا آخرت پر یقین پختہ ہوتا جائے گا، اُتنا ہی اَعمالِ خیر کی اَدائیگی اور اُن کے لئے مشقتوں کا تحمل آسان ہوتا چلا جائے گا۔

تاہم یہ جذبہ اُسی وقت اُجاگر ہوسکتا ہے جب کہ آدمی کا اُٹھنا بیٹھنا اور تعلق نیک لوگوں کے ساتھ ہو؛ کیوں کہ اُن کی صحبت سے یقین میں اضافہ اور آخرت کے لئے محنت کرنے کا داعیہ دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اِسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

چناں چہ ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ”**لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ**“. (سنن أبي داؤد / كتاب الأدب رقم: ٤٨٣٢) (یعنی صرف کامل مؤمن کی صحبت ہی اختیار کرو اور تمہارا کھانا متقی شخص ہی کھایا کرے)

اِس اہتمام سے دل میں اَعمالِ صالحہ کا شوق پیدا ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ سے مدد چاہیں!

بعد اَزاں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا کہ: ”**وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ**“ (یعنی ہر کام میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو)

اس میں اِس جانب توجہ دلانا مقصود ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت شاملِ حال نہ ہو، کسی کے بس میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ کوئی بھی عمل اَنجام دے سکے؛ کیوں کہ اُس کے حکم اور توفیق کے بغیر نہ تو دل میں اِرادہ ہوسکتا ہے، اور نہ ہی اَعضاء وجوارح حرکت کرسکتے ہیں۔

اِس لئے کہ رکاوٹوں کو دور کرنا اور اَسباب کو مہیا کرنا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اُس کی مرضی کے بغیر عبادت اور بندگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اِسی بنا پر سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہیتے صحابی سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ ہر نماز کے بعد اِس دعا کا اہتمام کیا کریں کہ: ”**اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ**“. (سنن أبي داؤد، كتاب

الصلاة / باب في الاستغفار رقم: ۱۵۲۲) (اے اللہ! اپنے ذکر، اپنی شکر گذاری اور اچھی طرح عبادت کرنے پر میری مدد فرمایئے)

پس معلوم ہوا کہ نفع بخش اُمور کے حصول کے لئے اَسباب اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔

سستی اور کاہلی سے بچیں!

اُس کے بعد اِرشاد فرمایا: ''وَلَا تَعْجَزْ'' (یعنی نکمے اور عاجز مت بنو)

اِس لئے کہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے آدمی بہت سی خیر سے محروم ہو جاتا ہے۔

کسل اور سستی کے معنی یہ ہیں کہ ''خیر کا موقع میسر آنے کے باوجود آدمی کی طبیعت اُس کی طرف راغب نہ ہو، اور وہ موقع کو یونہی ضائع کر دے''۔

حضرت اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ ''کسل'' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''وَأَمَّا الْكَسَلُ فَهُوَ عَدَمُ اِنْبِعَاثِ النَّفْسِ لِلْخَيْرِ وَقِلَّةِ الرَّغْبَةِ مَعَ اِمْكَانِهِ''. (شرح النووي على مسلم حديث: ۵۸۹) (کسل کے معنی یہ ہیں کہ اِمکان اور موقع کے باوجود آدمی کی طبیعت عمل خیر انجام دینے پر آمادہ نہ ہو، اور اُس کی طرف زیادہ رغبت نہ ہو)

ظاہر ہے کہ یہ سراسر نقصان کی بات ہے۔ اِسی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر دعا فرماتے ہوئے سستی سے پناہ چاہی ہے۔

بخاری شریف میں خادمِ رسول سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: ''اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ''.

(صحيح البخاري / كتاب الدعوات حديث: ۶۳۷۱) (اے اللہ! میں آپ سے سستی سے پناہ چاہتا ہوں، اور بزدلی سے پناہ چاہتا ہوں، اور کھوسٹ بڑھاپے سے پناہ چاہتا ہوں، اور کنجوسی سے پناہ چاہتا ہوں)

خلاصہ یہ کہ کم ہمتی اور عاجزی ہر مرحلے پر اِنسان کو ناکامی سے دوچار کرتی ہے، اور بعد میں حسرت اور اَفسوس کا سبب بنتی ہے۔ اِس کے برخلاف جو شخص ہمت بلند رکھتا ہے، اور محنت جاری رکھتا ہے، اور عقل سے کام لیتے ہوئے مناسب اَسباب اختیار کرتا ہے، وہ بالآخر کامیابی سے ہمکنار ہوجاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدمہ کا فیصلہ فرمایا، تو جس شخص کے خلاف فیصلہ کیا تھا، وہ واپس جاتے ہوئے یہ جملہ پڑھنے لگا کہ: "**حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ**" (میرے لئے اللہ کافی ہے اور وہی میرا بہتر وکیل ہے) گویا کہ وہ اِس فیصلے پر کچھ مطمئن نہ تھا، جب نبی اکرم علیہ السلام نے اُس کو یہ کہتے ہوئے سنا تو آپ نے اُس کو واپس بلایا، اور اِرشاد فرمایا: "**إِنَّ اللّٰهَ يَلُوْمُ عَلَى الْعَجْزِ وَلٰكِنْ عَلَيْكَ بِالْكَيْسِ، فَإِذَا غَلَبَكَ امْرُؤٌ فَقُلْ: حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ**". (سنن أبي داؤد / أول كتاب الأقضية حديث: ٢٦٢٧، مسند أحمد حديث: ٢٣٩٨٣) (اللہ تبارک وتعالیٰ عاجزی اور بےبسی کی مذمت فرماتے ہیں؛ اِس لئے تم پر ہوشیاری اور بیدار مغزی لازم ہے، اِس کے باوجود اگر کوئی شخص تم پر غالب آجائے تو اُس وقت "**حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ**" پڑھنا چاہئے)

گویا کہ احتیاط اور تدبیر کئے بغیر عاجزی اور بےبسی کے ساتھ "**حَسْبِيَ اللّٰهُ**" پڑھنے سے کام نہیں چلے گا؛ بلکہ اَولاً اَسباب اختیار کریں، پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کریں؛ یہی شریعت کی تعلیم ہے۔

گذرے ہوئے حادثات کے بارے میں اگر مگر نہ کریں!

اور اخیر میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نصیحت فرمائی کہ: "**وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ فَعَلْتُ كَذَا لَكَانَ كَذَا؛ وَلٰكِنْ قُلْ قَدَرَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ "لَوْ" تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ**". (صحيح مسلم / كتاب القدر حديث: ٢٦٦٤) (یعنی اگر تمہارے ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے، تو یہ مت کہو کہ اگر میں ایسا کرلیتا تو ایسا ہوجاتا؛ بلکہ یہ کہو

کہ اللہ تعالیٰ نے یہی مقدر فرمایا تھا، اور اُس نے جو چاہا وہی کیا؛ اِس لئے کہ ''اگر مگر'' شیطانی وساوس کے دروازوں کو کھولنے کا سبب بنتا ہے)

بلاشبہ یہ بڑی عظیم نصیحت ہے، اگر اِس کو دل میں جاگزیں کرلیا جائے تو بڑے سے بڑے حادثہ کو جھیلنا آدمی کے لئے آسان ہوجائے، اور کوئی مصیبت مصیبت نہ رہے۔

اِس کے برخلاف اگر یہ سوچا جائے گا کہ اگر مثلاً ہم فلاں تدبیر اختیار کرلیتے، تو فلاں کی جان بچ جاتی، یا فلاں حادثہ سے ہم محفوظ رہتے، تو کبھی بھی دل کو سکون میسر نہ آپائے گا، اور ہمیشہ دل میں کسک باقی رہے گی، اِسی کو مذکورہ حدیث میں شیطانی عمل سے تعبیر کیا گیا ہے؛ کیوں کہ شیطان اِس راستے سے تقدیر پر اِیمان میں ضعف پیدا کرسکتا ہے۔

لہٰذا اِس سے بچنے کا واحد حل یہی ہے کہ بندہ اپنے رب کی تقدیر پر راضی اور مطمئن ہوجائے، اور ہر طرح کی چوں چرا کو چھوڑ دے، یہی اِیمان کا تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہماری نسلوں کو اِیمان پر ثابت قدمی نصیب فرمائیں، اور ہر طرح کے شرور وفتن سے محفوظ رکھیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(شائع شدہ: ماہنامہ ''ندائے شاہی'' فروری - مارچ ۲۰۲۲ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (۵۲)

اَنصار مدینہ سے محبت

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]
(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۵۲)

- موضوعِ خطاب: اَنصارِ مدینہ سے محبت
- خطاب: حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری
- مقام: جامعہ اِسلامیہ دارالعلوم دلور روڈ موگ بازار ڈھاکہ بنگلہ دیش
- تاریخ: ۲۴؍ربیع الاول ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۱؍اکتوبر ۲۰۲۲ء بروز ہفتہ
- دورانیہ: ۲۲؍منٹ تقریباً
- جمع وضبط: (مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

- آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER
www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

(درسِ بخاری شریف)

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا ھادي لہٗ، ونشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ، ونشھد أن سیدنا وحبیبنا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد.

فَبِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنَّا إِلَی الشَّیْخِ الْإِمَامِ الْھُمَامِ الْحَافِظِ الْحُجَّةِ أَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ فِي الْحَدِیْثِ، أَبِي عَبْدِ اللّٰہِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِیْلَ بْنِ إِبْرَاھِیْمَ بْنِ بَرْدِزْبَةَ الْجُعْفِيِّ الْبُخَارِيِّ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَنَفَعَنَا بِعُلُوْمِہٖ آمِیْنَ، أَنَّہٗ قَالَ:

[بَابُ عَلَامَةِ الْإِیْمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ]

وَبِہٖ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِیْدِ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللّٰہِ بْنِ

جَبْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: آيَةُ الْإِيْمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ، وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ. (صحيح البخاري رقم: ١٧)

محترم اَساتذۂ کرام، طلبۂ عزیز اور حاضرین مجلس! آپ کو معلوم ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دو بڑی جماعتیں تھیں، ایک مہاجرین کی جماعت یعنی وہ حضرات جو مکہ معظّمہ اور دیگر جگہوں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے، اور دوسری جماعت انصارِ مدینہ کی تھی، یہ حضرات مدینہ منورہ کے ہی رہنے والے تھے، اور وہاں آباد دو قبیلوں ''اوس'' اور ''خزرج'' سے اُن کا تعلق تھا۔ اِن حضرات نے دین کے لیے جو قربانیاں پیش کی ہیں، وہ بے مثال ہیں، جن کا ہم لوگ آج کے زمانہ میں تصور نہیں کر سکتے۔

مدینہ منورہ جو پہلے ''یثرب'' کہلاتا تھا، وہاں آس پاس یہودی قبیلے آباد تھے، جن میں ۳ر قبیلے مشہور ہیں: (۱) بنو قینقاع (۲) بنو نضیر (۳) اور بنو قریظہ، یہ لوگ بڑے شاطر، مفاد پرست اور خود غرض تھے، اور اُن کے پاس چوں کہ توریت وغیرہ کا علم تھا، اور وہ عموماً سرمایہ دار بھی تھے؛ اِس لئے یہ اَوس وخزرج پر اپنی دھونس جمایا کرتے تھے، اور بات بات پر اپنی بڑائی اور اپنے علم کا غرور ظاہر کرتے تھے، اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ انتظار کرو آخری نبی پیدا ہونے والے ہیں، اور اُن کا یہ خیال تھا کہ وہ نبی ہمارے ہی میں سے ہوں گے، تو جب وہ آجائیں گے تو ہم اُن کے ساتھ مل کر تمہارا مقابلہ کریں گے، وغیرہ۔

اَب ہوا یہ کہ سارے عرب کے لوگ حج کے موقع پر مکہ معظّمہ جاتے تھے، اُن میں اَوس وخزرج کے لوگ بھی تھے، جب یہ وہاں آئے گئے تو ان کے کانوں میں بھنک پڑی کہ مکہ معظّمہ میں ایک صاحب نے رسالت ونبوت کا دعویٰ کیا ہے، تو اُن کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کہیں یہ وہی پیغمبر تو نہیں ہیں جن کی وجہ سے یہودی ہمارے اُوپر دھونس جماتے ہیں؟ تو قبل اِس کے کہ یہودی اُن کے قریب جائیں ہمیں ہی اُن کے ساتھ معاملہ ٹھیک کر لینا چاہئے؛ چناں چہ اِن حضرات نے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حج کے موقع پر منیٰ میں ملاقات کی اور پیغمبر علیہ

الصلوٰۃ والسلام کا معمولِ مبارک یہ تھا کہ منیٰ میں جب سارے عرب کے لوگ آتے تھے، تو آپ ہر ہر خیمے میں جا کر دین کی دعوت پیش فرماتے تھے، تو عموماً لوگ رَد کر دیا کرتے تھے؛ اِس لئے کہ سب کو معلوم تھا کہ قریشِ مکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہیں، اگر کوئی قبیلہ آپ کو پناہ دے تو گویا کہ وہ پورے عرب سے جنگ مول لینے والا ہوگا، اِس لئے ہر ایک کی ہمت نہ ہوتی تھی؛ مگر حضرات انصار رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہمت سے کام لیا اور خفیہ طور پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست اَقدس پر مشرف بہ اسلام ہوگئے اور مسلسل دو سالوں تک ملاقاتوں کا یہ خفیہ سلسلہ جاری رہا۔

اِس دوران اُن لوگوں نے حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ یعنی کس بات کی ہم سے ضمانت لینا چاہتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آپ حضرات سے چند باتوں کا وعدہ لینا چاہتا ہوں:

(۱) **اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ:-** یعنی جو میں حکم کروں تمہیں سو فیصد ماننا ہے، ایسا نہ ہو کہ اَب تو مان لو اور کل جب کوئی مشکل بات سامنے آئے تو پھر رخ پھیر لو، ابھی سوچ لو، جو میں کہوں گا اسے ماننا پڑے گا، چاہے تمہارے دل میں بشاشت ہو اور چاہے کسل وسستی ہو، تمہیں ہر حالت میں میرے حکم کی تعمیل کرنی ہے۔

(۲) **اَلنَّفَقَةُ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ:-** دوسرے یہ کہ چاہے مال داری کی حالت ہو یا تنگی کی، جب مال کی ضرورت پڑے گی، تو تمہیں دین کے لئے مال خرچ کرنا پڑے گا، اِس کا پکا وعدہ کرو، یعنی جب دین کے لئے ضرورت پڑے گی، تو تمہیں چندہ دینا پڑے گا، اس کی تم بیعت کرو۔

(۳) **اَلْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ:-** تیسرے یہ کہ اچھائیوں کا حکم کرنے اور برائیوں پر روک ٹوک کرنے پر تم پورے معاون بنے رہو کہ میں جا کر معاشرہ کو درست کروں گا، بدعات، خرافات اور رسومات کو مٹاؤں گا، اچھی باتوں کی تلقین کروں گا اور

تمھیں میرا ساتھ دینا پڑے گا، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے یہ وعدے لئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ جب دین کی بات آئے تو کسی بھی طعنہ کرنے والے، طعنہ دینے والے اور برائی کرنے والے کی برائی کا خیال کئے بغیر تمھیں حق اور سچی بات کہنی پڑے گی، اس بارے میں کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح سے آپ نے فرمایا کہ جب میں مدینہ منورہ پہنچ جاؤں تو تمھیں میری ہر حالت میں مدد اور نصرت کرنی پڑے گی، اور جس طرح تم اپنی اولاد، اپنی بیویوں، اپنے بچوں اور جانوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح تمھیں میری بھی حفاظت کرنی پڑے گی، اگر تم نے ایسا وعدہ اور عہد کرلیا اور یہ بیعت تم نے میرے ہاتھ پر کرلی تو میری ضمانت یہ ہے کہ تمھیں ہر حال میں جنت ملے گی۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۱۷۲، الرحیق المختوم ۲۳۶)

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مذکورہ اِرشادات کو انصار مدینہ کے نمائندہ حضرات نے دل وجان سے قبول کیا اور وفا شعاری کا مظاہرہ فرمایا، جس کی وجہ سے اُن کا لقب ''انصار'' پڑ گیا اور ان کے لئے قیامت تک اللہ کی رضا اور خوشنودی مقدر ہوگئی۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۱۷۶)

اس کے بعد نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ وہ رفتہ رفتہ مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کریں، اور ساتھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم (جو قرآنِ پاک پڑھے ہوئے تھے) کو بھی مدینہ منورہ روانہ فرمایا؛ تاکہ وہ وہاں جاکر لوگوں کو قرآن وغیرہ سکھلائیں، جس کی وجہ سے مدینہ منورہ میں قرآنِ کریم کی تعلیم گھر گھر عام ہوگئی۔

اُس کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذاتِ خود اپنے رفیقِ خاص سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ سفرِ ہجرت کے لئے روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے، پہلے چند روز ''قبا'' میں قیام فرمایا، پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، تو انصارِ مدینہ نے بڑا ہی پُرتپاک استقبال کیا۔ سیدنا حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ

الصلوٰۃ والسلام جس دن مدینہ منورہ میں داخل ہورہے تھے، تو بچے بچے کی زبان پر یہ نعرے تھے کہ ”جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ“، ”جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ“ (رسول اللہ تشریف لے آئے، رسول اللہ تشریف لے آئے) عورتیں چھتوں پر چڑھ گئیں، راستے بھرے ہوئے تھے، اور بچیاں یہ اشعار پڑھ رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَادَعَا لِلّٰہِ دَعَا

ترجمہ:- آج وداع کی کھائی سے چودھویں کا چاند طلوع ہو چکا ہے، اور جب تک اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے (یعنی قیامت تک) ہم پر اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری واجب ہے۔

عجیب خوشی اور مسرت کا منظر تھا اور مدینہ کے درودیوار نورِ نبوت سے چمک رہے تھے؛ گویا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی ہورہی تھی کہ مکہ کے لوگوں نے ناقدری کی اور آپ علیہ السلام کو وہاں سے نکلنے پر مجبور ہونا پڑا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے مخلص مددگار عطا فرمائے جن کی تعریف خود قرآنِ کریم میں بیان کی گئی۔

ہر قبیلے اور ہر محلے کے لوگ یہ چاہتے تھے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے مہمان رہیں، جگہ جگہ پر لوگ آتے اور اُونٹنی کی لگام پکڑ لیتے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ چھوڑ دو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے، جہاں حکم ہوگا وہیں بیٹھے گی؛ چناں چہ جس جگہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بٹھانا منظور تھا وہاں جا کر وہ بیٹھی، وہ ایک میدان تھا جہاں سے سیدنا حضرتِ ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر سب سے زیادہ قریب تھا؛ چناں چہ وہ فوراً آپ کا سامان اُٹھا کر اپنے گھر لے گئے، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اَولین میزبان ہونے کا شرف حاصل کیا۔

الغرض انصارِ مدینہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنی جان، مال، عزت وآبرو سب لٹانے والے تھے، اسی بنا پر حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ”لَوْلَا الْهِجْرَۃُ لَکُنْتُ امْرأً

مِنَ الْأَنْصَارِ". (صحيح البخاري / كتاب التمنى ٧٢٤٤) (یعنی اگر ہجرت کی بات نہ ہوتی تو میں بھی انصاری شخص ہونا ہی پسند کرتا) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار کی اِن قربانیوں کی بہت قدر فرمائی، اور انصار اور مہاجرین کے درمیان اِیمانی اُخوت قائم فرمائی، سب کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنا دیا۔

دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی ہجرت کر کے دوسری جگہ چلا جائے تو سالوں گزر جاتے ہیں؛ مگر وہاں کے لوگ اُن کو اپنانے کو تیار نہیں ہوتے؛ لیکن حضراتِ انصارؓ نے مہاجرین کو نہ صرف اپنایا؛ بلکہ "مؤاخات" کا ایسا بہترین نمونہ پیش کیا جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ پھر انصار مدینہ جب بھی ضرورت پڑی دین کے لئے آگے آگے رہے۔ غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، یا غزوۂ خندق، الغرض جتنے بھی غزوات یا سرایا پیش آئے، اُن میں حضراتِ انصار رضی اللہ عنہم کی جانثاری اور قربانیوں کو بھلایا نہیں جا سکتا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُنہیں ابتدائی دَور میں دین کی نصرت کے لئے پسند فرما لیا۔

غزوۂ حنین کے موقع پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مالِ غنیمت تقسیم فرمایا، اور کچھ ایسے لوگوں کو زیادہ دیا، جو قریش کے سر برآوردہ لوگ تھے، تو انصار کے نوجوانوں کو جب یہ خبر ملی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فلاں فلاں کو اتنا اتنا مال دیا ہے، تو ان کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ "واہ! جب خون کی ضرورت پڑے تو ہم سے لیا جائے، اور جب مال کی تقسیم کا نمبر آئے تو اوروں کو دیا جائے"۔

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اس کی خبر ملی، تو آپ نے ایک بڑے خیمہ کے اندر سب انصار کو جمع کیا، اور فرمایا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے، کیا تمہاری زبان سے ایسی بات نکلی ہے؟ ان کے بڑے لوگوں نے کہا کہ حضرت کسی ذمہ دار نے ایسی بات نہیں کہی، کچھ نوجوانوں نے کہہ دی ہو تو ہم نہیں کہہ سکتے، تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسی جذباتی بات ارشاد فرمائی کہ سب انصار رونے لگے۔

آپ نے فرمایا کہ: ''انصار کے لوگو! کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ دنیا کے لوگ تو گائے، بکری، اونٹ اور سونا چاندی لے کر جائیں اور تم اپنے ساتھ رسول اللہ کو لے کر جاؤ''؟ (مسلم شریف ۱/۳۳۸)

یہ ایسا بشارت آمیز اِرشادِ عالی تھا کہ سب انصار پر رقت طاری ہوگئی، اور سراپا عشق نبوی ؐ سے سرشار ہوکر دل سے سمع وطاعت کا اظہار کیا۔

جب یہ اُن کا مقام اور مرتبہ ہے تو جس شخص کے دل میں بھی ایمان کی محبت ہوگی لازماً اُس کے دل میں انصارِ مدینہ کی بھی محبت ہوگی اور جس کے دل کے اندر ایمان کی محبت نہیں ہوگی، اور نفاق ہوگا وہ انصارِ مدینہ سے بغض رکھے گا، وہ دل میں سوچے گا کہ اِنہوں نے کیوں مدد کردی؟ اہل اسلام کو پناہ کیوں دی؟ اِس لئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ ''آيَةُ الإِيْـمَـانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ، وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ''. (صحيح البخاري، كتاب الإيـمان / باب علامة الإيمان حب الأنصار رقم: ۱۷) یعنی انصارِ مدینہ کی محبت اِیمان کی علامت ہے اور انصارِ مدینہ سے بغض نفاق کی علامت ہے۔

اِس حدیث سے یہ بات بھی مستفاد ہوتی ہے کہ دنیا میں جو لوگ بھی دین کے لئے صحیح انداز میں کام کررہے ہیں، چاہے وہ تعلیم کا کام ہو، تبلیغ کا کام ہو، تصنیف وتالیف کا کام ہو یا دینی معاملہ میں مالی مدد کرنے کا معاملہ ہو اُن سے محبت رکھنا اِیمان کی علامت ہے، اور جو لوگ دینی خدام سے بغض رکھتے ہیں، اُن کو پسند نہیں کرتے، اُن پر معترض ہوتے ہیں، تو یہ دلیل ہے کہ اُن کے ایمان میں نقص ہے۔

پس ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ دین کے کام کرنے والوں سے محبت رکھی جائے اور اُن کی قدر کی جائے؛ اگرچہ یہ حدیث خاص طور پر انصارِ مدینہ کے بارے میں وارد ہے؛ لیکن دلالۃ النص کے طور پر اِس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خدامِ دین سے تعلق ایمان کی علامت ہے اور اُن سے بغض نفاق کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان پر استقامت عطا فرمائیں، اہلِ دین اور خدامِ دین سے سچی محبت اور تعلق نصیب فرمائیں، اور ہر قسم کے نفاق اور اُس کے اثرات وثمرات اور اَسباب سے ہم سب کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(شائع شدہ: ندائے شاہی اپریل ۲۰۲۳ء)

❑❖❑

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (۵۳)

ذکر وشکر اور حسنِ عبادت

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

اُستاذ فقہ وحدیث دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۵۳)

- موضوعِ خطاب: ذکر وشکر اور حسنِ عبادت
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : مسجد حظیرہ سورت راندیر، گجرات
- تاریخ : ۴؍شعبان ۱۴۴۳ھ مطابق ۸؍مارچ ۲۰۲۲ء بروز منگل
- دورانیہ : ۲۹؍منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

- آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ دُعَائِهٖ: ”اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ“.

محترم بھائیو اور بزرگو! یہ مسجد اور یہ مقام اِس اعتبار سے بہت بابرکت ہے کہ یہاں حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری نوراللہ مرقدہٗ نے تشریف فرما رہ کر ایک طویل عرصے تک اُمت کی اصلاح ودعوت اور دینی وفقہی رہنمائی کی خدمات اَنجام دیں،

جنہیں ہمیشہ یادرکھا جائے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت کی زیارت اور ملاقات کی غرض سے ۱۹۹۲ء میں پہلی مرتبہ ہماری یہاں حاضری ہوئی تھی، اُس وقت حضرت مفتی صاحبؒ صاحب فراش تھے، بہت ضعف تھا، مسجد آنا دشوار تھا، اِس لئے قیام گاہ ہی پر ملاقات ہوئی تھی، حضرت نے بہت خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا، اور استحقاق سے زیادہ اکرام ومحبت سے نوازا۔

اُس وقت ہم نے ''شمائل رسول'' کے عنوان سے ۴۰ر حدیثیں اُردو ترجمہ کے ساتھ ایک چھوٹے سے رسالے میں شائع کی تھیں۔ وہ رسالہ حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت والاؒ نے اُسے بڑی قدر کے ساتھ قبول فرمایا، اور مزید احسان یہ فرمایا کہ کچھ دنوں کے بعد اُس کا گجراتی زبان میں ترجمہ کراکر عام اشاعت فرمائی۔

تو یہ حضرت مفتی صاحبؒ کی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت اور تعلق کی دلیل تو تھی ہی، ساتھ میں ذرہ نوازی اور خوردنوازی بھی تھی کہ آپ نے ایک بہت ہی چھوٹے آدمی کی حقیر سی طالب علمانہ خدمت کو بھی نہایت قدر کی نظر سے دیکھا۔ دراصل یہی بڑوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں، جو چھوٹوں کو آگے بڑھنے کا حوصلہ عطا کرتی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرتؒ کی قبر کونور سے منور فرمائیں اور اِصلاح ودعوت اور علمی خدمات کا جو سلسلہ آپ کی نسل میں جاری ہے، اُس کو تا قیامت جاری رکھیں، آمین۔

ایک جامع دعا اور اُس کا پس منظر

اِس وقت آپ کے سامنے حدیث کی ایک مختصر دعا پڑھی گئی ہے، جس کا پسِ منظر یہ ہے کہ سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ؛ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ایک نوعمر انصاری صحابی ہیں، جو صرف ۱۸ر سال کی عمر میں ہجرت سے قبل اسلام لائے، اور کل ۳۶ر سال کی عمر میں امیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وفات پائی۔

لیکن اِس مختصر سی عمر میں اُن کا مقام ومرتبہ یہ رہا کہ پیغمبر علیہ السلام نے اُن کے متعلق اِرشاد فرمایا کہ: ''أَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ''. (سنن الترمذي، أبواب المناقب / باب مناقب معاذ بن جبل رقم: ۳۷۹۰) (یعنی میرے صحابہؓ میں حلال وحرام کا علم رکھنے والوں میں نمبر ایک درجے کے جو لوگ ہیں اُن میں حضرتِ معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ ہیں)

اُن کے تبحر علمی اور فہم وفراست کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجنے کا اِرادہ فرمایا، تو معلوم کیا کہ تم وہاں جا کر کیسے کام کروگے؟ یعنی جو مسائل پیش آئیں گے، تو تم کس طرح فیصلہ کروگے؟

تو عرض کیا کہ ''اَولاً کتاب اللہ یعنی قرآنِ کریم سے حکم تلاش کروں گا''۔

تو آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ ''اگر قرآن میں حکم نہ ملے تو کیا کروگے؟''

تو عرض کیا کہ ''پھر سنتِ رسول اللہ دیکھوں گا''۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشادات وہدایات کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔

پھر سوال ہوا کہ ''اگر اُس میں بھی واضح حکم نہ ملے تو کیا کروگے؟''

تو حضرتِ معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''پھر تو میں کوئی پروا کئے بغیر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا''۔

یہ جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ: ''اللہ کا شکر ہے اُس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو ایسی بات کی فہم عطا فرمائی، جس پر خود اللہ کا رسول راضی ہے''۔ (ابوداؤد شریف ۲/۵۰۵)

قیاس واجتہاد

واضح ہو کہ اُصولِ فقہ کی کتابوں میں جہاں مصادرِ شریعت کا ذکر آتا ہے، تو لکھتے ہیں کہ پہلی اصل ''کتاب اللہ'' ہے، دوسری ''سنتِ رسول اللہ'' ہے، اور تیسری ''اِجماعِ اُمت'' ہے۔

اِن تینوں کو ایک ساتھ ذکر کرنے کے بعد پھر آگے فرماتے ہیں: ''وَالْأَصْلُ الرَّابِعُ

اَلْقِيَاسُ'' (یعنی چوتھی اصل قیاس ہے) تو اِس تعبیر سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ''قیاس'' شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے؛ بلکہ قرآن وسنت سے حکم کے استنباط ہی کا نام ''قیاس'' ہے۔

حضرات مجتہدین اپنے گہرے علم کی روشنی میں نصوصِ شرعیہ سے مستفاد علت کو عام کرکے اُس کے تحت آنے والے مسائل پر حکم جاری کرتے ہیں، اِسی عمل کا نام ''اجتہاد اور قیاس'' ہے۔ اِس کو آپ ایک مثال سے سمجھیں۔ مثلاً:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا: ''**مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا؛ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ الْإِنْسُ**''. (صحيح مسلم، كتاب مواقيت الصلاة / باب ذكر العشاء والعتمة حديث: ٥٦٤) (جو شخص یہ بدبودار چیزیں کھائے، وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے؛ کیوں کہ جن چیزوں سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے، اُن سے فرشتے بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں) اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ ممانعت کی وجہ اَذیت ہے؛ لہٰذا جہاں بھی یہ علت (یعنی موجب اَذیت ہونا) پائی جائے گی، وہاں تک ممانعت کا حکم عام ہوگا۔

پس اِسی حدیث کی روشنی میں سگریٹ بیڑی یا کوئی بھی بدبودار چیز کھا پی کر مسجد میں آنا منع ہوگا۔

تو اگرچہ بیڑی وغیرہ کا تذکرہ حدیث میں نہیں ہے؛ مگر علت ممانعت اُس پر منطبق ہو رہی ہے۔ اِسی طرح اگر خدانخواستہ کسی کو ایسی بیماری ہوگئی کہ بدن سے بُو اُٹھتی ہے، یا منہ یا بغل سے بدبُو آتی ہے، تو اُسے بھی مسجد میں آنے سے منع کیا جائے گا؛ حالاں کہ حدیث میں اِس کی صراحت نہیں ہے؛ مگر یہ حکم حدیث ہی سے مستفاد ہے۔ اِسی طرح اور بھی بہت سے مسائل ہیں، جن میں مجتہدین فقہاء کرام نے علتیں نکال کر احکام کو متعین فرمایا ہے، تو اِس اعتبار سے قیاس واجتہاد کا سلسلہ اُمت کے لئے بڑی رحمت ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو کتنے ہی مسائل تشنہ رہ جاتے؛ کیوں کہ قیامت تک ساری پیش آمدہ باتیں تو قرآن وحدیث میں لکھی نہیں جاسکتی تھیں۔

پھر یہ کہ حالات ومعاملات اور ضرورتیں بدلتی رہتی ہیں، تو اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا گیا؛ تاکہ بوقتِ ضرورت دینی رہنمائی کا کام انجام دیا جاتا رہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ ہر شخص کو اجتہاد کی اِجازت نہیں دی جاسکتی، اُس کے لئے بلا شبہ گہرے اور جامع علم کی ضرورت ہوتی ہے۔

بہرحال مذکورہ واقعہ سے معلوم ہوا کہ سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ علم کے شوقین، سلامت روی اور اِصابت رائے کی نعمتوں سے متصف تھے۔ اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ جو طالب علم محنتی اور ذہین ہوتا ہے، تو وہ قدرتی طور پر اُستاذ کا منظورِ نظر بن جاتا ہے۔

نبی اکرم علیہ السلام کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے محبت کا اظہار

اِسی بنا پر سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاص توجہ سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مبذول تھی، جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے۔

چناں چہ خود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا، اور پھر دو مرتبہ قسم کھا کر فرمایا: ”**يَا مُعَاذُ! وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأُحِبُّكَ، وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأُحِبُّكَ**“ (میاں معاذ! اللہ کی قسم مجھے تم سے محبت ہے، اللہ کی قسم مجھے تم سے محبت ہے)

اَب دیکھئے! کتنی بڑی سعادت کی بات ہے کہ محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ایک اُمتی سے قسم کھا کر محبت کا اظہار فرمارہے ہیں۔

اور دنیا کا دستور یہ ہے کہ جس سے آدمی کو محبت ہوتی ہے اُس کو بہترین تحفہ دینا چاہتا ہے؛ لہٰذا پیغمبر علیہ السلام نے عظیم تحفے کے طور پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ نصیحت فرمائی کہ ”تم ہر نماز کے بعد یہ دعا ضرور مانگا کرو: ”**اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ**“. (سنن أبي داوٗد، كتاب الصلوٰة / باب في الاستغفار رقم: ١٥٢٢) اِس دعا کا ترجمہ یہ ہے کہ ”اے اللہ! آپ اپنا ذکر کرنے، اپنا شکر بجالانے اور اپنی عبادت بہترین طریقے پر انجام دینے میں میری مدد فرمائیے“۔

یہ تینوں باتیں بہت اَہمیت کی حامل ہیں، اور سب کی اَنجام دہی کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد

اور توفیق لازم ہے، اِس کے بغیر زبان ہل نہیں سکتی، اور نہ ہی دل خیر کی طرف راغب ہوسکتا ہے، اِس لئے بہر حال اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا ضروری ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت دیکھئے کہ خود ہی ذکر کی توفیق عطا فرماتے ہیں، اور پھر اُس پر بے حساب اَجر وثواب سے بھی نوازتے ہیں۔

ذکر

اِس دعا میں جو چیزیں مانگی گئی ہیں، اُن میں پہلی چیز ذکر خداوندی ہے، جو بلا شبہ بہت عظیم نعمت ہے، اس کی بدولت بندے کو اللہ تعالیٰ سے خاص قرب نصیب ہوتا ہے، اور ذاکرین کی طرف اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتے ہیں: ’’**أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ، وَأَنَا مَعَهُ حِيْنَ يَذْكُرُنِيْ، إِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِيْ نَفْسِيْ، وَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِيْ مَلَإٍ هُمْ خَيْرٌ مِنْهُمْ، وَإِنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً**‘‘. (صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار / باب الحث على ذكر الله رقم: ٢٦٧٥) (میرا بندہ مجھ سے جیسا گمان کرتا ہے (مثلاً: مجھ سے مغفرت کی اُمید رکھتا ہے) تو میں بھی اُس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے، تو میں بھی اُس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ کسی مجلس میں میرا تذکرہ کرتا ہے، تو میں اُس سے بہتر مجلس (فرشتوں کی مجلس) میں اُس کا تذکرہ کرتا ہوں۔ اور اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے، تو میں بھی اُس کی طرف ایک ذراع (نصف ہاتھ) قریب ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ سے ایک ذراع قریب ہوتا ہے تو میں اُس سے پورے ہاتھ کے برابر قربت اختیار کرتا ہوں۔ اور جو میری طرف چل کر آتا ہے، میں اُس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں)

ذکر کے متعلق قرآنِ پاک کی ایک آیت اہل محبت کے لئے بڑی ہی اُمید اَفزاء اور

اِیمان افروز ہے۔ اُسے معنی کے استحضار کے ساتھ جب پڑھا جائے تو ایک عجیب اِیمانی حلاوت پیدا ہوتی ہے۔ جسے اَلفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ، وَاشْكُرُوْلِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنَ﴾ [البقرة: ١٥٢] (یعنی تم مجھے یاد کرو مَیں تمہیں یاد کروں گا، اور میری شکر گذاری بجالاؤ اور ناشکری مت کرو)

اِن محبت آمیز کلمات کی چاشنی وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جن کو عشق ومحبت سے سابقہ پڑا ہو، اور جن کے دل میں محبت خداوندی کی شمع روشن ہو۔

آج دنیا کا حال یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے حاکموں کی زبان پر اگر کسی مجلس میں کسی کا نام آجاتا ہے، تو وہ پھولا نہیں سماتا؛ بلکہ آج کل تو یہ طریقہ چل پڑا ہے کہ جب کوئی بڑا آدمی کسی مجلس میں تقریر کے لئے جاتا ہے تو بات شروع کرنے سے پہلے اسٹیج پر بیٹھے ہوئے لوگوں کا الگ الگ نام لیتا ہے، اور اُس کی زبان پر جس شخص کا نام آجاتا ہے، تو اُس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا، اور جس کا نام نہیں آتا وہ نروس ہو جاتا ہے، اور گویا اپنی ہتک محسوس کرتا ہے۔ تو جب اِن چھوٹے موٹے لوگوں کی زبان پر اپنے تذکرہ سے اتنی خوشی ہوتی ہے، تو اگر کسی بندہ کے نام کا اظہار خود ''احکم الحاکمین'' فرمائیں، تو یہ اُس کے لئے کتنی بڑی خوش نصیبی اور سعادت کی بات ہوگی۔

اِسی بنا پر سورۂ فاتحہ پڑھنے پر ہر ہر آیت کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت پیارے اَنداز میں حوصلہ اَفزائی ہوتی ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ جب بندہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''حَمِدَنِي عَبْدِيْ'' (میرے بندہ نے میری حمد کی)

اور جب ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ'' (میرے بندہ نے میری ثنا کی ہے)

اور جب ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ'' (میرے بندہ نے میری بزرگی بیان کی ہے)

گویا کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاباشی دی جارہی ہے؛ جیسا کہ جب چھوٹا بچہ بولنا شروع کرتا ہے تو اُس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ سن کر ماں باپ نہال (خوشی سے سرشار) ہوجاتے ہیں۔ اِسی طرح جب بندہ کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی آیات آتی ہیں، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشنودی کا اظہار ہوتا ہے۔

اُس کے بعد جب بندہ سراپا عاجزی کے ساتھ ﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"**هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ ...... الخ**". (صحيح مسلم / كتاب الصلاة رقم: ٣٩٥)

(یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے، اور بندہ نے جو مانگا وہ اُسے ملے گا)

یعنی وہ جو مجھ سے مدد چاہ رہا ہے، تو میں اُس کی مدد کروں گا، اور اُس کی درخواست شرف قبولیت حاصل کرے گی۔

اِس آیت سے یہ بھی سبق ملا کہ عبادت کا محض ارادہ کافی نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا بھی ضروری ہے۔ یہی بات اِس دعا میں بھی سکھلائی گئی ہے۔

شکر

پھر اِس دعا میں اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری پر مدد چاہی گئی ہے؛ کیوں کہ شکر کی صفت نعمت اور رحمت میں اضافہ کا یقینی ذریعہ ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ﴾ (تم اگر شکر بجالاؤ گے تم ہم تمہیں ضرور مزید عطا کریں گے) اور شکر کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر آدمی زبانی شکر بجالائے، مثلاً: اُٹھتے بیٹھتے اُس کی زبان پر "**اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَالشُّكۡرُ لِلّٰهِ**" کے کلمات ہوں، اور دل بھی جذباتِ شکر سے معمور ہو۔

(۲) اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال کے ذریعہ سے شکر کا اظہار کرے، یعنی اعضاء وجوارح کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے پر صَرف کرے، یہ عملی شکر ہے، اور یہ بھی شریعت میں مطلوب ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا کہ ''اِنسان کو ہر روز بدن کے ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ کرنا چاہئے''۔

پھر فرمایا کہ ''دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا بھی صدقہ ہے، کسی کو سواری پر چڑھانے میں مدد کرنا یا اُس کے سامان کو سہارا دینا بھی صدقہ ہے، اور کسی سے اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے، اور نماز کی طرف اُٹھائے جانے والے ہر قدم پر صدقہ کا ثواب ہے، اور راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا بھی ایک طرح کا صدقہ ہے''۔ (بخاری شریف/ باب من اخذ بالرکاب ونحوہ حدیث:۲۹۸۹)

اور ایک روایت میں ہے کہ: ''سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ'' کے ہر ہر جملے پر صدقہ کا ثواب ہے۔ اور کسی کو اچھی بات بتانے یا برائی سے روکنے پر بھی صدقہ کا ثواب ہے۔ اور اگر کوئی شخص ہر دن چاشت کی دو رکعت پڑھ لے، تو سب اعضاء کی طرف سے شکر اَدا ہو جائے گا''۔ (مسلم شریف/ باب استحباب صلوٰۃ الضحیٰ حدیث:۷۲۰)

تو معلوم ہوا کہ شریعت میں زبانی شکر کے ساتھ ساتھ عملی شکر یعنی اَحکامِ شریعت کی مکمل پیروی کا اہتمام بھی مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

حسنِ عبادت

اور تیسری چیز جس کے لئے اِس دعا میں مدد چاہی گئی وہ ''حسنِ عبادت'' ہے؛ کیوں کہ محض عبادت کافی نہیں؛ بلکہ سنت کے مطابق بہترین عبادت مطلوب ہے۔

عبادت میں حسن دو چیزوں سے آتا ہے:

(۱) اخلاصِ نیت؛ یعنی خالصۃً اللہ کی خوشنودی کے لئے ہی عبادت کی جائے، غیر اللہ کی خوشنودی اور دنیا کی واہ واہی پیش نظر نہ ہو، ورنہ ہماری محنت اَکارت ہو جائے گی۔

(۲) اور دوسری شرط یہ ہے کہ عبادت سنتِ نبوی کے مطابق ہو؛ کیوں کہ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہتر کسی کی عبادت نہیں ہوسکتی۔

اگر عبادت سنت و شریعت کے مطابق نہ ہو، تو محض اخلاص سے بھی کام نہیں چل سکتا؛

چناں چہ بہت سے اہل بدعت بظاہر مخلص ہوتے ہیں؛ لیکن بدعت کی وجہ سے اُن کا کوئی عمل درجہ قبولیت تک نہیں پہنچتا؛ اِس لئے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اِرشاد ہے: ''**مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا فَهُوَ رَدٌّ**''. (صحيح البخاري، كتاب الصلح / باب اذا اصطلحوا على صلح جور رقم: ٢٦٩٧) (یعنی جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی بات اِیجاد کرے تو وہ اللہ کی نظر میں مردود ہے) اور قابل قبول نہیں ہے۔

اِس لئے ''حسنِ عبادت'' میں دونوں باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، یعنی اِخلاصِ نیت بھی ہونا چاہئے، اور ساتھ میں عبادت بھی سنت وشریعت کے مطابق ہونی چاہئے۔

اِس دعا کو عام کریں!

یہ مختصر دعا بہت جامع اور مفید ہے، ہر شخص کو اِس کا اہتمام کرنا چاہئے اور دوسروں تک پہنچانے کی بھی فکر کرنی چاہئے۔

ہمارے ذریعہ سے جتنے لوگ بھی اِس دعا کی پابندی کریں گے، تو ہم بھی اُن کے اجر وثواب میں شریک ہوں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ نبی اکرم علیہ السلام کا ایک محبت آمیز تحفہ ہے، اِسے ہر اُمتی تک پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کے حق میں اِس دعا کو قبول فرمائیں، اور پوری اُمت کو ذکر وشکر اور حسن عبادت کی دولت سے مالا مال فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(مطبوعہ: ماہنامہ ''ندائے شاہی'' اگست ۲۰۲۲ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (۵۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین نصیحتیں

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:

(مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۵۴)

- موضوعِ خطاب : نبی اکرم ﷺ کی تین نصیحتیں
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : مسجد نور الاسلام Balackburn (یوکے)
- تاریخ : ۲۸؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۳؍ نومبر ۲۰۱۳ء بروز اتوار
- دورانیہ : ۲۸؍ منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

- آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

الـحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه مـن شـرور أنـفسـنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هـادي لـهٗ، ونشهـد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسـنـدنـا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد!

عـن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: مَـا نَـقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ. (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب / باب استحباب العفو والتواضع ۳۲۱/۲)

بھائیواور بزرگو! سرورعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہرارشاد ہرمسلمان کے لئے انتہائی قیمتی، قابلِ قدراورنفع بخش ہے، اِسی لئے ہماری مجلسوں میں پیغمبرعلیہ الصلوٰۃ والسلام

کے اِرشادات کا مذاکرہ اور اُن کی یاددہانی ہوتی رہے تو اچھا ہے، اِسی مناسبت سے اِس وقت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث آپ کے سامنے پڑھی گئی ہے، اُس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین باتیں اِرشاد فرمائی ہیں، یہ تین باتیں ایسی ہیں کہ ہماری دنیاوی عقل کے اعتبار سے بظاہر سمجھ میں نہیں آتیں؛ لیکن چوں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمادیا، اِس لئے سمجھ میں آئے یا نہ آئے اُس پر یقین کرنا ضروری ہے۔

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جن سے ذخیرۂ اَحادیث میں سب سے زیادہ روایات منقول ہیں، جن کی تعداد پانچ ہزار سے زائد ہے۔ آپ کو اگرچہ صرف تین سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہوئی؛ لیکن آپ نے صبح وشام اور دن رات مسلسل تحصیل علم میں اپنے اَوقات کو صرف فرمایا اور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اَقوال واَفعال کو محفوظ رکھنے میں کامل دلچسپی کا مظاہرہ فرمایا، جو بلاشبہ عظیم دینی خدمت ہے، جس پر پوری اُمت کی طرف سے آپ شکریہ اور جزائے خیر کے مستحق ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

موصوف روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ. (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب / باب استحباب العفو والتواضع ۳۲۱/۲ رقم: ۲۵۸۸)

(○ صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی ○ معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ بندہ کی عزت میں اِضافہ فرماتے ہیں ○ جو شخص اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے ضرور سربلندی سے نوازتے ہیں)

یہ حدیث تین اہم ترین باتوں پر مشتمل ہے:

(۱) صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا

عام طور پر ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ صدقہ خیرات اور زکوٰۃ وغیرہ اَدا کرنے سے مال

میں کمی آجائے گی اور شیطان بھی دل میں اِسی طرح کے وسوسے ڈال کر کارِ خیر میں خرچ کرنے سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور بظاہر عقل بھی یہی کہتی ہے؛ کیوں کہ سب جانتے ہیں کہ خرچ کرنے سے عدد کے اعتبار سے رقم میں کمی ہو جاتی ہے، مثلاً: سو میں سے پچاس خرچ کر دئے تو پچاس باقی رہے؛ لیکن اِس کے برخلاف مخبر صادق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم صاف طور پر یہ فرمارہے ہیں کہ ''صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں آتی، اِس لئے ہر مسلمان کو بہر حال یہی عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اللہ کے راستے میں جو بھی مال خرچ کیا جائے گا تو اُس سے ہرگز مال میں کمی نہ ہوگی؛ بلکہ اُس صدقہ کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ غیب سے اُس کا نعم البدل دنیا اور آخرت میں عطا فرمائیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ ''ہر دن صبح کو دو فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور اُن میں سے ایک یہ دعا کرتا ہے: ''**اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا**'' (اے اللہ! کارِ خیر میں خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرمایئے) اور دوسرا یہ بددعا کرتا ہے: ''**اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا**'' (اے اللہ! بخل کرنے والے کے مال کو ضائع کر دیجئے) (بخاری شریف/ کتاب الزکوٰۃ حدیث: ۱۴۴۲)

اور محدثین لکھتے ہیں کہ نعم البدل سے دنیوی اور اُخروی ہر طرح کا بدلہ مراد ہے، یعنی خرچ کرنے والے کو دنیا میں برکت سے نوازا جاتا ہے اور آخرت میں بھی اجر وثواب سے نوازا جائے گا۔ اور اِسی طرح بخل کرنے والے کے لئے جو وعید ہے اُس کا تعلق بھی دنیا اور آخرت دونوں جگہوں سے ہے، یعنی بخیل کا مال دنیا میں بھی ضائع ہوتا ہے اور آخرت میں بھی وہ اجر وثواب سے محروم رہے گا۔

اور ایسا خرچ جس سے بظاہر وقتی کمی معلوم ہو؛ لیکن بعد میں وہ اِضافہ کا سبب ہو، اُسے دنیاوی اعتبار سے بھی نقصان سے تعبیر نہیں کیا جاتا؛ جیسا کہ بہت سے لوگ اپنا کاروبار چلانے کے لئے بڑی بڑی رقومات اشتہارات پر خرچ کرتے ہیں، تو اگرچہ اشتہار دیتے وقت بظاہر مال

میں کمی ہوتی ہے؛ لیکن اشتہار کی وجہ سے بعد میں جو عظیم نفع ہوتا ہے، اُس سے ظاہری نقصان کی تلافی ہوجاتی ہے۔ اور اِس عمل کو کوئی بھی خسارے کا سبب نہیں سمجھتا۔

بعینہٖ یہی صورتِ حال کارِ خیر میں خرچ کرنے کی بھی ہے کہ اللہ کی رضا کے لئے زکوٰۃ، خیرات یا اہل وعیال اور مہمانوں پر جو بھی خرچ کیا جائے گا تو وہ ضائع نہ ہوگا؛ بلکہ اُس کی برکات دنیا اور آخرت میں ضرور ظاہر ہوکر رہیں گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

(۲) عفو ودرگذر؛ موجبِ عزت

اِس حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بات یہ اِرشاد فرمائی کہ ''جو شخص کسی معاملے میں مظلوم ہونے کے باوجود اِنتقام نہ لے؛ بلکہ زیادتی کرنے والے کو معاف کردے اور اپنا حق چھوڑ دے، تو اِس قربانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اُسے ضرور عزت سے نوازیں گے''۔

یہ بات دنیا والوں کی نظر میں بڑی عجیب سی لگتی ہے؛ کیوں کہ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے اور ظالم سے ایسا انتقام لیا جائے کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے، اِسی میں ساری عزت پوشیدہ ہے؛ لیکن اِس کے برخلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وضاحت سے فرمارہے ہیں کہ ''معاف کرنے والے کو ہی حقیقی عزت ملتی ہے''۔ اور تاریخ سے بھی یہی سبق ملتا ہے کہ اِنتقام لینے سے وہ عزت حاصل نہیں ہوتی جو معاف کرنے سے نصیب ہوتی ہے۔ اِس معافی کی بدولت بڑے سے بڑے دشمن بھی سرنگوں ہوکر جگری دوست بن جاتے ہیں؛ جیسا کہ قرآنِ پاک کی اِس آیت سے واضح ہوتا ہے: ﴿وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ﴾ (حم السجدة: ٣٤) (اور اچھائی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی، پس اگر برائی کا مقابلہ بہتر طریقہ پر کیا جائے، تو جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہوگی وہ آپ کا جگری دوست بن جائے گا)

سرورِ عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں عفو ودرگذر کا پہلو بہت روشن

ہے؛ چناں چہ فتح مکہ کے موقع پر آپ اگر چاہتے تو سبھی مخالفین سے چن چن کر انتقام لے سکتے تھے؛ لیکن دنیا نے دیکھا کہ جو لوگ آپ کے جانی دشمن تھے اور جنہوں نے مل کر آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور جو کسی طرح آپ کو زندہ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، اُن پر جب نبی اکرم علیہ السلام کو غلبہ حاصل ہوا تو آپ نے کمالِ رحمت کا اِظہار فرماتے ہوئے اُن کو معاف فرمادیا اور تاریخ کے صفحات پر آپ کی معافی کے یہ اَلفاظ سنہرے حروف بن کر نقش ہوگئے کہ:

آج جو اَبوسفیان کے گھر میں جائے وہ اَمن میں ہے۔

اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے رہے وہ بھی اَمن میں ہے۔

اور جو مسجد حرام میں آجائے وہ بھی اَمن میں ہے۔ (ابوداؤد شریف، کتاب الخراج والامارۃ/ باب ماجاء فی خبر مکۃ ۲/۴۲۷ رقم: ۳۰۲۲)

الغرض فتح مکہ کے موقع پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں کے ساتھ عفو ودرگذر کا جو نمونہ پیش فرمایا، اِنسانی تاریخ میں اُس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

آپ کا یہ کردار پوری اُمت کے لئے مشعلِ راہ ہے؛ اگرچہ ایسے موقع پر نفس وشیطان انتقام کا جوش دلاتا ہے اور دل میں معافی کی وجہ سے بےعزتی کا خوف پیدا کرتا ہے؛ لیکن حسبِ ارشادِ نبوی معافی کی وجہ سے اِنسان کو جو عزت ملتی ہے؛ اِنتقام لینے کی صورت میں اُس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، جس کا ہر شخص تجربہ کرسکتا ہے۔

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا واقعہ

جگر گوشہ نبوت امیر المؤمنین سیدنا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو زہر دیا گیا، جس سے آپ کی حالت سنگین ہوگئی اور اَطباء نے نااُمیدی ظاہر کردی، اِسی حالت میں چند حضرات آپ کی مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے اور آخری نصیحت کی درخواست کی۔ تو آپ نے اُن کو تین نصیحتیں فرمائیں:

(۱) جس کام کا دوسرے کو حکم کرو، پہلے خود اُس پر عمل شروع کردو۔

(۲) جس بات سے دوسرے کو منع کرو، پہلے خود اُس سے رک جاؤ۔

(۳) تمہارا ہر قدم یا تو تمہارے لئے نافع ہے (جنت تک لے جانے والا ہے) یا نقصان دہ ہے (جہنم تک پہنچانے والا ہے) اِس لئے ہر قدم کو اُٹھاتے وقت سوچ لو کہ کدھر جارہا ہے۔ (بزرگوں کے وصال کے احوال ص:۸۱، بحوالہ: فضائل صدقات ص:۴۷۹)

اور ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کی حالت نازک ہوگئی تو برادر اصغر سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے؛ جب کہ موصوف کی آنکھوں سے آنسوں رواں تھے اور وہ پوچھ رہے تھے کہ ''بھائی جان! یہ بتایئے کہ آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟ تا کہ میں اُس سے بدلہ لے سکوں''۔ تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اِرشاد فرمایا کہ ''اگر میرا قاتل وہ شخص ہے جس پر مجھے شک ہے، تو خالق حقیقی اُس سے ضرور انتقام لے گا اور اگر وہ نہیں ہے، تو میں ایک بے گناہ کو قتل کرانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اللہ کی قسم! قیامت کے دن جب مجھے انتقام لینے کے لئے مامور کیا جائے گا تو میں اُس وقت تک جنت میں قدم نہیں رکھوں گا جب تک اپنے قاتل کو بخشوا نہ لوں گا''۔ (بزرگوں کے وصال کے احوال ص:۸۱، بحوالہ: خزینۃ الاصفیاء ص:۷۲)

اللہ اکبر! ذرا سوچئے، عفو و درگذر اور اَفرادِ اُمت پر شفقت کا کیسا جذبہ ہے؟ کہ نہ صرف یہ کہ بدخواہ دشمن سے دنیا میں بدلہ لینے کا اِرادہ نہیں ہے؛ بلکہ آخرت میں بخشش کرانے کا بھی داعیہ ہے، جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

ہمارا حال

اِس کے برخلاف آج ہمارا حال یہ ہے کہ ذرا ذرا سی باتوں پر انتقام لینے کے درپے ہوجاتے ہیں، کسی نے کوئی ناگوار بات کہہ دی تو اُس کا بغض وعناد دل میں بٹھالیا اور ذرا سی بات کی وجہ سے سارا میل جول؛ حتیٰ کہ رشتہ داری بھی ختم کردی جاتی ہے، یہ سب باتیں قابل اِصلاح ہیں۔ دنیا کی چند روزہ زندگی بغض وعناد اور حسد کے بجائے خیر خواہی اور ہمدردی میں گذاری جائے؛ یہی سب سے عافیت کا راستہ ہے۔

کئی سال کی بات ہے، راقم الحروف نے اِسی حدیث کی روشنی میں ایک شہر کی مسجد میں بیان

کیا، تو نماز کے بعد ایک نوجوان آ کر ملا اور اُس نے یہ کہا کہ ''آج جو آپ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث بیان کی ہے اُس پر عمل کرتے ہوئے میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرے ایک رشتہ دار سے کئی سالوں سے بات چیت بند تھی اور اُس نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی تھی، اَب میں نے اُسے پیغمبر علیہ السلام کا یہ اِرشاد سن کر اللہ کے واسطے معاف کردیا ہے اور اِس وقت میں اپنے آپ کو بہت ہلکا محسوس کر رہا ہوں، میرے دل پر جو بوجھ تھا وہ آج اللہ تعالیٰ نے ہٹا دیا ہے''۔

احقر کے دل میں اُس نوجوان کی بہت قدر پیدا ہوئی کہ اُس نے حدیث سن کر فوراً ہی اُس پر عمل کا اِرادہ کیا، یہ اُس کی دین داری کی دلیل تھی۔ بلاشبہ ایسا ہی جذبہ ہر مسلمان کے دل میں ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

(۳) تواضع: کلید سربلندی

اِس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بات یہ اِرشاد فرمائی کہ ''جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے آپ کو کم تر سمجھے اُس کو اللہ تعالیٰ سربلندی عطا فرماتے ہیں''۔

یہ اِرشادِ نبوی بھی دنیا والوں کے سوچنے کے انداز سے مختلف ہے؛ اِس لئے کہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اپنی بڑائی کا اظہار کیا جائے اور اُس کے لئے ہر طرح کے اَسباب اختیار کئے جائیں۔ چال ڈھال، تراش خراش اور لباس وغیرہ میں کبر وغرور کا اِظہار کیا جائے، تو اِس سے دوسروں پر برتری حاصل ہوگی؛ حالاں کہ یہ سب چیزیں حقیقی عزت کا ہرگز ذریعہ نہیں بن سکتیں؛ بلکہ آدمی کی اِن باتوں کی وجہ سے عزت کے بجائے ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جو کسی ہوش مند سے مخفی نہیں ہے۔

علاوہ اَزیں اِسلام کی نظر میں عام لوگوں کے درمیان عزت وذلت کی کوئی حیثیت نہیں ہے؛ بلکہ اصل عزت اُسی صورت میں حاصل ہوسکتی ہے جب کہ اللہ کی نظر میں آدمی باعزت ہو۔ پس جو شخص اللہ کی نظر میں عزت دار نہ ہو، اُسے چاہے ساری دنیا بھی عزت والا کہے؛ اُسے عزت نصیب نہیں ہوسکتی؛ بلکہ وہ انجام کار دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوکر رہے گا۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا اِس بات کا اعلان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مغرور اور متکبر لوگ پسند نہیں ہیں؛ جب کہ اپنے خاص بندوں (عباد الرحمٰن) کا تعارف کراتے ہوئے اُن کی صفت تواضع کو سب سے پہلے ذکر فرمایا ہے۔ ﴿الَّـذِيْـنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾

(الفرقان، جزء آیت: ٦٣)

روایت ہے کہ سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دن منبر پر خطبہ دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ: اے لوگو! تواضع اختیار کرو؛ اِس لئے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اِرشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ نَفْسِهٖ صَغِيْرٌ وَفِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيْمٌ، وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَفِيْ نَفْسِهٖ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ أَوْ خِنْزِيْرٍ. (شعب الإيمان للبيهقي ٦/ ٢٧٦، مشكاة المصابيح ٤٣٤/٢)

جو شخص اللہ کے لئے عاجزی کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے سربلندی سے نوازتے ہیں، پس وہ شخص اپنی نظر میں کمتر ہوتا ہے؛ لیکن لوگوں کی نظر میں برتر ہوجاتا ہے (اِس کے برخلاف) جو شخص تکبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے ذلیل فرمادیتے ہیں تو وہ لوگوں کی نظر میں کم تر ہوجاتا ہے حالانکہ وہ خود اپنے کو برتر سمجھتا ہے حتی کہ وہ لوگوں کی نگاہ میں کتے اور خنزیر سے بدتر ہوجاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

اِس لئے ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں تواضع کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور کبر وعجب اور اپنی برتری کے مظاہر سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِن ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم الله الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر
سلسلۂ اِشاعت: (۵۵)

چند زریں نصیحتیں

تحریر:
حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری
اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:
محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

ناشر
المركز العلمي للنشر والتحقيق
لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [الذّٰريٰت: ۵۵]
(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اشاعت: (۵۵)

- موضوع : چندزریں نصیحتیں
- تحریر : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- شائع شدہ : ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' جولائی ۲۰۱۵ء
- جمع وضبط : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

- آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER
www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

نحمدهٗ ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

امام المحدثین سیدنا حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ (م۱۸۱ھ) نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''کتاب الزہد'' (ص:۳۶۰) میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے، اور میں آپ کو پہچانتا نہ تھا، اس لئے میں نے مجلس میں پہنچ کر سوال کیا کہ: ''أَيُّكُمُ النَّبِيُّ؟'' یعنی آپ لوگوں میں پیغمبر (علیہ السلام) کون ہیں؟ تو یا تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف اِشارہ کیا یا کسی اور نے آپ کا تعارف کرایا، اب جو میں نے غور کیا تو دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھوٹی سی چادر باندھے ہوئے ہیں اور چادر کا پُھندنا آپ کے قدم مبارک پر پڑا ہوا ہے، (یعنی آپ عام ہیئت کے ساتھ نہایت سادگی سے تشریف فرما ہیں، کوئی تکلف یا امتیاز والی علامت آپ میں نہیں پائی جارہی ہے) بہرحال میں نے اپنی بات عرض کی کہ میں آپ کی خدمت میں نصیحت حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں، آپ مجھے نصیحت فرمایئے، تو میری درخواست سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی اہم نصیحتیں ارشاد فرمائیں:

(۱) تقویٰ اختیار کرو

پہلی نصیحت یہ فرمائی کہ ''اللہ سے ڈرا کرو'' [اِتَّقِ اللّٰهَ] یہ ایسی عظیم نصیحت ہے کہ اگر آدمی یہ صفت اپنے اندر پیدا کرلے تو وہ کامیاب ترین انسان بن سکتا ہے، اور دنیا وآخرت ہر جگہ اُسے عزت نصیب ہوسکتی ہے۔ یہی وہ صفت ہے جو انسان کو ہر طرح کی معصیت سے بچنے پر آمادہ کرتی ہے، اور ہر طرح کی اطاعت کا جذبہ بیدار کرتی ہے، اور متقی آدمی ہر وقت اِس فکر میں رہتا ہے کہ کہیں اس کا خالق ومالک اس سے ناراض نہ ہوجائے، اور اس سے کوئی معصیت صادر نہ ہوجائے، متقی شخص کو اِطاعت سے ایک خاص فرحت ملتی ہے، جب کہ معصیت کی وجہ سے وہ بے چین اور بے قرار ہوجاتا ہے، اور جب تک سچی توبہ نہ کرلے، اُسے چین وسکون نصیب نہیں ہوتا۔

(۲) کسی بھی نیکی کو کم تر نہ سمجھیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ: ''تم کسی بھی نیکی کو کبھی حقیر مت سمجھنا، خواہ وہ تمہاری طرف سے کسی کے لوٹے میں ڈول کا پانی ڈالنا ہی کیوں نہ ہو'' [وَلَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَفْرُغَ مِنْ دَلْوِکَ فِيْ إِنَاءِ الْمُسْتَسْقِيْ] بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی نل سے اپنے لئے پانی بھر رہا ہے، اسی درمیان دوسرا شخص بھی پانی لینے کے لئے نل پر آجائے، تو پہلے سے پانی بھرنے والا شخص اگر اپنا بھرا ہوا لوٹا دوسرے شخص کے لوٹے میں ڈال دے تو اگرچہ یہ ایک معمولی عمل ہے؛ لیکن اس کو بھی آدمی کم تر نہ سمجھے؛ بلکہ اس پر اللہ تعالیٰ سے عظیم اجر وثواب کی امید رکھے۔

اِس نصیحت سے ہمیں یہ پیغام دیا گیا کہ بعض وہ کام جنہیں ہم معمولی سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں، موقع ملنے پر انہیں چھوڑنا نہیں چاہئے؛ بلکہ اُن پر عمل کر کے ثواب کی اُمید رکھنی چاہئے، مثلاً کسی بیمار کی مزاج پرسی کرنا یا کسی مسافر کو راستہ بتادینا، یا کسی نابینا شخص کو اس کی منزل تک پہنچادینا، یا کسی مسلمان کو کسی ذریعہ سے خوش کردینا وغیرہ، تو اِن جیسے اعمال کو اگر ہر شخص ثواب کی

نیت سے انجام دینے لگے، تو پورے معاشرے میں بے مثال ہم دردی اور نصیحت کے جذبات فروغ پا جائیں اور تنازعات کا سرے سے خاتمہ ہو جائے۔

ایک صحیح حدیث میں وارد ہے کہ ایک شخص راستہ میں جارہا تھا، راستہ میں ایک کانٹے دار ٹہنی نظر پڑی، اُس نے اخلاص کے ساتھ اُسے راستہ سے ہٹادیا؛ تاکہ گذرنے والوں کو تکلیف نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے اِس عمل کو قبول فرمایا اور اُس کی مغفرت کا فیصلہ فرمادیا۔ (بخاری شریف رقم: ۲۴۷۲، مسلم شریف رقم: ۱۹۱۴، الترغیب والترہیب رقم: ۴۵۰۸)

(۳) اِتراہٹ سے بچیں!

تیسری ہدایت یہ فرمائی کہ: ''تم کبروغرور اور اِتراہٹ سے بچتے رہنا؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو اِتراہٹ بالکل پسند نہیں ہے''۔ [إِیَّاکَ وَالْمِخْیَلَةَ؛ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمِخْیَلَةَ]

قرآنِ کریم میں حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کے اپنے بیٹے کو نصیحتوں کے ضمن میں اِرشاد فرمایا گیا: ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا، اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ [لقمان، آیت: ۱۹] ''یعنی لوگوں کے سامنے گال مت پھلاؤ (متکبروں کی طرح بات مت کرو؛ بلکہ خندہ پیشانی سے ملو) اور اَکڑ کر مت چلو، اللہ تعالیٰ کو شیخی بھگارنے والے اور فخر وغرور کرنے والے لوگ پسند نہیں ہیں''۔

اور اَحادیثِ شریفہ میں متکبر شخص کے لئے سخت ترین وعیدیں وارد ہیں، ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہو پائے گا: ''لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ فِی قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِّنْ کِبْرِیَاءٍ. (صحیح مسلم ۶۵/۱، سنن الترمذي ۲۰/۲، مشکاۃ المصابیح ۴۳۳/۲)

اور ایک حدیث میں ہے کہ: ''تکبر کرنے والوں کو قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح آدمیوں کی صورت میں جمع کیا جائے گا۔ ذلت ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوگی، ان کو جہنم کے قیدخانہ کی طرف لے جایا جائے گا جس کا نام ''بولس'' ہوگا، ان پر ''آگوں کی آگ'' بلند ہوگی،

اور انہیں دوزخیوں کے زخموں کا نچوڑ (خون پیپ وغیرہ) پلایا جائے گا جس کا نام ''طینۃ الخبال'' ہے''۔ (سنن الترمذی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، مشکوٰۃ شریف ۲/۴۳۳، الترغیب والترہیب رقم: ۴۴۱۹)

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو اللہ کے لئے ایک درجہ انکساری کرے اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے تا آں کہ اسے علّیین میں اعلیٰ مقام تک پہنچا دیتا ہے، اور جو اللہ پر ایک درجہ تکبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ گھٹاتا ہے، حتی کہ اُسے جہنم کے سب سے نچلے درجہ تک پہنچا دیتا ہے''۔ (سنن ابن ماجہ ۳۰۸، الترغیب والترہیب رقم: ۴۳۹۵)

اور ایک حدیث میں یہ مضمون وارد ہے کہ: ''تمہارے سے پہلی اُمتوں کا ایک شخص تکبر کی بنا پر اپنا تہبند لٹکاتا تھا تو اسے زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک دھنستا ہی چلا جا رہا ہے''۔ (سنن النسائی ۲/۲۹۸ عن عبداللہ بن عمرؓ، الترغیب والترہیب رقم: ۴۴۲۴)

حاصل یہ ہے کہ تکبر اور خود پسندی ایسی بدترین خصلت ہے جو انسان کو دنیا، آخرت کہیں کا نہیں چھوڑتی، اور پھر اللہ کے مقابلہ میں تکبر کرنا تو نعوذ باللہ نہایت دیدہ دلیری کی بات ہے؛ اس لئے ہر مسلمان کو اس رذیلہ سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اور موقع بموقع اپنے عمل اور کردار کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔

عجب و تکبر کے چور دروازے

چند ماہ قبل احقر کا گورکھ پور کا سفر ہوا، وہاں جناب حافظ کفایت اللہ صاحب زید کرمہم (جو کپڑے کے مشہور تاجر اور بزرگوں کے صحبت یافتہ شخص ہیں) سے ملاقات ہوئی، اُنہوں نے دورانِ گفتگو ذکر کیا کہ شہر گورکھپور میں ایک بڑے بزرگ حضرت مولانا افتخار الحق صاحبؒ تھے، جو حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ صاحب نسبت عالم دین تھے، موصوف ایک پرچہ چھاپ کر اکثر تقسیم کیا کرتے تھے، اس میں یہ نصیحت درج ہوتی تھی کہ: ہر آدمی کو عجب و تکبر کے درج ذیل سات چور دروازوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے:

(۱) جمال:- یعنی جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ ظاہری حسن و جمال سے نوازتے ہیں، وہ عموماً

اپنے سے کم صورت والوں کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں، حالاں کہ یہ نہایت کم فہمی کی بات ہے؛ کیوں کہ حسن وجمال کوئی اختیاری چیز نہیں، یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اس میں انسان کی اپنی کوشش کا کوئی دخل نہیں، تو پھر اس پر کبر وعجب کا کیا سوال ہے؟ اس پر تو صرف شکر کا اظہار ہونا چاہئے۔

(۲) مال:- بعض لوگ اپنی مال داری پر ناز کرنے لگتے ہیں، اور غریبوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، حالاں کہ عزت ونجات کا مدار مال داری یا فقیری پر نہیں ہے؛ بلکہ ایمان اور اعمالِ صالحہ پر ہے؛ لہٰذا مال داری کی بنا پر کبر وغرور کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔

(۳) قوت:- اسی طرح اگر کسی شخص کو جسمانی قوت یا سیاسی طاقت حاصل ہوتی ہے تو وہ کمزوروں پر اپنی بڑائی ظاہر کرنے لگتا ہے، اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ حقارت کا معاملہ کرتا ہے، تو یہ بھی بڑی کم ظرفی کی بات ہے؛ کیوں کہ کوئی بھی دنیوی قوت وطاقت باقی رہنے والی چیز نہیں ہے۔

(۴) کثرتِ عبادت:- اور بسا اوقات کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبادات اور خدمتِ دین کی توفیق ملتی ہے، تو وہ اپنے کو دوسروں سے برتر سمجھنے لگتا ہے، اور جو لوگ دینی خدمات میں یا عبادات میں زیادہ مشغول نہیں ہیں، وہ ان کو کسی خاطر میں نہیں لاتا؛ بلکہ اُس کی ہر گفتگو میں انانیت ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے، ان باتوں کی وجہ سے ساری عبادات کا اجر وثواب ضائع ہو جاتا ہے، اور ایسے متکبر شخص سے کسی خیر کی امید نہیں رکھی جاسکتی۔

(۵) علم:- کسی شخص کو علم کی دولت عطا ہو تو اُسے اس پر شکر بجالانا چاہئے، بلا شبہ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت عظیم انعام ہے؛ لیکن اگر اس علم کی وجہ سے آدمی دوسروں پر برتری جمانے لگے، اور ناواقف یا کم علم لوگوں کو حقیر سمجھنے لگے، اور ان کا مذاق اُڑانے لگے، تو ایسا علم، عالم کے لئے رحمت کے بجائے زحمت اور وبال بن جاتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایسا عالم مستحق جہنم ہے جو جاہلوں سے جھک بازی اور دوسروں پر برتری اور نام ونمود کے لئے علم سیکھے۔ **(اللّٰھم احفظنا منہ)** (سنن ابن ماجہ رقم: ۲۵۳، الترغیب والترہیب رقم: ۱۸۰)

(٦) نسب:- کسی خاندان میں پیدا ہوجانا آدمی کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا، اگر معزز خاندانوں سے وابستگی اختیاری ہوتی ہے تو کوئی شخص ان خاندانوں کے علاوہ کہیں اور پیدا ہونا قبول ہی نہ کرتا؛ لیکن یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے خالصۃً اپنے اختیار میں رکھا ہے کہ کس شخص کو کہاں پیدا کرنا ہے؟ پس اس بنیاد پر اپنے کو برتر اور دوسروں کو کم تر سمجھنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ہے، اس کے بجائے آدمی کو اپنے عقائد واعمال درست رکھنے پر توجہ دینی چاہئے، اگر اپنے اعمال درست نہیں ہیں تو محض نسب سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ اِرشادِ نبوی ہے: ''**مَنْ بَطَّأَ بِہٖ عَمَلُہٗ لَمْ یُسْرِعْ بِہٖ نَسَبُہٗ**''. (صحیح مسلم ۳۴۵/۲) یعنی جس کا عمل اُسے پیچھے کردے تو اُس کا نسب اُسے آگے نہیں لے جاسکتا۔

(٧) ماننے والوں کی کثرت:- اگر کسی آدمی کے معتقدین کی کثرت ہوجائے تو عموماً اس کا دماغ آسمان پر پہنچ جاتا ہے، اور شیطان اُس کے دل میں بڑائی کا خناس بٹھا کر اس کی ساری محنتوں کو اَکارت کردیتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''آدمی اپنے اِردگرد لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر اپنے بارے میں دھوکہ میں ہرگز مبتلا نہ ہو''۔ [**لَا یَغُرَّنَّ الرَّجُلَ مِنْ نَفْسِہٖ کَثْرَۃُ النَّاسِ حَوْلَہٗ**] (کتاب الزہد ۲۹۲) اس لئے ماننے والوں کی کثرت دیکھ کر کبھی فریب میں نہیں آنا چاہئے؛ بلکہ آدمی پر لازم ہے کہ ہر وقت اپنا محاسبہ کرتا رہے اور اپنا معاملہ اپنے رب سے درست رکھنے کی کوشش کرے۔

''میں کچھ بھی نہیں ہوں''

مذکورہ سات اَسبابِ عجب وکبر گنانے کے بعد اس اِصلاحی پرچہ میں عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اَشعار درج تھے:

یہ دل کی ہے آواز، کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں ❖ اس پر ہے مجھے ناز، کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
کچھ ہونا مرا، ذلت وخواری کا سبب ہے ❖ یہ ہے میرا اعزاز، کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

تیرے کرمِ خاص پہ سو جان سے قربان ❖ میں اس سے ہوا ممتاز، کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

اِن عارفانہ اشعار میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ انسان کا کمال اس کی فنائیت میں ہے، جو شخص جس قدر فنائیت میں آگے بڑھے گا، اُسی قدر اُس کی قدر و منزلت میں اِضافہ ہوگا۔ یہی بات اِس حدیث نبوی میں ارشاد فرمائی گئی ہے کہ: **مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ** (مشكاة المصابيح ٤٣٤/٢) (یعنی جو اللہ کے لئے اپنے کو کمتر سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سربلندی سے نوازتے ہیں)

(۴) کسی کی عیب جوئی نہ کریں

مذکورہ حدیث میں چوتھی ہدایت یہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص تمہاری عیب جوئی کرے تو اس کے جواب میں تم اُس کے عیب کا افشاء نہ کرو، اگر تم یہ عمل کروگے تو تمہیں اس کا اجر ملے گا، اور دوسرے شخص پر گناہ ہوگا۔ (**وَإِنْ امْرُؤٌ شَتَمَکَ فَعَيَّرَکَ بِأَمْرٍ يَعْلَمُهُ فِيْکَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِأَمْرٍ تَعْلَمُهُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ لَکَ أَجْرُهُ وَعَلَيْهِ إِثْمُهُ**)

یہ ہدایت نہایت عظیم الشان ہے، اور اعلیٰ ترین ایمانی صفت کا مظہر ہے؛ اس لئے کہ اِنسان عموماً عیب جوئی کے جواب میں دوسرے کی عیب جوئی اور آگے بڑھ کر کرتا ہے، جس کی وجہ سے اختلافات اور بدگمانیاں بڑھتی ہیں، اور معاشرہ میں فساد پھیل جاتا ہے، اس کے برخلاف اگر آدمی ایسے موقع پر کچھ صبر سے کام لے اور برائی کا جواب برائی سے نہ دے اور غصہ کو پی جائے تو بڑے سے بڑے فتنہ پر پانی پڑ جاتا ہے، اور بات وہیں کی وہیں ختم ہوجاتی ہے، بار بار تجربہ سے یہ بات کارگر ثابت ہوئی ہے۔

(۵) گالم گلوچ نہ کریں

اور آخری بات پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد فرمائی کہ: ”تم کسی کو ہرگز گالی مت دینا“ [**وَلَا تَسُبَّنَّ أَحَدًا**] (كتاب الزهد ٣٦٠) معاشرہ میں انتشار پھیلانے میں گالی گفتار کا بڑا دخل ہوتا ہے، گالی دینے سے سامنے والے کے دِل میں ایسا اشتعال رونما ہوتا ہے کہ وہ جواب میں سب کچھ کر گذرنے پر تیار ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ یہ گالی آدمی کی عزتِ نفس پر براہِ راست اثر

انداز ہوتی ہے، جس کا تحمل کرنا ہر ایک کے بس میں نہیں ہوتا، اس لئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس فساد کی جڑ کو سرے سے ختم کرنے کے لئے ہدایت فرمائی کہ کوئی شخص کسی کو گالی ہرگز نہ دے؛ تاکہ معاشرہ میں سکون ووقار کا ماحول قائم رہے، اور فتنہ وفساد سے حفاظت رہے۔ اللہ تعالیٰ پوری اُمت کو مذکورہ بالا ہدایات پر مکمل عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

(شائع شدہ ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' جولائی ۲۰۱۵ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (۵۶)

تین روشن ہدایات

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند

جمع وضبط:

(مفتی) عبد الرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دار التوحید بنگلور

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]
(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۵۶)

- موضوعِ خطاب : تین روشن ہدایات
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : جامعہ قاسم العلوم درگاہ حضرت شاہ جلال سلہٹ بنگلہ دیش
- تاریخ : ۲۰؍ربیع الاول ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۷؍اکتوبر ۲۰۲۲ء بروز پیر
- دورانیہ : ۱۷؍منٹ تقریباً
- جمع وضبط : (مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

- آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

الحمد للّٰه نحمدہٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارک وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارک وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. لَا شَرِيْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [الأنعام: ۱٦۲]

معزز علماءِ کرام، طلبۂ عزیز، بزرگو اور بھائیو! ہم سب سے پہلے اِس مبارک اور بافیض مدرسہ کے ذمہ دارانِ گرامی کا دل سے شکریہ اَدا کرتے ہیں کہ آپ نے محض دین کی نسبت پر اِس

عزت وتکریم سے سرفراز فرمایا۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ .

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اِس میں ہمارا کوئی کمال یا استحقاق نہیں ہے؛ بلکہ دراصل آپ حضرات نے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اِس ارشادِ عالی: ’’مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ‘‘. (بخاری شریف رقم: ٦٠١٨) (یعنی جو شخص اللہ اور آخرت پر اِیمان رکھتا ہوا ُسے اپنے مہمان کا اکرام کرنا چاہئے) کی تعمیل فرمائی ہے

بعض مہمانوں کا اکرام یہ ہوتا ہے کہ اُن کے لئے اچھے کھانے پینے کا انتظام کرلیا جائے۔

بعض کا یہ ہوتا ہے کہ اُن کا بڑا استقبال کرلیا جائے، وغیرہ۔

جب کہ بعض مہمانوں کے اکرام میں اُن کو کرسی پر بٹھا دیا جاتا ہے۔

تو اِس وقت ہمارا آپ کے سامنے روبرو ہونا بھی اِسی قبیل سے سمجھنا چاہئے، ورنہ تو ہم بھی آپ ہی کی صف کے ایک معمولی آدمی ہیں۔

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا نام بھی مرتے دم تک طالب ِعلموں کی فہرست میں شامل رکھیں اور اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

اب آپ کے سامنے کیا نصیحت کی جائے؟ یہاں بڑے بڑے اَساتذہ تشریف فرما ہیں، جو سال بھر آپ کو نصیحتیں کرتے رہتے ہیں۔

لیکن اِس وقت ایک بات یاد آئی کہ کوفہ کے رہنے والے ایک بڑے محدث ہیں، جن کا نام ’’جعفر ابن عونؒ‘‘ ہے، اور اُن کی کنیت ’’ابوعون المخزومی‘‘ ہے، جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتگان میں سے ہیں۔ اور حضرت امامِ احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے بارے میں فرمایا ہے کہ: ’’رَجُلٌ صَالِحٌ لَا بَأْسَ بِهِ‘‘ (یعنی وہ نیک آدمی ہیں اُن سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے)

حضرت اِمام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ’’ابن عون‘‘ کے بارے میں یہ تبصرہ کرنا اُن

کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔

یہی جعفر بن عونؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ جب وہ کسی سے ملاقات کے لئے جاتے تھے، تو اکثر اُس کو ۳؍ جملے یاد دِلایا کرتے تھے:

(۱) جن میں سے پہلا جملہ یہ ہے کہ ''مَنْ عَمِلَ لِآخِرَتِهٖ كَفَاهُ اللّٰهُ دُنْيَاهُ''. یعنی جو شخص آخرت کی کامیابی کے لئے کوئی عمل کرے گا، اور آخرت کو مقصود بنا کر زندگی گزارے گا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا کی طرف سے اُس کی کفایت فرمائیں گے، اور غیب سے اُس کی ضرورتیں پوری فرمائیں گے۔

یہ جملہ اپنے اندر خاص طور پر اہلِ علم اور دینی خدمات انجام دینے والوں کے لئے بہت بڑی نصیحت اور رہنمائی رکھتا ہے، کہ ہم جو بھی چھوٹا یا بڑا عمل کریں تو ہمارے پیشِ نظر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہی ہونی چاہئے۔

اگر ہم اِس نیت سے عمل کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری کفایت فرمائیں گے۔

قرآنِ پاک میں بھی اِس طرح کا وعدہ منقول ہے، اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا. وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ، وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ، اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ [الطلاق: ۲-۳] (یعنی جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر زندگی گزارتا ہے تو اُس کے لئے اللہ تعالیٰ مشکلات میں بھی نکلنے کا راستہ بنا دیتے ہیں اور اُسے بے وہم وگمان روزی عطا فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے امر کو نافذ کرنے پر پوری طرح قادر ہے (کوئی اُسے روک نہیں سکتا) بلاشبہ اُس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے)

بریں بنا اگر ہم کو اللہ تعالیٰ نے خدمتِ دین کے لئے قبول فرمایا ہے تو ہمیں اپنی نیتوں کو خالص رکھنا ضروری ہے، دنیاوی مفادات، شہرت وعزت کی طلب اور دکھاوے سے ہر ممکن احتراز کرنا ہے، جبھی ہمارے اَعمال مقبول ہو سکتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت کے ہم مستحق بن سکتے ہیں، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

(۲) دوسرا جملہ یہ ہے کہ: ”مَنْ أَصْلَحَ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ كَفَاهُ اللّٰهُ النَّاسَ“ (یعنی جو شخص اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ٹھیک کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ لوگوں سے اُس کے معاملات ٹھیک کرا دیتے ہیں)

دراصل یہ جملہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک خطبہ سے ماخوذ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپ نے قبیلہ بنوسالم میں پہلے جمعہ کا خطبہ دیا تو اُس میں ایک جملہ یہ بھی تھا کہ: ”مَنْ يُصْلِحُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ يَكْفِهِ اللّٰهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ“. (حياة الصحابة ٣٩٧/٣ اشاعت دينيات دهلى) (یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ ٹھیک کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی طرف سے اُس کے معاملات ٹھیک کر دیتے ہیں)

چناں چہ اگر کوئی بدگمان ہوتا ہے، تو اُس کی بدگمانی حسن ظن میں بدل جاتی ہے۔ تا آں کہ بڑے سے بڑا دشمن بھی اُس کا قدردان بن جاتا ہے اور اُس کا ذہن بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ بندہ کا اللہ تعالیٰ سے معاملہ ٹھیک ہونا چاہئے۔

ظاہر ہے کہ سارے لوگوں کے دل تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اور دلوں کو کسی کی طرف مائل کرنا محض اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

اِس لئے بہرحال آدمی کو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے درست رکھنا چاہئے۔ اور اگر بالفرض کوئی غلطی ہو جائے تو جلد اَز جلد توبہ کر لینی چاہئے۔

بعض روایتوں میں یہ مضمون وارد ہے کہ ”جو شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے لوگوں کی ناراضگی کی پرواہ نہ کرے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے شر سے اُس کی حفاظت فرماتے ہیں؛ اِس کے برخلاف جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی خوشنودی کو مقصود بناتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُسے لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں“۔ (ترمذی شریف/ ابواب الزہد رقم: ۲۴۱۴)

(۳) اور تیسرا جملہ یہ ہے کہ: ”مَنْ أَصْلَحَ سَرِيْرَتَهُ أَصْلَحَ اللّٰهُ عَلَانِيَتَهُ“. (من

أخبار السلف ص: ۲۳ مکتبة الرشد الرياض) (یعنی جو آدمی اپنی ذاتی اور خفیہ زندگی صحیح کرلے، یعنی تنہائی کی زندگی گناہوں سے پاک کرلے، تو اللہ تعالیٰ اُس کی ظاہری زندگی کو بھی لوگوں کی نظروں میں درست فرما دیتے ہیں۔

لوگوں کے سامنے اچھا بننا یہ کوئی مقصود بنانے کی بات نہیں ہے؛ البتہ بڑی بات یہ ہے کہ آدمی تنہائی میں بھی اللہ تعالیٰ سے ایسے ہی ڈرے جیسے کہ لوگوں کے سامنے ڈرتا ہے، یہی کمالِ ایمان کی نشانی ہے۔

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو باقاعدہ یہ دعا تعلیم دی تھی کہ: ”اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِي خَيْرًا مِّنْ عَلَانِيَتِي، وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِي صَالِحَةً“. (سنن الترمذي / أبواب الدعوات رقم: ۳۵۸۶) (یعنی اے اللہ! میری ذاتی اور خفیہ زندگی ظاہری زندگی سے اچھی کردیجئے اور ساتھ میں میری ظاہری زندگی بھی درست فرما دیجئے)

یعنی ظاہر و باطن دونوں میں خیر کا پہلو غالب ہو، اور خالق و مخلوق دونوں میں رسوائی سے حفاظت ہو، اِس کا اہتمام کرنا چاہئے؛ لہٰذا یہ دعا ہمیں بھی یاد رکھنی چاہئے اور اِس کا بکثرت ورد کرنا چاہئے۔

یہ تینوں جملے بڑے روشن ہیں، اور یاد رکھنے کے قابل ہیں، اِن کی روشنی میں ہمیں اپنی زندگی کے شب و روز کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ”سورۂ انعام“ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ سے پوری اُمت کو یہ حکم دیا ہے: ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الأنعام: ۱۶۲] (آپ یہ فرمائیے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی، میری موت بس ایک اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے)

﴿لَا شَرِيْكَ لَهٗ﴾ (اُس کا کوئی شریک نہیں ہے)

﴿وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ﴾ (مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم ہے)

﴿وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ (میں نمبر ایک درجہ کا مسلمان، (تابع دار، اطاعت شعار اور وفا شعار) ہوں)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کہنے سننے سے زیادہ عمل کی توفیق عطا فرمائیں، اپنے نیک اور مقبول بندوں میں شامل فرمائیں، ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائیں، عیوب کی ستر پوشی فرمائیں، ہمارے دلوں کے کھوٹ کو دُور فرمائیں، دارین میں اپنی رضا اور خوشنودی عطا فرمائیں، اِس ادارہ کو بھی ترقیات سے مالا مال فرمائیں اور ظاہری و باطنی شرور سے محفوظ رکھیں، آمین۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ
بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اشاعت: (۵۷)

اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصیتیں

اُمت کے لئے مشعلِ راہ

تحریر:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:

محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]
(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۵۷)

موضوع	:	اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصیتیں
تحریر	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
شائع شدہ	:	ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' اکتوبر ۲۰۱۵ء
جمع وضبط	:	محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:
www.youtube.com/c/ALTAZKEER
www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

نحمدہٗ ونصلي علی رسوله الکریم، أما بعد!

خلیفۂ رابع اَمیر المؤمنین، سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اِسلام کی اُن برگزیدہ ہستیوں میں شامل ہیں، جن کو خود زبانِ نبوت سے اعتبار واعتماد کی سند عطا ہوئی ہے۔

○ جن سے محبت ایمان کی علامت اور جن سے بغض نفاق کی نشانی ہے۔

[قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: وَالَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسْمَةَ، إِنَّهٗ لَعَهِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيَّ أَنْ لَّا يُحِبَّنِيْ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يُبْغِضَنِيْ إِلَّا مُنَافِقٌ. (صحیح مسلم ۱/۶۰)]

○ جن کو پیغمبر علیہ السلام نے اللہ اور اُس کے رسول کے محبّ ومحبوب ہونے کی بشارت سنائی ہے۔

[أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ: لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلاً يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ...... الخ.

(صحیح البخاري رقم: ۴۲۱۰ دار الفکر بیروت)]

○ جن کو معاملہ فہمی اور حسن تدبر کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت میں سب سے بہترین قاضی ہونے کی سند عطا کی ہے۔

[عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: …… وَأَقْضَاهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ. (الصواعق المحرقة ١٢٠ دار الكتب العلمية بيروت)]

○ جن کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام نے یہ محبت آمیز جملہ ارشاد فرمایا کہ: ''جس کی مجھ سے دوستی ہے علی بھی اُس کا دوست ہے۔ اَے اللہ! جو علی سے دوستی رکھے اُسے تو بھی دوست رکھ، اور جو علی سے عداوت رکھے اُس سے تو بھی عداوت رکھ''۔

[إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَزَلَ بِغَدِيْرِ خُمٍّ، أَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالَ: …… اَللّٰهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ، اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ الخ. (سنن الترمذي رقم: ٣٧١٣، سنن ابن ماجة رقم: ١١٦)]

○ جن کو پیغمبر علیہ السلام نے دنیا وآخرت میں اپنا بھائی قرار دیا۔

[آخٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَصْحَابِهِ، فَجَاءَ عَلِيٌّ تَدْمَعُ عَيْنَاهُ، فَقَالَ: آخَيْتَ بَيْنَ أَصْحَابِكَ، وَلَمْ تُؤَاخِ بَيْنِي وَبَيْنَ أَحَدٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْتَ أَخِيْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. (سنن الترمذي رقم: ٣٧٢٠)]

○ جن کو زبانِ نبوت سے ''سید العرب'' کا لقب ملا۔

[عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ، وَعَلِيٌّ سَيِّدُ الْعَرَبِ. (الصواعق المحرقة ١٨٨ دار الكتب العلمية بيروت)]

○ جن کو پیار میں پیغمبر علیہ السلام نے ''ابوتراب'' کے لقب سے نوازا۔

[عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ عَلِيًّا مُضْطَجِعًا فِي الْمَسْجِدِ، وَقَدْ سَقَطَ رِدَائُهُ عَنْ شِقِّهِ، فَأَصَابَهُ تُرَابٌ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُهُ عَنْهُ وَيَقُوْلُ: قُمْ أَبَا تُرَابٍ. (الصواعق المحرقة ١٩٤ دار الكتب العلمية بيروت)]

○ جن کو اللہ کے حکم سے خاتونِ جنت سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شریکِ حیات بننے کا شرف حاصل ہوا۔

[عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ أَمَرَنِي أَنْ أُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا. (الصواعق المحرقة ۱۹۲ بیروت)]

جن کی شجاعت وبسالت زبان زد اور ایمانی جرأت وحمیت مثالی تھی، حق کی حمایت اور دین پر استقامت کے معاملہ میں جن کا کردار روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

اُنہوں نے دورِ نبوت میں بھی اسلام کی خدمت میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی، اور خلفاء ثلاثہ (سیدنا حضرت ابوبکر صدیق، سیدنا حضرت فاروق اعظم اور سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم) کے زمانہ میں بھی اُن کے مخلص رفیق اور مشیر کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی نبھاتے رہے۔

اور خلیفۂ ثالث سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی الم ناک شہادت کے بعد جب اُمت سخت آزمائش سے دوچار ہوئی اور بارِ خلافت آپ کے کندھوں پر رکھا گیا، تو اُس وقت بھی آپ نے اُمت کی فلاح وبہبود، ترقی اور اتفاق واتحاد کی کوششوں میں کوئی کمی نہ کی، آپ کا تقریباً چار سالہ دورِ خلافت شدید انتشار کی حالت میں گذرا۔ اپنوں کی غلط فہمیوں، غیروں کی سازشوں اور منافقوں کی ریشہ دوانیوں نے خواہی نخواہی نظریاتی اختلافات کو خوں ریز جنگوں تک پہنچا دیا۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہر حالت میں صلح پر آمادہ اور اُس کے لئے کوشاں تھے؛ لیکن مفاد پرست شریر خارجیوں نے آپ کی صلح کی کوششوں کو اپنے لئے موت سمجھا اور صلح کے بجائے خود آپ ہی کے خلاف محاذ کھڑا کر دیا، جس کی بنا پر آپ کو اُن باغیوں سے بھی جنگ کرنی پڑی اور آپ اُن نبوی پیشین گوئیوں کے مصداق قرار پائے، جن میں خارجیوں سے جنگ کرنے والی جماعت کو ''اقرب الی الحق''، یعنی حق سے سب سے زیادہ قریب کہا گیا تھا۔

جب خارجیوں کی کمر توڑ دی گئی، تو اُنہی میں سے ایک خبیث شخص ''ابن ملجم'' (جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کا سب سے بدبخت شخص قرار دیا تھا) اُس نے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قتل کا منصوبہ بنایا اور دو ساتھیوں کے ساتھ آپ پر اُس وقت حملہ کیا جب کہ آپ کوفہ میں فجر کی نماز کے لئے مسجد تشریف لے جا رہے تھے، اِس بدبخت کے وار سے آپ کا سر مبارک شدید زخمی ہوا، تلوار کا اثر دماغ تک جا پہنچا، طبیب نے آکر دیکھا تو زندگی سے نا اُمیدی ظاہر کی۔

اِسی دوران آپ نے اپنے دونوں سعادت آثار صاحب زادوں سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور اُنہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''میں تمہیں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں:

- اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا۔
- دنیا سے کبھی دل نہ لگانا، اگرچہ وہ تمہارے پیچھے لگے۔
- کسی ایسی چیز کے لئے غم نہ کرنا جو تمہیں نہ ملنے والی ہو۔
- حق بات کہنا۔
- یتیم پر رحم کرنا۔
- بے کس کی مدد کرنا۔
- اپنی آخرت کو سنوارنے کی کوشش کرنا۔
- ظالم کو اُس کے ظلم سے روکنا اور مظلوم کی مدد کرنا۔
- اللہ کی کتاب پر عمل کرنا، اُس کے احکام کی تعمیل کے سلسلہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا''۔

اِس کے بعد اپنے تیسرے بیٹے محمد بن الحنفیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ:

''میں نے تمہارے دونوں بھائیوں کو جو نصیحتیں کی ہیں، کیا تم نے بھی اُن کو اچھی طرح

گوش گزار کرلیا''؟ اُنہوں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا کہ: ''تم اپنے بڑے بھائیوں کی توقیر و تعظیم کرنا؛ کیوں کہ اُن کا تم پر بہت بڑا حق ہے، جو کچھ وہ کہیں اُس پر عمل کرنا اور اُن کے کسی حکم کی بجا آوری میں دیر نہ کرنا''۔

اِس کے بعد پھر سیدنا حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

''میں اِس (محمد بن الحنفیہ) کے بارے میں تم دونوں کو خیر خواہی کرنے کی نصیحت کرتا ہوں؛ کیوں کہ وہ بھی تمہارے باپ کی اولاد ہے، اور تم لوگوں کو معلوم ہے کہ اِس کا باپ اِس سے کتنی محبت کرتا تھا''۔ (الصواعق المحرقۃ/ الفصل الخامس فی وفاتہ ص ۲۰۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

پھر سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ:

''اے میرے بیٹے! میں تمہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں:

- اور یہ کہ نماز کے وقت پر نماز پڑھنا۔
- زکوٰۃ کے وقت پر زکوٰۃ دینا۔
- اور اچھی طرح وضو کرنا؛ کیوں کہ بغیر پاکی (وضو) کے نماز صحیح نہیں، اور زکوٰۃ نہ دینے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی۔
- نیز وصیت کرتا ہوں کہ دوسروں کی لغزشوں سے درگزر کرنا۔
- غصہ کو پی جانا۔
- صلہ رحمی کرنا۔
- بردباری سے کام لینا۔
- دین میں بصیرت حاصل کرنا۔
- کسی معاملہ کی اچھی طرح تحقیق کرلینا۔
- قرآنِ کریم کو لازم پکڑنا۔
- پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔

- بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔
- فواحش اور بدکاریوں سے بچتے رہنا''۔

اِس کے بعد جب بالکل زندگی سے نا اُمیدی ہوگئی تو درج ذیل وصیت ارشاد فرمائی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ علی بن ابی طالب کی وصیت ہے، مجھے اِس بات کا اقرار ہے کہ معبودِ برحق صرف اللہ ہے، وہ یکتا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں، محمد اُس کے بندے اور رسول ہیں، اُس نے اُنہیں ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا؛ تاکہ اُسے تمام اَدیان پر غالب کریں، اگرچہ مشرکین کو یہ چیز ناگوار ہو''۔

پھر فرمایا کہ: میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اُس اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں، میں اِسی بات کا حکم دیا گیا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

پھر اے حسن! تم کو اور میری تمام اولاد اور گھر والوں کو، سب کو میری وصیت ہے کہ تم سب لوگ اپنے رب، یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، اور مسلمانوں کی موت مرنا، اللہ کی رسی کو تم سب مضبوطی سے پکڑ لینا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا؛ کیوں کہ میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''إِنَّ صَلاَحَ ذَاتِ الْبَيْـنِ أَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الصَّلاَةِ وَالصِّيَامِ''۔ یعنی آپسی میل محبت نفل نمازوں اور روزوں سے افضل ہے۔

دیکھو! اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، اللہ تعالیٰ بروز قیامت تمہارا حساب تم پر آسان کردے گا۔ خبردار! یتیموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، اُنہیں کھانے پینے کی تکلیف نہ دینا، تمہاری موجودگی میں وہ ضائع نہ ہوں۔

اور سنو! اپنے پڑوسیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا؛ کیوں کہ وہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت میں ہیں، جن کے بارے میں آپ برابر اتنی وصیت فرماتے رہے کہ

ہمیں گمان ہونے لگا کہ کہیں آپ پڑوسی کو پڑوسی کا وارث نہ بنا دیں۔

اور سنو! قرآن کے بارے میں اللہ کو یاد رکھنا، تمہارے علاوہ کوئی دوسرا اُس پر عمل کرنے میں تم پر سبقت نہ لے جائے۔

اور یاد رکھو! نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا؛ کیوں کہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے۔

اور اللہ سے خبر دار رہو اُس کے گھر کے بارے میں، کہ جب تک تم زندہ رہو وہ خالی نہ ہونے پائے، اگر اُسے خالی چھوڑ دیا گیا تو پھر تمہیں مہلت نہ دی جائے گی۔

اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ذریعہ سے اللہ کے راستے میں جہاد کرتے رہنا، زکوٰۃ کے بارے میں اللہ سے غافل نہ ہونا؛ کیوں کہ وہ اللہ کے غصہ کو بجھا دیتی ہے، اور ذمیوں (مسلم ملک کے غیر مسلم شہری) کے بارے میں اللہ کا خوف رکھنا، وہ تمہارے درمیان رہتے ہوئے ظلم کا نشانہ نہ بنیں۔

اور اپنے نبی کے صحابہ کے بارے میں اللہ کو نہ بھولنا کہ اُن کے اکرام واعزاز کا حکم تمہارے نبی نے دیا ہے۔ فقراء ومساکین کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، اور اُنہیں اپنی کمائی میں شریک بنالینا، لونڈی وغلام کے بارے میں اللہ کو نہ بھولنا۔

نماز سے ہرگز ہرگز غافل نہ ہونا، اللہ کی خاطر کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا؛ کیوں کہ وہ تمہارا برا چاہنے والے اور تمہارے خلاف بغاوت کرنے والے کے لئے کافی ہوگا۔ لوگوں سے اُسی طرح اچھی بات کہو جس طرح اُس نے تمہیں حکم دیا ہے، بھلائیوں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے سے باز نہ آؤ، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ تم میں برے لوگ تمہارے حاکم بن جائیں اور پھر تم اُن سے خلاصی کی دعائیں مانگو اور وہ قبول نہ کی جائیں۔ ایک دوسرے سے میل محبت اور انفاق ومدد کو لازم کرلو، قطع تعلقی، اختلاف وتفرقہ بازی سے اپنے آپ کو بچاؤ، نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو، گناہ اور سرکشی پر کسی کے معاون نہ بنو، اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

اللہ تم اہل بیت کو محفوظ رکھے اور تم میں تمہارے نبی (کی سنت) کو محفوظ رکھے، اَب میں تمہیں اللہ کے حوالے کرتا ہوں، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پھر آپ کی زبان سے آخر میں ''لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰه'' کے الفاظ نکلے اور رمضان ۴۰ھ ہجری میں آپ اِس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ ۲۱ر رمضان ۴۰ھ ہجری کی صبح شہید کئے گئے۔ إِنَّـا لِـلّٰـهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ رَحْمَةً وَاسِعَةً۔

(تاریخ طبری ۱۵۸/۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت، بحوالہ: سیدنا علی بن ابی طالبؓ للصلابی مترجم ۱۱۸۶-۱۱۸۸ طابع: ندوۃ السنۃ سدھارتھ نگر یوپی)

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مذکورہ وصیتوں کا ایک ایک لفظ سرمۂ بصیرت بنانے اور آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ ضرورت ہے کہ ان ہدایات کو معاشرہ میں عام کیا جائے، اور ایک ایک ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے، اگر ہر شخص اِن باتوں پر عمل کرلے تو اِن شاء اللہ یہ مسلم معاشرہ جنت نظیر بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(شائع شدہ ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' اکتوبر ۲۰۱۵ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (۵۸)

آخرت کے لئے جدوجہد

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]
(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۵۸)

موضوعِ خطاب	:	آخرت کے لئے جدوجہد
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری
مقام	:	جامعۃ الشیخ اسعد المدنی الاسلامیہ، اے بھار گرین سٹی میراپارا، سلہٹ، بنگلہ دیش
تاریخ	:	۱۷؍ربیع الاول ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۴؍اکتوبر ۲۰۲۲ء بروز پیر
دورانیہ	:	۳۰؍منٹ تقریباً
جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:
www.youtube.com/c/ALTAZKEER
www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارک وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارک وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ، وَّاتَّقُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [الحشر: ١٨]

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ.

معزز علماء کرام، طلبہ عزیز اور قرب وجوار سے آنے والے فرزندانِ توحید، بزرگو اور بھائیو!

آج اِس مبارک جگہ میں حاضر ہوکر اور اِس کو آباد اور شاداب دیکھ کر دل کو بہت مسرت اور خوشی ہورہی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا جس قدر بھی شکر بجالایا جائے کم ہے کہ اُس نے کمزوروں کو مختصر وقت میں اِس کام کو یہاں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ اِس محنت کو بے حد قبول فرمائیں اور اِس ادارہ کو دِن دونی رات چوگنی ترقیات سے مالامال فرمائیں، آمین۔

آپ کا یہ علاقہ خاص طور پر شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی سالہا سال کی محنت، جاں فشانی اور قربانیوں کی وجہ سے اپنی الگ پہچان اور امتیاز رکھتا ہے۔ یہاں کے عوام وخواص میں دین اور اہلِ دین سے جو والہانہ تعلق ہے؛ وہ دوسری جگہوں پر بہت کم نظر آتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ اپنے اُستاذِ معظم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مالٹا میں قید ہونے سے پہلے مدینہ منورہ میں مقیم تھے، ۱۶-۱۷/سال آپ نے مسجدِ نبوی ؐ میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیں۔ اور پھر بالقصد اپنے اُستاذِ محترم کے ساتھ مالٹا میں قید کیے گئے، اُس کے بعد ۱۹۲۰ء میں جب مالٹا سے رہائی ہوئی اور ہندوستان واپس تشریف لائے، تو اگر آپ چاہتے تو دوبارہ مدینہ منورہ واپس چلے جاتے؛ لیکن آپ نے اپنے اُستاذ گرامی قدر حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہٗ کی خواہش پر ہندوستان میں رہ کر ملتِ اسلامیہ کی خدمت کا فیصلہ فرمایا۔

اُس وقت کلکتہ کے ایک قومی مدرسہ میں ''شیخ الحدیث'' کی ضرورت تھی، تو آپ حضرت

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی طلب اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر کلکتہ تشریف لے گئے۔ بعد ازاں مختلف وجوہ سے اہل سلہٹ کے اصرار پر یہاں تشریف لاکر ''خلافت ہاؤس'' میں درسِ حدیث کا سلسلہ جاری فرمایا، اور مسلسل ۶ر سال (از: ۱۳۴۰ھ-تا-۱۳۴۶ھ) یہاں مقیم رہے۔

ذرا غور کریں! کہاں یوپی کا علاقہ اور کہاں سلہٹ؟ سینکڑوں میل کا فاصلہ! زبان بھی الگ، رہن سہن کے انداز میں بھی فرق؟ اور اُس زمانہ میں آنے جانے کی ایسی سہولتیں بھی نہیں تھیں جیسی آج ہیں؛ لیکن حضرت نے دین کی سربلندی کی خاطر اِن تمام باتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے یہاں رہنے کا فیصلہ فرمایا۔

اور پھر ۱۳۴۶ھ میں جب دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر ہوگیا اور ضرورت اِس کی متقاضی ہوئی کہ آپ مادرِ علمی میں تشریف لے جائیں، تو آپ نے سلہٹ والوں کے اِصرار پر ہر سال یہیں ''نئ سڑک'' کی تاریخی مسجد میں رمضان المبارک گذارنے کا اِرادہ فرمایا، اور تقسیم ملک تک مسلسل ۲۲ر سال اِس وعدہ کو پوری طرح نبھاتے رہے۔

رمضان المبارک میں آپ کا سلہٹ کا قیام بڑا بابرکت ثابت ہوا، اِس کی بدولت علاقہ میں جابجا مدارس ومکاتب قائم ہوئے، بستی بستی علم کی روشنی پھیلی، جابجا علماء اور حفاظ نظر آنے لگے، اور دین داری کی فضا بنی۔

دعوت واِصلاح کی غرض سے آپ مشقت اُٹھاکر گاؤں گاؤں تشریف لے گئے، ندی نالوں کو پار کیا، اور وہاں راتیں گذاریں، جس کا ثمرہ یہ ظاہر ہوا کہ یہ پورا علاقہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے فیض سے روشن اور منور ہوگیا۔

اور حضرت کے وصال کے بعد آپ کے جانشین اور آپ کی وراثتوں کے اَمین، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ بھی یہاں باربار تشریف لاتے رہے، ہر

سال آپ کا طویل دورہ ہوتا تھا، جس کی وجہ سے وہ تعلق جو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا اِس علاقہ سے قائم ہوا تھا وہ اور بڑھتا گیا، اور اُس میں کوئی کمی نہیں آئی، فالحمد کلہ للہ۔

بلاشبہ یہ حضرت کی بہت بڑی قربانی ہے اور ہم اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے ہیں کہ ہم لوگ جس زمانہ میں ہیں، یہ تو سہولتوں اور آسائشوں کا زمانہ ہے۔

ایئر کنڈیشنوں اور اچھی گاڑیوں کا زمانہ ہے۔

ہوائی جہاز کا زمانہ ہے۔

آج دنیا میں آنا جانا نسبۃً آسان ہے۔

قیام کرنے کی بھی ہر طرح کی سہولیات میسر ہیں۔

لیکن ہمارے بزرگوں نے جس زمانہ میں خدمات انجام دی ہیں، اُس وقت سڑکوں کا حال خراب تھا۔

اچھی سواریاں میسر نہ تھیں۔

کسی قریہ میں جانا آنا آسان نہ تھا۔

لیکن اِن حضرات نے صرف اِسلام کی سربلندی اور دین کی بقا کے لئے ہر تکلیف کو جھیلا اور ہر طرح کی قربانیاں پیش فرمائیں، فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

اِس لئے اِس بات کی سخت ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین کے لئے حضرت کے نام پر کوئی ایسی مِل بیٹھنے کی جگہ اور مرکز بنایا جائے جہاں حضرتؒ کے فیوض وبرکات کو عام کرنے کے لئے مشورے ہوں، اور جن افکار کو آپ نے دنیا میں رہتے ہوئے عام کرنے کی کوشش کی ہے اُن کو آگے بڑھانے پر محنتیں کی جائیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی بندہ کی محنتوں کو قبول فرماتے ہیں تو اُس کے لئے ویسے ہی اسباب بھی غیر متوقع طور پر فراہم ہوجاتے ہیں، یہ اِدارہ بھی جو **”جامعة الشیخ أسعد**

"المدني الإسلامية" کے نام سے آج ایک اُبھرتے ہوئے درخت کی شکل میں ہمارے سامنے ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے اِسی دستور کا مظہر ہے۔

آج سے ۳۰ رسال پہلے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہاں اِس طرح سے دین کی مجلسیں سجائی جائیں گی۔

لوگوں کا اُس کی طرف رجوع ہوگا۔

"لا الٰہ الا اللہ" کی ضربوں کی آوازیں آئیں گی۔

قرآنِ پاک پڑھا اور پڑھایا جائے گا۔

اور دین کی باتیں سنی سنائی جائیں گی۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا اور خصوصاً خلیفہ فدائے ملت حضرت مولانا مفتی رشید مقبول صاحب زید مجدہم اور اُن کے اَحباب ومعاونین توکلاً علی اللہ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے غیب سے نصرتیں فرمائیں اور مسلسل فرما رہے ہیں۔

اگر زندگی رہی تو آپ دیکھیں گے کہ یہ درخت جو آج ابتدائی مرحلہ میں ہے، جلد ہی ایک تناور اور بڑا سایہ دار درخت بنے گا، جس کے نیچے سے اِیمان ویقین کی ٹھنڈی ہوائیں چلیں گی، اور جس کی خوشبو سے پورا علاقہ معطّر ہوگا۔ اور جن اکابر کی محنتوں سے یہ رونقیں ہمیں نظر آرہی ہیں اُن کے لیے یہ ادارہ صدقۂ جاریہ بنے گا، اِن شاء اللہ العزیز۔

لیکن ہمیں بہرحال دین کے ہر کام میں آخرت کی قبولیت کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ اگر ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کام کریں گے تو وہ کام پھلے پھولے گا اور آگے بڑھے گا، اور ہمارے لئے سرخ روئی کا ذریعہ بنے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں نیت دیکھی جاتی ہے، دعویٰ نہیں دیکھا جاتا؛ گویا کہ محض دعوے کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اصل چیز نیت کی درستگی ہے، کہ ہم کس نیت سے کام کر رہے ہیں؟

کیا بورڈ اور لیبل لگا ہوا ہے یہ نہیں دیکھا جائے گا؛ بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ کرنے والا کس نیت اور اِرادے سے کام کر رہا ہے؟

اگر وہ نیت صحیح اور صادق ہے، تو ضرور اُس کا اچھا ثمرہ نکل کر رہے گا، اور اُس کو بقاء دوام حاصل ہوگا۔

حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''المؤطا'' کے تناظر میں فرمایا تھا کہ: ''مَا كَانَ لِلّٰهِ بَقِيَ'' (یعنی جو کام اللہ کے لئے کیا جاتا ہے وہ باقی رہتا ہے) چاہے وہ دیکھنے میں چھوٹا ہی کام کیوں نہ ہو۔

دارالعلوم دیوبند کا فیض

مثلاً ماشاء اللہ آج دارالعلوم دیوبند اُس کی عمارتیں، اُس کا تعلیمی نظام، اُس کا مالیاتی نظام بڑا وسیع ہو چکا ہے، ایک مستقل پوری حکومت معلوم ہوتی ہے؛ لیکن جب اُس کا آغاز ہوا تھا تو کہتے ہیں کہ محض ایک اُستاذ اور ایک شاگرد کا اجتماع تھا۔ نہ کوئی الگ عمارت تھی اور نہ کوئی دفتر، نہ کوئی باقاعدہ انتظام؛ بس چھتہ کی مسجد میں ایک پیڑ کے نیچے مدرسہ شروع کر دیا گیا۔

مگر شروع کرنے والوں کے دلوں میں کیسا اخلاص تھا؟ اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا کیسا جذبہ تھا کہ وہ چراغ جو چھتہ کی مسجد میں روشن کیا گیا تھا، اُسی ایک چراغ سے لاکھوں چراغ جل اُٹھے۔ اور پوری دنیا میں اُس کی لَو پھیل گئی اور صحیح دین لوگوں کے سامنے آیا۔

تو خلاصہ یہ کہ اگر آدمی کا جذبہ صادق اور درست ہو تو وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اُس میں ضرور برکتیں فرمائیں گے۔ شورش کاشمیری کا شعر ہے کہ:

گونجے گا چار کھونٹ میں نانوتویؒ کا نام
بانٹا ہے اُس نے بادۂ عرفانِ مصطفیٰ ﷺ

لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ سے بہر حال خیر کی اُمید رکھنی چاہئے، اور اپنی نیتوں کو درست رکھنے کا اہتمام ہونا چاہئے۔

تزکیہ کی ضرورت

تاہم نیتوں کی درستگی کے لئے تزکیہ کی ضرورت ہے، یعنی ایسے ماحول اور اَعمال کی ضرورت ہے، جن سے دل صاف، مجلّٰی اور مزکّٰی ہوجائے، جب تک دل مزکّٰی نہیں ہوگا تو آدمی کی نیت درست نہیں ہوسکتی۔

اِس کے لئے ضروری ہے کہ آدمی خانقاہوں کے نظام میں کچھ وقت گذارے، جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کے علاوہ اور کوئی بات موضوع بحث نہ ہو۔

نیک لوگوں کے ساتھ وقت گزرے گا۔

نیک اَعمال میں گزرے گا۔

تو اُس کا اثر آدمی کی طبیعت پر ضرور پڑے گا۔

چناں چہ اِس ادارہ کے قیام کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ اِس کو تزکیہ اور دلوں کی صفائی کا مرکز بنانا ہے۔

حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ جس مشن کو لے کر بستی بستی اَسفار فرماتے رہے، اُسی مشن کو ہمیں سامنے رکھنا ہے۔

الحمد للہ یہاں ماہانہ اِصلاحی مجلسوں کا سلسلہ ہے، نیز رمضان المبارک میں اعتکاف کا معمول ہے، تو اگر حسنِ نیت کے ساتھ یہ کام جاری رہیں گے تو اللہ تعالیٰ اُس کے اثرات اور ثمرات کو مزید بڑھائیں گے۔

آخری منزل کا استحضار

اور ہم سب کو اپنے تمام کاموں کے اندر آخرت کو کبھی بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے: اِس لئے کہ ہماری آخری منزل آخرت ہی ہے، دنیا تو محض ایک گذرگاہ ہے؛ گویا کہ یہ پلیٹ فارم ہے، موت کی گاڑی آنے والی ہے، کس کی کب آجائے یہ کسی کو پتہ نہیں ہے۔

اور آخرت کی منزل اتنی دور ہے کہ وہاں جا کر نہ کوئی واپس آیا ہے اور نہ آ سکتا ہے، اور اُس منزل میں اچھائی یا بُرائی، راحت یا پریشانی کا مدار اِس دنیا کی زندگی پر ہے، اگر ہم ابھی سے اگلی زندگی کے لئے تیاری کا اہتمام رکھیں گے، تو کل ہمیں شرمندگی کا سامنا کرنا نہیں پڑے گا۔

اور اگر دنیا کی زندگی غفلت میں گذر گئی، تو بعد میں شرمندگی کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوگا۔

اِس لئے ہم میں سے ہر شخص کو چاہئے کہ دنیا کی زندگی صحیح عقیدے اور صحیح اَعمال کے مطابق گذارے۔

اللہ تعالیٰ نے جو عبادتیں فرض فرمائی ہیں اُن کی اَدائیگی کا اہتمام ہو۔

ہم میں سے کسی آدمی کی کوئی فرض نماز وقت سے بے وقت نہ ہو۔

اور مرد حضرات نماز باجماعت مسجد میں جا کر اَدا کریں، اور عورتیں گھر میں اول وقت میں پڑھیں۔

اِسی طرح رمضان کے روزے اہتمام کے ساتھ رکھے جائیں، پورے مسلم معاشرہ کو روزہ دار بنانے پر محنت کی جائے۔

اور جو لوگ سرمایہ دار اور اہلِ ثروت ہیں، وہ حساب لگا کر اپنے مال کی زکوٰۃ اَدا کریں، اور صدقہ وخیرات میں بھی کمی نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے وسعت، طاقت، قوت اور صحت دی ہے تو حج کو جائیں، اُس میں بلاوجہ تاخیر نہ کریں۔

نیز ہمارے اُوپر کسی کا کوئی مالی حق ہو، تو اُس کو دنیا میں ہی اَدا کرنے کا اہتمام کریں۔

اِسی طرح وراثت میں شریعت کے حساب سے جس کا جو حصہ نکلتا ہے اُس کو دینے میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔

بھائیوں پر لازم ہے کہ بہنوں کے حقوق اَدا کریں۔

ماں کا جو حصہ بنتا ہے وہ ماں کو پہنچائیں۔

اور باپ کا جو حصہ بنتا ہو وہ باپ کو دیا جائے۔

پورے معاشرہ کا یہی ماحول بننا چاہئے۔

چندروزہ دنیاوی مفادات کے لئے خیانت اور بے ایمانی کرنا اور دوسرے کے مال کو ہڑپ کر لینا، یہ آخرت کے اعتبار سے بڑے نقصان کی بات ہے۔

اِسی طرح خیر کے کاموں میں ہمیں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے، مسجد ہو، مدرسہ ہو، غریب غرباء کی مدد ہو، اگر اللہ نے ہمیں مالی وسعت دی ہے تو ہم اِن جگہوں پر خرچ کر کے آخرت میں اپنے لئے ذخیرہ جمع کریں۔

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ آدمی کہتا ہے: "مَالِي، مَالِي" (میرا مال میرا مال) حالاں کہ حقیقی مال تو بس تین ہیں: "مَا أَكَلَ فَأَفْنٰى، وَمَا لَبِسَ فَأَبْلٰى، أَوْ أَعْطٰى فَاقْتَنٰى، وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ". (صحيح مسلم / كتاب الزهد رقم: ٢٩٥٩) (یعنی جو کھا پی کے برابر کیا، اور جو پہن کر پرانا کیا وہ اور جو اللہ کے پاس جمع کر دیا وہ کام آئے گا، اور اِن کے علاوہ مال یا تو فنا ہو جائے گا یا دوسرے لوگوں کے پاس چھوڑ کر جانا پڑے گا)

تو ہم سب کو اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہئے، اور اُس کے لئے تیاری جاری رکھنی چاہئے۔

چناں چہ جو آیت شروع میں آپ کے سامنے پڑھی گئی ہے، اُس میں اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [الحشر: ١٦] (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر آدمی غور کرے کہ کل قیامت کے لئے اُس نے پہلے سے کیا انتظام کر رکھا ہے؟ اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ کو خبر ہے اُن تمام باتوں کو جو تم کرتے ہو)

یعنی وہاں دھوکا نہیں چلے گا کہ چارٹ بنا کر لے جاؤ کہ میں نے یہ کیا، وہ کیا، یہ سب کچھ

نہیں چلے گا؛ بلکہ صحیح کیا ہے وہی رہے گا، اور جھوٹا دعویٰ قبول نہیں ہوگا، اِس لئے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے درست رکھنے کی فکر ہر وقت ہونی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ اِس مجلس کو بے حد قبول فرمائیں، اِس ادارہ کو غیب سے دن دونی رات چوگنی ترقیات سے مالا مال فرمائیں، ہمارے تمام اکابر کی قبروں کو نور سے منور فرمائیں، اور اُن کے لئے رفع درجات کے فیصلے فرمائیں، اور ہم سب کو اُن کے نقشِ قدم پر چلائیں، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر
سلسلہ اِشاعت: (۵۹)

تین یقینی باتیں

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری
اُستاذ فقہ وحدیث دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:
(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری
مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر
المركز العلمي للنشر والتحقيق
لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اشاعت: (۵۹)

- موضوعِ خطاب: تین یقینی باتیں
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : اجلاس مجیدی دارالعلوم ملاندو ضلع جمال پور بنگلہ دیش
- تاریخ : ۲۱؍ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۹؍نومبر ۲۰۱۸ء بروز جمعرات
- دورانیہ : ۳۰؍منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

- آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارک وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارک وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

عن أبي كبشة الأنماري رضي اللّٰه عنه أنه سمع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: ثلاثة أقسم عليهن الخ...... (۱) مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ (۲) وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلِمَةً فَصَبَرَ عَلَيْهَا إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ عِزًّا (۳) وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ. (سنن الترمذي / أبواب الزهد عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رقم: ۲۳۲۵) أو كما قال عليه الصلاة والسلام.

معزز علماء کرام! اور قریب اور دور سے تشریف لانے والے حاضرین جلسہ، اور پس پردہ ہماری مائیں اور بہنیں!

آپ حضرات نے اِس وقت محض دین کی نسبت سے جس محبت کا اظہار فرمایا ہے، اُس پر ہم صرف یہی دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سب حضرات کو اِس محبت اور عزت اَفزائی کا بہترین بدلہ دارین میں عطا فرمائیں۔ اور ہم سب کو اللہ واسطے آپس میں محبت کرنے والوں میں شامل فرمائیں، آمین۔

اِصلاحی اَسفار کے تین مقاصد

ہم جو ملکی یا بیرونی دینی اور دعوتی سفر کرتے ہیں، تو ہمارے پیش نظر تین باتیں رہتی ہیں:

(۱) پہلی بات یہ کہ جن حضرات نے اپنے تعلق اور حسن ظن کی بنیاد پر ہمیں دعوت دی ہے، تو اُن کی دعوت قبول کرنے سے اُن کے دل میں خوشی ہوگی۔ اور اپنے عمل سے کسی مؤمن کے دل کو خوش کرنا بجائے خود ایک بڑی نیکی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ: ''إِنَّ مِنْ أَحَبِّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ بَعْدَ الْفَرَائِضِ إِدْخَالُ السُّرُوْرِ عَلَى الْمُسْلِمِ''. (المعجم الاوسط للطبراني ۸/۴۵، مجمع الزوائد ۸/۱۹۶) (یعنی فرائض کے بعد اللہ تعالیٰ کے انتہائی پسندیدہ اعمال میں سے یہ ہے کہ کسی مسلمان کے دل کو خوش کر دیا جائے)

اور واقعۃً یہ بات نظر بھی آتی ہے کہ جب کسی مخلص داعی کی دعوت پر کسی جگہ حاضری ہوتی ہے، تو اُس کی مسرت اور خوشی کا اظہار الفاظ میں نہیں کیا جا سکتا۔ یہ خوشی اُن کے ہر عمل سے ظاہر ہوتی ہے؛ اِس لئے ہمیں مؤمن کی دل داری اور خوشنودی کی نیت سے سفر کا اہتمام کرنا چاہئے، یہ بڑے اجر وثواب کی بات ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

(۲) اور سفر کا دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دین کی باتیں لوگوں تک پہنچائی جائیں۔ بہت ممکن ہے کہ سامعین اُن کو سمجھ کر نصیحت حاصل کریں، اور اُن کی زندگی میں دینی انقلاب آئے، تو اُمید ہے کہ اُن کے اَجر وثواب میں کچھ حصہ ہمارا بھی ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے کچھ بعید نہیں ہے۔

(۳) اور تیسری نیت یہ ہوتی ہے کہ جس جگہ اور شہر میں جا کر اللہ تعالیٰ کا پیغام اور رسول

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ذکر کیا جائے گا، تو جہاں تک وہ آواز جائے گی، قیامت میں وہ جگہیں اُس کی گواہی دیں گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنے نامہ اعمال میں تو کچھ ہے نہیں، مگر ہوسکتا ہے یہی آمد ورفت، اور سننا سنانا ہمارے لئے آخرت میں زادِراہ اور ذریعہ نجات بن جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر مرحلہ پر حسنِ نیت کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

دین کی بقا کے لئے مدرسہ ضروری ہے

یہ مدرسہ کا جلسہ ہے اور مدرسہ کا وجود دین کی بقا کے لئے بظاہر اَسباب لازم اور ضروری ہے؛ کیوں کہ ہمارا دین محض ہوائی دین نہیں ہے کہ دو چار لوگ مل کر جو چاہیں فرضی باتیں چلا دیں، اور اُس پر دین کا لیبل لگا دیں، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا؛ بلکہ ہمارا دین دائمی دین ہے، اِس کا مدار قرآن وسنت کے مستحکم اور قابل اعتماد اُصولوں اور تعلیمات پر ہے، جنہیں کوئی مٹا نہیں سکتا۔

پس اگر اُمت میں قرآن وسنت کا علم پایا جائے گا، تو دین صحیح سالم اور زندہ رہے گا۔ اور اگر علم میں کمی یا اُس سے دوری ہوگی، اور صحیح معلومات لوگوں کو نہیں ملیں گی، تو اُمت راہِ حق سے بھٹک جائے گی، اور علم دین کے مراکز ہمارے مدارس ومکاتب ہیں، جو ملت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

علم دین کی مثال

علم دین کی مثال گاڑی کی لائٹ کی طرح ہے، مثلاً:

کوئی گاڑی بہت شان دار ہو۔

لاکھوں ٹکے کی ہو۔

اُس کی ہر چیز اچھی اور معیاری ہو۔

لیکن - اُس کی لائٹیں فیل ہوں، تو رات کے اندھیرے میں وہ چل نہیں سکتی۔

اب دیکھئے! کہ اگر چہ اُس میں انجن بھی ہے، اسٹیرنگ بھی ہے، شاندار سیٹیں بھی ہیں، پہیئے بھی اعلیٰ درجہ کے ہیں۔

لیکن اگر اُسے رات کے اندھیرے میں چلائیں گے، تو:

جانا کہیں تھا؛ مگر کہیں اور چلے جائیں گے۔

یا کسی چیز سے ٹکرا جائیں گے۔

یا کسی گڑھے میں گر جائیں گے۔

اِس کے برخلاف اگر گاڑی زیادہ اچھی اور مہنگی نہ ہو؛ لیکن اُس کی لائٹیں بہترین ہوں، تو آپ اُسے چاہے دن میں چلائیں یا رات میں، وہ بہر حال آپ کو منزل تک پہنچا دے گی، اور راستہ کے خطرات سے آپ محفوظ رہیں گے۔

اِسی طرح علم دین ایک روشنی ہے، اُس کے اُجالے میں زندگی کا جو سفر طے ہوگا، وہ منزل تک پہنچے گا۔ اور وہ آخری منزل اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی جنت ہے۔

خلاصہ یہ کہ جنت تک رسائی کے لئے علم دین کا ضروری علم لازم ہے۔ ہر مسلمان کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ شریعت میں کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز؟ کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ اور عبادات کا طریقہ کیا ہے؟ اور معاشرت اور اخلاق کو کیسے سدھارا جائے؟ وغیرہ۔

یہ سب باتیں آپ کو مدرسوں میں بتائی اور پڑھائی جاتی ہیں۔

اِس لئے اِن مدرسوں کی بقا اور تحفظ میں ہمارا جتنا بھی حصہ ہوجائے وہ ہمارے لئے سعادت اور نفع کی بات ہے۔

اِسی مناسبت سے ہم نے آپ کے سامنے یہ حدیث پڑھی ہے۔ حضرت ابوکبشہ انماری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر تین باتیں اِرشاد فرمائی ہیں۔

آپ کا اِرشاد تو بغیر قسم کے بھی سو فیصد سچا ہے؛ لیکن آپ نے تاکید کے طور پر قسمیہ جملہ اِرشاد فرمایا:

صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی

اُن میں سے پہلی بات یہ ہے کہ: ''مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ'' (صدقہ دینے سے کسی آدمی کے مال میں کمی نہیں آتی)

عام طور پر شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر صدقہ دے دیا تو:

تمہارے مال میں کمی آجائے گی۔

تمہاری ضرورتیں رک جائیں گی۔

تمہارا بیلنس گھٹ جائے گا، وغیرہ۔

لیکن پیغمبر علیہ السلام قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں آتی۔

یعنی اگر تم یتیموں، بیواؤں، محتاجوں اور مدرسے کے نادار طلبہ پر خرچ کروگے، تو اِس سے تمہارا مال گھٹے گا نہیں؛ بلکہ اور بڑھے گا۔

اور بظاہر جو روپیہ پیسہ میں کمی محسوس ہوگی، تو اللہ کی عطا کردہ برکت سے بہت جلد اُس کی تلافی ہو جائے گی، اور خرچ سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ نعم البدل عطا فرمائیں گے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ [سباء، جزء آیت: ۳۹] (اور جو کچھ بھی تم راہِ خدا میں خرچ کرتے ہو، تو اللہ تعالیٰ تمہیں اُس کا بدلہ عطا فرمائیں گے اور وہ بہترین روزی دینے والے ہیں)

ایک عبرت آموز واقعہ

اِس بات کی تائید صحیح روایت میں ذکر کردہ ایک سچے واقعہ سے ہوتی ہے۔ نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا کہ ایک آدمی جنگل میں چلا جا رہا تھا، اَچانک اُسے بادلوں کے اندر سے ایک آواز سنائی دی کہ: ''اِسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ'' (فلاں آدمی کے باغیچے کو سیراب کرو) تو اُس نے دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا الگ ہوا، اور ایک پتھریلے میدان میں جا کر برس

پڑا، پھر وہاں سے وہ پانی ایک بڑے نالے میں جمع ہوکر آگے بہنے لگا، تو یہ شخص پانی کے پیچھے پیچھے چلا، کچھ دور پہنچ کر دیکھا کہ ایک باغیچہ ہے، اس میں ایک آدمی پھاوڑا لئے کھڑا ہے اور پانی کی نالیاں بنا کر باغ کو سیراب کررہا ہے۔

اُس نے حیرت سے اُس آدمی کا نام پوچھا، تو اُس نے وہی نام بتایا جو اُس نے بادل کی آواز میں سنا تھا۔

تو اُس باغ والے نے اُس سے پوچھا کہ اللہ کے بندے تم ہمارا نام کیوں پوچھ رہے ہو؟

تو اُس نے بادل سے آنے والی آواز اور بارش کا پورا قصہ سنایا، پھر یہ پوچھا کہ تم اِس باغیچے میں کیا عمل کرتے ہو؟

تو اُس باغ والے نے جواب دیا کہ میں باغیچے کی کل آمدنی کو تین حصوں میں بانٹ لیتا ہوں۔ تہائی حصہ مسکینوں اور مسافروں پر صدقہ کردیتا ہوں، تہائی سے اپنے گھر بار کا خرچہ چلاتا ہوں، اور بقیہ تہائی رقم دوبارہ باغ کی دیکھ ریکھ میں لگا دیتا ہوں۔ (صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقائق/ باب الصدقۃ فی المساکین حدیث: ۲۹۸۴)

تو دیکھئے! صدقہ کی برکت یہاں کیسے ظاہر ہوئی؟ کہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو خاص طور پر اِس باغیچے پر پانی برسانے کا حکم دے دیا۔

لوگ سینچائی کے لئے بورویل لگاتے ہیں، اور دیگر انتظامات کرتے ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے مخلصانہ صدقہ کی برکت سے ظاہری اسباب کے بغیر باغ کو سیرابی عطا فرمائی۔

یہ تو صدقہ کی وجہ سے مال میں برکت کی محض ایک مثال ہے، ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے بخشش وعطا کے ہزاروں راستے ہیں، جس کا ہر شخص تجربہ کرسکتا ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ صدقہ خیرات کرتا ہے اُتنا ہی اُس کے مال اور کاروبار میں برکت ہوتی ہے۔

مدرسہ والے ہر سال تعاون کے لئے مدرسہ کے معاونین کے پاس جاتے ہیں، اور

معمول یہ ہے کہ اگر کسی نے اِس سال سو روپئے دیئے ہیں، تو اگلے سال اُس کی رسید سو سے کم کی نہیں کاٹتے؛ بلکہ مزید اِضافہ کا مطالبہ کرتے ہیں، اور اکثر حضرات اِس مطالبے کو بخوشی قبول کرتے ہوئے تعاون میں اِضافہ بھی کر دیتے ہیں۔ یہ بجائے خود اِس بات کی دلیل ہے کہ صدقہ اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے اُن کے مال میں کمی نہیں آتی؛ کیوں کہ اگر صدقہ سے مال کم ہوا کرتا، تو اگلے سال اُس کی رسید پہلے سے کم ہو جاتی؛ حالاں کہ اکثر ایسا نہیں ہوتا۔

بہر حال یہ تو دنیا کی کمی بیشی کی بات ہے، ورنہ آخرت میں صدقہ کے تھوڑے بہت مال کا بھی اجر و ثواب عظیم الشان پہاڑوں کے برابر ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۲۷۶] (یعنی اللہ تعالیٰ سود (اور حرام مال) کو تو مٹا دیتے ہیں؛ لیکن صدقات کے مال میں اِضافہ فرماتے ہیں)

اِس لئے ہر آدمی کو اپنی حیثیت کے مطابق صدقہ کا اہتمام کرنا چاہئے؛ کیوں کہ یہ بڑی خیر و برکت کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

ظلم پر صبر کا نتیجہ

(۲) اور دوسری بات آپ نے قسم کھا کر اِرشاد فرمائی کہ: ”وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلِمَةً فَصَبَرَ عَلَيْهَا إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ عِزًّا“ (یعنی جس آدمی پر ظلم کیا جائے، پھر وہ اُس پر صبر کرے (اِنتقام نہ لے) تو اللہ تعالیٰ یقیناً اُس کی عزت میں اِضافہ فرمائیں گے)

ایسے موقعوں پر شیطان یہی پٹی پڑھاتا ہے کہ خاموش مت بیٹھو! بلکہ ڈٹ کر جواب دو، اور اینٹ کا جواب پتھر سے دو؛ لیکن پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کامل عزت جب ملے گی جب تم عفو و درگذر اور صبر سے کام لو گے؛ گویا کہ غصے کو پی جاؤ گے، اور انتقام کو تھوک دو گے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں ضرور عزت عطا فرمائیں گے۔

یاد رکھئے! انتقام لینے سے عزت نہیں بڑھتی؛ بلکہ معاف کرنے سے عزت بڑھتی ہے۔ دنیا کا تجربہ ہے کہ انتقام سے نفرت وعداوت کی آگ مزید بھڑک جاتی ہے، اور سلسلہ در سلسلہ ایک دوسرے سے انتقام کا تسلسل جاری رہتا ہے، جس کی وجہ سے دنیا کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔

اِس کے برخلاف عفو ودرگذر سے نفرتیں محبت میں بدلتی ہیں، اور بڑے بڑے فتنے دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ جاتے ہیں۔

لہٰذا عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کی چندروزہ زندگی لڑ جھگڑ کر گذارنے کے بجائے پیار ومحبت سے گذاری جائے۔

ہمیں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ کے موقع پر روشن کردار سامنے رکھنا چاہئے، کہ مکہ کے وہ لوگ جو آپ کے جانی دشمن تھے، اور جنہوں نے آپ کو ذلیل کرنے اور ستانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، جس کی وجہ سے آپ کو مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنی پڑی، مگر مکہ کے لوگوں نے مدینہ منورہ میں بھی آپ کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

اِس کے باوجود آپ کا عظیم کردار یہ تھا کہ جس وقت فتح مکہ کے موقع پر آپ شہر میں داخل ہو رہے تھے، تو سرِ مبارک شکر خداوندی میں جھکا ہوا تھا، اور آپ کی طرف سے انتقام اور بدلہ لینے کے بجائے یہ خوش گوار اعلانات ہو رہے تھے کہ:

جو حرم میں آجائے وہ اَمن میں ہے۔

جو سردار مکہ ابوسفیان کے گھر آجائے وہ اَمن میں ہے۔

حتیٰ کہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے اور لڑائی چھوڑ دے، وہ بھی امن میں ہے۔

الغرض ہر طرف اَمن اَمن کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ (صحیح مسلم/ باب فتح مکۃ حدیث: ۱۷۸۰، سنن ابی داؤد/ باب ماجاء فی خبر مکۃ حدیث: ۳۰۲۱)

آپ کے اِس حکیمانہ اور رحمت سے بھرپور طرز عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ جانی دشمن تھے، وہ بالآخر جگری دوست بن گئے، اور جو ایک دوسرے کی صورتوں سے متنفر تھے، اللہ تعالیٰ نے

اُن کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈال دی، جس سے پورے معاشرے کی عزت میں بے مثال اِضافہ ہوا، فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

اِس لئے آج ہمیں اپنے چھوٹے موٹے ذاتی نوعیت کے اختلافات کو بڑھنے نہیں دینا چاہئے؛ بلکہ جلد اَز جلد اُن کو ختم کرنے کی کوشش ہونی چاہئے، اِس سے آپس میں محبت بھی بڑھے گی، اور عزت میں بھی اِضافہ ہوگا، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

ایک واقعہ

کافی عرصے کی بات ہے کہ ایک شہر کی مسجد میں ہم نے جمعہ کے بیان میں یہی حدیث ذکر کی، تو جمعہ کے بعد ایک نوجوان ملا، اور اُس نے ہمارا ہاتھ پکڑ کر بڑے ہی پراَثر انداز میں یہ کہا کہ ایک شخص نے میرے ساتھ بڑی حق تلفی کر رکھی ہے، اور میں اُس سے بدلہ لینے کا پکا اِرادہ کر چکا تھا؛ لیکن میں آج یہ حدیث سن کر آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنے دل سے بدلہ لینے کی بات نکال دی ہے، اَب میں کوئی انتقام نہیں لوں گا۔ پھر کہنے لگا کہ اَب میں اپنے کو بہت ہلکا محسوس کر رہا ہوں؛ گویا کہ میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اُتر گیا۔

واقعی یہ بہت بڑی بات ہے کہ آدمی مظلوم ہونے اور بدلہ لینے پر قدرت کے باوجود صبر کرلے، تو اِس قربانی پر اُس کی جتنی بھی عزت افزائی ہو وہ کم ہے۔

مخلوق سے اُمید نہ رکھیں

(۳) اُس کے بعد آپ نے قسم کھا کر تیسری بات اِرشاد فرمائی کہ: ”وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ“ (یعنی جو شخص اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے فقر وفاقہ کا دروازہ کھول دیتے ہیں)

یعنی جو شخص خالق سے منہ موڑ کر ساری اُمیدیں مخلوق سے وابستہ کر لیتا ہے، تو اُس کی ضرورتیں کبھی پوری نہیں ہوتیں، اور وہ ہمیشہ محتاجگی والی زندگی بسر کرتا ہے۔

اِس کے برخلاف جو شخص مخلوق کے بجائے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرے، اور

اُسی سے اُمید رکھے، تو دیر سویر اُس کے لئے فتوحات کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ اُس بندے کو مخلوق سے مستغنی فرمادیتے ہیں۔

اِسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر اپنی دعا میں یہ کلمات اِرشاد فرماتے تھے:

”لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ“. (صحيح البخاري / باب الذكر بعد الصلاة حديث: ٨٤٤) (اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اے اللہ! آپ جس کو دینا چاہیں، اُسے کوئی روک نہیں سکتا، اور جس کو نہ دینا چاہیں، اُسے کوئی عطا نہیں کرسکتا، اور آپ کے مقابلے میں کوئی نعمت یا محنت کسی کو نفع نہیں پہنچا سکتی)

نیز یہ بات بھی برحق ہے کہ بندے کا اپنے رب سے مانگنا بندے کے لئے عزت اور فخر کی بات ہے، جب کہ بندہ کا اپنے جیسے بندے کے سامنے ہاتھ پھیلانا اُس کے لئے سب سے بڑی ذلت اور رسوائی ہے۔

بہرحال اِس نبوی تنبیہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اِنسان کو اپنی ہر مصیبت اور ضرورت کے بارے میں اللہ رب العالمین کی طرف ہی رجوع کرنا چاہئے، اور اُسی پر بھروسہ کرکے زندگی گذارنی چاہئے۔

مخلوق کے حقوق تو ضرور اَدا کئے جائیں؛ لیکن استغناء کے ساتھ اُمیدیں اللہ تعالیٰ سے ہی رکھی جائیں، تو اِن شاء اللہ پرسکون اور عافیت والی زندگی نصیب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مذکورہ تینوں ہدایتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اِس مدرسہ کو خوب خوب ترقیات سے مالا مال فرمائیں، اَساتذہ اور طلبہ کے علم میں برکتیں عطا فرمائیں، منتظمین اور معاونین کو جزائے خیر سے نوازیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (٦٠)

علم میں اِضافہ کی دعا

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۶۰)

موضوعِ خطاب	:	علم میں اِضافہ کی دعا
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	مدرسہ خادم العلوم باغوں والی ضلع مظفر نگر یوپی
تاریخ	:	۲۶/صفر ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۴/ستمبر ۲۰۲۲ء بروز ہفتہ
دورانیہ	:	۲۳/منٹ تقریباً
جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا ھادي لہٗ، ونشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ، ونشھد أن سیدنا وحبیبنا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾ [طٰہ: جزء آیت: ۱۱۴]

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَلِيُّ الْعَظِیْمُ.

معزز اساتذۂ کرام، طلبۂ عزیز! اِس وقت آپ کے سامنے ایک آیت کا ٹکڑا تلاوت کیا گیا ہے، جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک اہم دعا تلقین فرمائی ہے کہ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ اِن الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کریں کہ: ﴿رَبِّ

زِدْنِیْ عِلْمًا﴾ [طٰه: جزء آیت: ۱۱۴] کہ ’’اے میرے رب! میرے علم میں اِضافہ فرمائیے‘‘۔

اِس میں ایک نصیحت تو یہ ہے کہ آدمی کتنے ہی اُونچے سے اُونچے مقام تک پہنچ جائے، اُسے کبھی بھی دعا سے مستغنی نہیں ہونا چاہیے؛ بلکہ ہمیشہ اپنی ہر ضرورت اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت بنانی چاہیے؛ کیوں کہ جس شخص کے لئے ’’دعا‘‘ کا دروازہ کھل جائے وہ کبھی بھی محروم نہیں رہ سکتا۔

بے شک دنیا دارالاسباب ہے، اِس لئے مقاصد کے حصول کے لئے اَسباب اختیار کرنا ضروری ہے؛ لیکن دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع بھی لازم ہے، اُس کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

اِس دعا سے دوسری نصیحت یہ حاصل ہوتی ہے کہ آدمی کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو جائے؛ مگر اُسے کبھی بھی اپنے آپ کو علم میں اِضافہ سے بے نیاز نہیں سمجھنا چاہیے؛ بلکہ ہمیشہ علم کی مزید طلب میں لگے رہنا چاہیے؛ جیسا کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ: ’’مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ، مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ، وَمَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا‘‘ ...... الخ. (سنن الدارمي حديث: ۳٤۳) (یعنی دو بھوکوں کی بھوک کبھی نہیں مٹتی: (۱) علم کا بھوکا؛ جو کبھی سیراب نہیں ہوتا (۲) دنیا کا حریص؛ جس کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا)

لہٰذا ہمیں بھی ایسے ہی اہلِ علم میں شامل ہونا چاہیے، جو کبھی بھی علم سے بے رغبت نہ ہوں۔ ہم چاہیں جتنا بھی پڑھ لیں؛ لیکن مزید پڑھنے اور مطالعہ کرنے سے ہماری طبعیت اُکتانی نہیں چاہیے؛ بلکہ طلب باقی رہنی چاہیے۔ اور جو بھی نئی بات یا کوئی نئی کتاب یا تحریر ہمارے سامنے آئے، تو اُسے پڑھنے کا دلی شوق ہونا چاہیے، اور دورانِ مطالعہ کوئی کام کی بات نظر پڑے تو اُسے محفوظ کر لینا چاہیے۔

یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے علومِ تشریعیہ میں جتنا بڑا حصہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا تھا، اُتنا کسی اور کو عطا نہیں ہوا۔

خود پیغمبر علیہ السلام کا اِرشاد ہے: ’’أُوْتِيْتُ مَفَاتِيْحَ كُلِّ شَيْءٍ‘‘. (الخصائص الکبریٰ

۱۹۴/۲) (یعنی مجھے ہر چیز کی چابیاں عطا ہوئی ہیں) اور بلا شبہ روئے زمین پر آپؐ سے بڑا کوئی عالم نہیں؛ لیکن اِس کے باوجود آپ کی زبانِ مبارک سے یہ دعا منگوائی جارہی ہے کہ: ﴿رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾ (یعنی اے رب! میرے علم میں اِضافہ فرمائیے) اِس میں دراصل پوری اُمت کو نصیحت کرنا مقصود ہے کہ جب حضور اکرم علیہ السلام یہ دعا مانگ رہے ہیں تو تمہیں تو بدرجہ اولیٰ مانگنی چاہیے، یعنی علم کی طلب تمہارے دل میں برقرار رہنی چاہیے۔

علم میں اِضافہ کے ذرائع واَسباب

مگر آپ جانتے ہیں کہ دنیا اَسباب کے تابع ہے، پس اگر آپ نے علم حاصل کرنے یا مزید طلب کرنے کے ذرائع کو اختیار نہیں کیا، اور صرف دعا ہی کرتے رہے، تو یہ دعا قبول نہیں ہوگی؛ بلکہ محض دعا ہی رہ جائے گی۔ اِس لئے علم میں اضافہ کے ظاہری اَسباب کو اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔

چناں چہ اَولاً جو بنیادی علوم ہیں، جیسے: نحو، صرف، لغت وغیرہ، اُن میں کمال پیدا کرنا لازم ہے، اگر اُن میں کمی رہ جائے گی، اور فاعل، مفعول، واحد، تثنیہ اور جمع وغیرہ کی پہچان نہ ہوگی، اور اِن علوم میں ضروری مہارت کے بغیر اگر آپ اگلے درجات میں چلے جائیں گے، تو ابتدائی درجات کی کمی آخر تک برقرار رہے گی، اور علم میں اِضافہ کے بجائے اِنحطاط ہوتا چلا جائے گا۔

اِس لئے بالخصوص ابتدائی عربی درجات میں خوب محنت کرنے کی ضرورت ہے، اِن سالوں میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اُن کو زبانی رٹنا چاہیے، اور اُن کے اہم مباحث چاہے سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں، اُنہیں زبانی یاد کرنا ضروری ہے؛ تا کہ وہ اگلی زندگی میں ہمارے کام آسکیں۔

دوسرے یہ کہ جب ہمیں سبق پڑھنا ہے تو سبق میں حاضری سے پہلے اُس پر ہمیں نظر ڈال لینی چاہیے، اور ہماری کتابوں میں جو ضروری حواشی چھپے ہوئے ہیں، اُن کو بھی مطالعہ میں لے آنا چاہیے، ممکن ہے کہ ابھی آدھا اَدھورا سمجھ میں آئے؛ لیکن جب آپ مطالعہ کر کے درس میں بیٹھیں گے تو جو کمی ہوگی وہ اُستاذ کی تقریر سے پوری ہو جائے گی اور طالب علم کو شرحِ صدر نصیب ہوگا، اور اُس کی طبعیت درس میں لگے گی۔

اور اگر سبق کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے، تو اُستاذ سے مناسب انداز میں بے خوف ہوکر سوال کیا جائے؛ اِس لئے کہ طالبِ علم کا درس کے بارے میں سوال کرنا، اُس کی سلامت روی کی بڑی دلیل سمجھا جاتا ہے، اور اچھا سوال کرنے والا طالبِ علم اچھے اُستاذ کا منظورِ نظر بن جاتا ہے۔ اِس لئے ہمیں سبق سے پہلے سبق پر ایک نظر ڈال لینی چاہئے۔

پھر واپسی کے بعد ہم نے جو پڑھ لیا ہے، اُسے بعد میں دوہرائیں؛ تاکہ مزید استحکام حاصل ہو، اور اگر موقع ہو تو تکرار بھی کرائیں۔

اِسی طرح ابھی سے ہمیں عادت ڈالنی ہے کہ جو بھی اُستاذ کی تقریر کے دَوران یا مطالعہ کے دَوران کوئی اہم بات ہمیں نظر آئے، تو اُسے ایک کاپی میں نوٹ کرلیں، اِس کو نوٹ کرنے سے آدمی کے لئے بڑی بڑی بحثوں کو یاد رکھنا آسان ہوجاتا ہے۔ عربی کا مقولہ ہے: ''**اَلْقِرَاءَۃُ صَیْدٌ وَالْکِتَابَۃُ قَیْدٌ**'' (یعنی پڑھنا تو ایسا ہے جیسے جنگل میں شکار نظر آگیا اور لکھنا ایسا ہے جیسا ہم نے اُسے پکڑ کر باندھ دیا، اور وہ چیز محفوظ ہوگئی) ہمیں اِس کا اہتمام ابھی سے کرنا ہے، اگر ہم نیچے کے درجات سے اہتمام کریں گے تو اُوپر درجات تک پہنچتے پہنچتے عادت بن جائے گی، اور پھر اُن بڑی کتابوں کی اگر ہم نے اُستاد کی تقریر کی کاپی بنالی، تو یہ ہمارے لئے بہت بڑا ایک علمی سرمایہ ہوگا، جو قدم قدم پر ہمارے کام آئے گا۔

گناہوں سے بچیں!

اِسی طرح ہمیں چاہئے کہ ہر اُس کام سے بچیں جس سے علم میں کمی پیدا ہوتی ہے۔ اَب سوال یہ ہے کہ وہ کون سے کام ہیں؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے گناہ کے کام ہیں، جن کی نحوست سے ذہن ودماغ میں پیدا شدہ علم کی روشنی تاریکی میں بدل جاتی ہے، نعوذ باللہ من ذلک۔ اِس لئے ہم سب کو ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔

کتابوں کا اَدب واحترام

اِسی طرح کتابوں کا اَدب اور احترام بھی بجالائیں؛ حتیٰ کہ علماء نے لکھا ہے کہ اَلماری

میں کتاب رکھتے وقت ترتیب کا خیال رکھیں، مثلاً: سب سے اُوپر تفسیر، پھر حدیث، پھر فقہ، پھر نحو وصرف وغیرہ کی کتابیں رکھنی چاہیئے۔

جب درس گاہ میں آئیں تو کتاب دائیں ہاتھ میں لے کر آئیں، سینے سے لگا کر رکھیں، نیچے نہ لٹکائیں اور نہ بائیں ہاتھ میں لیں، یا جیسا کہ آج کل طریقہ چل گیا کہ پیچھے لٹکنے والا بیگ ہوتا ہے، اُسی میں کتابیں بھر لیتے ہیں، یہ بے اَدبی کی بات ہے، اِس سے علم میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

نیز اپنی نیت درست رکھیں کہ ہم جو علم سیکھ رہے ہیں، اُسے کسی پر برتری کے لئے نہیں سیکھ رہے؛ بلکہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا جوئی، دین کی اِشاعت اور اُس کی بقا میں حصہ داری کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ہم یہ محنت کر رہے ہیں۔

اِن باتوں کا لحاظ رکھیں گے تو یہ دعا اِن شاءاللہ ضرور قبول ہوگی، تو یہ چھوٹی سی دعا ہے: مگر ہر عالم اور ہر طالبِ علم اور ہر علمی مشغلے میں لگے رہنے والے کے لئے لازمی اور ضروری دعا ہے۔

علم نافع

اَب سوال یہ ہے کہ مذکورہ دعائیہ آیت میں علم سے کیا مراد ہے؟ کیوں کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کسی اور علم کے بارے میں لوگ یہ آیت پڑھنی شروع کردیں کہ علم تو ڈاکٹری اور انجینئری کا بھی ہے، تو جاننا چاہیئے کہ شریعت کی اصطلاح میں علم سے مراد علمِ نافع ہے، جس کا متن قرآنِ کریم ہے، اور اَحادیث شریفہ اُس کی شرح ہیں۔

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علمِ نافع کی دعا مانگی ہے، اور علم غیر نافع سے پناہ مانگنے کی تاکید کی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: ”**سَلُوا اللّٰهَ عِلْمًا نَافِعًا وَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ**“. (سنن ابن ماجة / كتاب الدعاء حديث: ۳۸۴۳) (یعنی اللہ تعالیٰ سے علم نافع کا سوال کرو اور غیر نافع علم سے پناہ مانگو)

نیز پیغمبر علیہ السلام اِن اَلفاظ میں بھی دعا فرمایا کرتے تھے: ”**اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَعَلِّمْنِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ، وَزِدْنِيْ عِلْمًا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ، وَأَعُوْذُ**

بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ أَهْلِ النَّارِ". (سنن الترمذي / أبواب الدعوات رقم: ٣٥٩٩، تفسير ابن كثير مكمل ص: ٨٦٣ دار السلام رياض) (اے اللہ! مجھے آپ کے عطا کردہ علم سے نفع اُٹھانے کی توفیق عطا فرما اور مجھے علم نافع نصیب فرما، اور میرے علم میں اِضافہ فرما، ہر طرح کی خوبیاں بہرحال اللہ ہی کے لئے ہیں، اور میں اللہ تعالیٰ سے جہنمیوں کے اَحوال (کفر وفسق اور عذاب وغیرہ) سے پناہ چاہتا ہوں)

ظاہر ہے کہ علمِ نافع وہی ہے جو آخرت میں موجبِ نجات ہو، اور خود عالم اُس پر عامل بھی ہو، یعنی خالی زبان پر نہ ہو؛ بلکہ اعضاء وجوارح پر بھی اُس علم کا اثر ہو۔

اِسی طرح علم نافع وہ ہے جو عالم کی ذات تک محدود نہ رہے؛ بلکہ دوسروں تک متعدی ہو۔

البتہ علم کو متعدی کرنے کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں، مثلاً: تدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وتذکیر وغیرہ۔

اِس لئے ہمیں اپنے دل میں ارادہ اور عزم کرنا ہے کہ اِن شاء اللہ ہم اپنے علم کو علمِ نافع بنانے پر محنت کریں گے۔

اور جہاں تک ہو سکے گا ہم دوسروں تک پہنچانے اور منتقل کرنے کی کوشش کریں گے۔

اِس کے ذریعہ خود اپنی زندگی سنوارنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی سنوارنے کی کوشش کریں گے۔ ''ہمتِ مرداں مددِ خدا'' یعنی جب آدمی ہمت اور عزم کرتا ہے، تو اللہ کی مدد آتی ہے۔

اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہمارا طالب علمی کا یہ زمانہ پوری زندگی کا خلاصہ اور سرمایہ ہے، جو اِن سالوں کو کارآمد بنالے گا، اُس کی زندگی کارآمد اور روشن ہو جائے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اور اُس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ دین کی اِشاعت کا کام لیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، کہنے سننے سے زیادہ عمل کی سعادت سے نوازیں۔ آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ

بِرَحْمَتِکَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (٦١)

علمی رسوخ کی ضرورت

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [الذٰريٰت: ٥٥]
(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (٦١)

- موضوعِ خطاب : علمی رسوخ کی ضرورت
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : دار العلوم لوناواڑا گجرات
- تاریخ : ۱۸ر صفر ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۶ر ستمبر ۲۰۲۲ء بروز جمعہ
- دورانیہ : ۲۵ر منٹ تقریباً
- جمع وضبط : (مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

- آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یهده اللّٰہ فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا هادي لہٗ، ونشهد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ، ونشهد أن سیدنا وحبیبنا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ، کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ [اٰل عمران، جزء آیت: ۷]

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ.

معزز علماءِ کرام، طلبہ عزیز! اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اُس نے ہمیں لاکھوں، کروڑوں لوگوں میں سے دنیا کے سب سے بہترین مشغلے میں لگنے کے لئے منتخب فرمایا ہے۔

حضرت اِمام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ اگر نیت درست ہوتو روئے زمین پرسب سے بہترین مشغلہ علم حدیث یعنی علم دین کی طلب میں مشغول ہونا ہے۔

تو آپ سے پوچھا گیا کہ نیت صحیح اور سچی ہونے سے کیا مراد ہے؟

تو حضرتؒ نے فرمایا کہ: ''یُرِیْدُ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَالْفَوْزَ فِي الْآخِرَةِ''. (حلية الأولياء ٣٦٦/٦، من أخبار السلف الصالح ص: ٢٢) (یعنی اِس مشغلہ میں لگنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور آخرت میں کامیابی ہونا چاہئے)

اور علم دین کی طلب سے مراد صرف اِصطلاحی طالبِ علم ہی نہیں؛ بلکہ حضراتِ اَساتذہ کرام بھی اِس میں داخل ہیں؛ کیوں کہ علم کی طلب پوری طرح بغیر تدریس کے حاصل نہیں ہوسکتی۔

البتہ طالبِ علم کی طلب کا معیار الگ ہے اور اُستاد کی طلب کا معیار الگ ہے۔

یعنی طالبِ علم اِس لئے طلب کرتا ہے کہ اتنی کتاب سمجھ لے، یا یاد کرلے کہ امتحان میں پریشانی نہ ہو؛ لیکن اُستاد جب طلب کرتا ہے اور مطالعہ کرتا ہے، تو اُس کا معیار یہ ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اچھی طرح سمجھ لے، اور دوسروں کو بھی سمجھا دے۔ تو ظاہر ہے کہ طلب کا یہ معیار عام طالب علم کی طلب سے اُونچا ہے؛ اگرچہ فی الجملہ طلب دونوں میں پائی جاتی ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہمیں سب سے بہترین مشغلے میں لگا رکھا ہے، جس پر اُٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری لازم ہے۔

تعلیم وتعلم: بقائے دین کا سبب

اور ہمیں یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ بظاہرِ اَسباب اللہ رب العالمین نے دنیا میں دین کی بقا کے لئے اِسی تعلیم وتعلم کو سبب کے درجہ میں رکھ دیا ہے۔

ویسے تو اللہ تعالیٰ کا دین ہے، وہ جیسے چاہے، اور جب تک چاہے، اور جس طرح چاہے اُسے باقی رکھے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

لیکن دنیا چوں کہ دارالاسباب ہے؛ اِس لئے اُس نے درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کو

دین کی بقا کا بڑا سبب بنا دیا ہے۔

پس موجودہ دَور میں پوری دنیا میں مدارس ومکاتب کا یہ سلسلہ دین کے لئے ''شہِ رگ'' کی حیثیت رکھتا ہے، اگر یہ سلسلہ باقی رہے گا تو دین پھلے اور پھولے گا، اور اگلی نسلوں تک منتقل ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اور اگر اُس میں خدانخواستہ خلل آیا تو دین کے اندر خلل آجائے گا۔

اِس لئے ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اِس تسلسل کو باقی رکھیں اور ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے اس میں جو رکاوٹیں پیش آرہی ہیں اُنہیں دُور فرمادیں، آمین۔

محض علم کافی نہیں

حضراتِ گرامی! لیکن یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ محض علم برائے علم کوئی چیز نہیں ہے؛ بلکہ علم کے تقاضوں پر جب تک عمل نہ ہو تو علم مفید نہیں ہوسکتا؛ چناں چہ بہت سے غیر مسلموں کو بھی شریعت کا علم حاصل ہے، مگر وہ اُن کے لئے ذریعہ نجات نہیں۔

آپ نے سنا یا دیکھا ہوگا کہ اطرافِ حدیث پر ایک بڑی کارآمد کتاب ہے، جس کا نام: ''**المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوي الشريف**'' ہے، جو ۶؍ ضخیم جلدوں میں شائع شدہ ہے۔ اگر آپ کو کسی حدیث کا کوئی لفظ بھی یاد ہے تو اِس کتاب میں تلاش کرنے سے پوری حدیث کا متن اور حوالہ دستیاب ہوجائے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ کتنا بڑا محنت اور مشقت کا کام ہے اور کتنا علم اُس کے لئے چاہئے؛ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اِس کتاب کے مرتب کرنے والے سبھی یہودی مستشرق ہیں، جو مسلمان نہیں ہیں؛ لیکن اتنی عظیم خدمت کے باوجود اِیمان کے بغیر یہ عمل اُن کے لئے نجات کا سبب نہیں بن سکتا۔

خود سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے یہودی علماء اور اَحبار تھے، وہ سب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا علم رکھتے تھے۔ قرآن کہتا ہے کہ اِن اہل کتاب کو

پیغمبر علیہ السلام کی سچائی کا ایسے یقین تھا جیسے باپ کو اپنے سگے بیٹوں کے بارے میں یقین ہوتا ہے؛ لیکن اِس کے باوجود اُنہیں آخرت میں نجات نہیں ملے گی؛ کیوں کہ وہ ایمان کی دولت سے محروم رہے؛ اِس لئے محض علم کوئی چیز نہیں ہے، اُس کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔

علم صحیح اور صحبتِ صالح

محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہم نے کئی مرتبہ سنا، حضرت فرماتے تھے کہ: ''دو چیزیں ہدایت پر قائم رہنے کے لئے ضروری ہیں: (۱) علمِ صحیح (۲) صحبتِ صالح''۔ یعنی علم بھی صحیح ہونا چاہئے اور ساتھ میں صلحاء کی صحبت بھی ملنی چاہئے، تبھی آدمی پر دینی رنگ چڑھتا ہے، ورنہ کہیں نہ کہیں کمی رہ جاتی ہے۔

ہمارے اکابر رحمہم اللہ نے جو مدارس کا سلسلہ قائم فرمایا اُن کے پیشِ نظر بھی یہی دو باتیں تھیں کہ اُمت میں علمِ صحیح رائج ہو اور صلحاء کی صحبت نصیب ہو؛ اِسی لئے ہمارے مدارس میں صرف علم پڑھایا ہی نہیں جاتا؛ بلکہ ساتھ میں طلبہ کو دینی تربیت دینے کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔

دارالعلوم دیو بند کے تعارف میں یہ بات لکھی ہے کہ دارالعلوم دیو بند اور اُس سے ملحقہ مدارس میں طلبہ کو براہِ راست یعنی آف لائن تعلیم دی جاتی ہے، آن لائن فاصلاتی تعلیم نہیں دی جاتی، یعنی طلبہ کو داخل کر کے اور ہوسٹل میں رکھ کر تعلیم وتدریس کا نظم کیا جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ فاصلاتی تعلیم کے ذریعہ دور رہ کر بھی طلبہ کو پڑھایا جائے اور سند دی جائے؛ اِس لئے کہ آن لائن تعلیم تو ہو سکتی ہے؛ لیکن تربیت نہیں ہو سکتی۔

گویا کہ اگر نفسِ علم مقصود ہو تو آن لائن میں بھی کچھ حرج نہیں ہے، جیسے کہ دیگر عصری علوم پڑھائے جاتے ہیں؛ کیوں کہ وہاں اصل مقصد صرف جانکاری حاصل کرنا ہے، وہ کہیں بھی رہ کر کسی بھی حالت میں ہو سکتی ہے۔

لیکن علمِ صحیح کے لئے ساتھ میں تربیت ضروری ہے، وہ جبھی ہوگی جب کہ اُستاد اور منتظمین کے سامنے طلبہ رہیں گے، پھر اُن کی باقاعدہ نگرانی اور تربیت کی جائے گی، مثلاً نماز با جماعت کی

پابندی کرائی جائے گی، اور اِدھر اُدھر کے فضول مشاغل سے بچنے پر نگرانی کی جائے گی؛ تا کہ یہاں کے ماحول سے جب طالب علم نکل کر باہر جائے تو وہ پوری اُمت کے لئے نمونہ بنے اور اُمت کی ہدایت کا ذریعہ بنے۔

یہی فرق ہے ہمارے سلسلہ کے مدارس اور عالمِ عرب اور دیگر ممالک کے دینی اِداروں کے درمیان، کہ یہاں تربیت پر زور دیا جاتا ہے، اور وہاں تربیت کا فقدان ہے، اِلا ماشاء اللہ۔

عالمِ عرب کے اِداروں میں عمومی طور پر نہ تو صلحاء والے لباس کی قید ہے، اور نہ حسن معاشرت کی شرط ہے، وہاں تو بس پڑھنا مقصود ہے کہ گھنٹے میں آجائیں اور پڑھ کر چلے جائیں، پھر سب آزاد ہیں۔

لیکن الحمدللہ! ہمارے مدارس کا یہ ماحول نہیں ہے؛ بلکہ یہاں علم بھی ہے اور ساتھ میں عملی مشق بھی ہے۔

رسوخ فی العلم

جب علم وعمل دونوں جمع ہوتے ہیں تو ایسے عالم کو "راسخ فی العلم" اور ایسے علم کو "رُسوخ فی العلم" کہتے ہیں، جن کی خود اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ، کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا، وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ کہ جہاں متشابہ آیات میں کج فکر لوگ تفسیر بالرائے کرتے ہیں، اور علم کے بغیر خواہ مخواہ اُن کو موضوعِ بحث بناتے ہیں، تو ایسے موقع پر وہ لوگ جن کو علمی رُسوخ عطا ہوا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع اور عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے کمالِ اِیمان کے ساتھ بلا چون وچرا یہ کہتے ہیں کہ ہم بلا تفصیل ہر طرح کی آیات پر بغیر کسی شک وشبہ کے اِیمان لاتے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور نصیحت تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔

تو ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارا شمار بھی اِنہیں راسخین فی العلم میں ہو۔

اَب سوال یہ ہے کہ "رُسوخ فی العلم" کا مطلب کیا ہے؟ اور اُس کے مصداق کون لوگ

ہیں؟ تو مفسرین نے لکھا ہے کہ: جس شخص کے اندر چار باتیں جمع ہوجائیں وہ آدمی ''راسخ فی العلم'' کہلائے گا۔

(۱) ''اَلتَّقْویٰ فِیمَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ اللّٰهِ'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کا معاملہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا ہو، تب آدمی راسخ فی العلم کہلائے گا، یعنی عبادات کو بجالائے، معاصی سے بچے، اِسی کا نام تقویٰ ہے۔

(۲) ''اَلتَّوَاضُعُ فِیمَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ النَّاسِ'' یعنی لوگوں کے ساتھ اُس کا معاملہ نرمی اور تواضع کا ہو، کبر وغرور نہ ہو، اپنی دھونس لوگوں پر نہ جمائے، اپنے کو لوگوں سے برتر نہ سمجھے، اپنے منہ میاں مٹھو نہ بنے اور اپنی بڑائی کا خنّاس دل میں نہ بٹھائے؛ بلکہ اپنی حقیقت، اپنے آغاز اور انجام کو جانے، تب آدمی راسخ فی العلم کہلائے گا۔

(۳) ''اَلزُّهْدُ فِیمَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الدُّنْیَا'' یعنی دنیا کے ساتھ اُس کا معاملہ بے رغبتی کا ہو، ایسا نہ ہو کہ ہر وقت ۹۹ کے چکر میں لگا رہے، خواب سجائے رہے کہ مجھے دنیا کی یہ چیز مل جائے، وہ چیز مل جائے، بس اُسی کو مقصود بنالے، جو آدمی اِس طرح دنیا سے بے رغبت رہے گا، اور دنیا کو دل میں نہیں بسائے گا، وہی راسخ فی العلم ہوسکتا ہے۔

حضرتِ اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نوراللہ مرقدہٗ بار بار نصیحت فرماتے تھے کہ: روپئے پیسے کے غلام مت بنو، پھر حدیث پڑھتے تھے: ''تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَالدِّرْهَمِ''.

(صحیح البخاري، کتاب الجهاد والسیر / باب الحراسة في الغزو في سبیل الله ۴۰۴/۱ رقم: ۲۸۸۶)

یعنی جس کے پیشِ نظر بس روپیہ ہی روپیہ ہوجائے اُس کی خاطر ایمان کو بھی برباد کردے، اعمال کو بھی برباد کرے، ایسا آدمی محروم القسمت ہے۔

زہد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہوجائے، پہاڑوں میں چلا جائے، غاروں میں چلا جائے، ہرگز نہیں؛ بلکہ زہد کا مطلب یہ ہے کہ اِنسان دل میں دنیا نہ بسائے اور شریعت کی حدود سے تجاوز نہ کرے، اِس اعتبار سے بڑا سرمایہ دار بھی زاہد ہوسکتا ہے۔

اور اگر دنیا دل میں بسی ہوئی ہو تو دیکھنے میں جو فقیر ہے وہ بھی زاہد نہیں ہے، زہد کا تعلق اصل میں دل کی کیفیت سے ہے۔

(۴) "اَلْمُجَاهَدَةُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ نَفْسِهِ" یعنی اس کا اپنے ساتھ معاملہ محنت اور قربانی کا ہو، خاص طور پر طلبۂ عزیز اِس طالبِ علمی کے زمانہ کو محنت اور قربانی میں گذاریں۔

(حاشیۃ الجمل شرح تفسیر جلالین ۱/۲۴۳ اصح المطابع ممبئی)

حضرتِ امامِ مسلم رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے حدیث کی نہایت مرتب کتاب تالیف فرمائی اور یہاں تک احتیاط کی ہے کہ اُس میں اپنی طرف سے عنوان بھی نہیں لگائے؛ لیکن اَوقاتِ صلوٰۃ کے باب میں سند کے ساتھ اپنے اُستاد یحییٰ بن کثیرؒ کا یہ مقولہ نقل کیا کہ: "لَا يُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ". (صحیح مسلم رقم: ٦١٢) یعنی جو آدمی علم سیکھنا چاہے اور جسم کے آرام میں لگا رہے، کب سوؤں؟ کب جاگوں؟ کب اُٹھوں؟ کب بیٹھوں؟ کیا پہنوں؟ کیا کھاؤں؟ اِسی میں لگا رہے، اُسے سب کچھ آجائے گا؛ مگر علم نہیں آئے گا۔ علم جب آتا ہے جب آدمی اِن چیزوں کو بھول کر علم کی تحصیل میں لگا رہتا ہے۔

حضراتِ اساتذہ جانتے ہیں کہ طالبِ علمی کے زمانہ میں جو پڑھ لیا جاتا ہے زندگی بھر کام آتا ہے، بعد کا مطالعہ اِتنا کام نہیں آتا جتنا طالبِ علمی کے زمانہ کا مطالعہ کام آتا ہے۔ آج اگر اُستاد کی تقریر نوٹ کرلی جائے اور پھر بعد میں وہ کتاب پڑھانے کا موقع ملے تو بڑی بڑی شروحات سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا استاد کی کاپی سے فائدہ ہوتا ہے۔

بہترین موقع

تو بہرحال یہ موقع ہے، اِس سے زیادہ بہتر موقع ہمیں زندگی میں نہیں ملے گا، یہ سنہرا موقع ہے، بےفکری والی زندگی ہے، سر پر کوئی بوجھ نہیں ہے، پڑھنا ہے، پڑھنا ہے، صرف پڑھنا ہے اور کوئی ٹینشن نہیں ہے، اِس موقع کو ضائع نہیں کرنا ہے، جو اِس کو جتنا کارآمد بنالے گا اُتنا ہی وہ کارآمد بن جائے گا اپنے لئے بھی اور اُمت کے لئے بھی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کہنے سننے سے زیادہ عمل کی توفیق عطا فرمائیں، اِس ادارہ میں بھی ہرطرح کی خیر، برکت مقدر فرمائے، طلبہ کو علمِ نافع عطا فرمائیں، اَساتذہ کے علوم میں برکتیں عطا فرمائیں، منتظمین اور معاونین سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں، پورے علاقہ پر رحمتوں کا نزول فرمائیں، تمام مدارسِ دینیہ، معاہد دینیہ کی پوری طرح سے حفاظت فرمائیں، تا قیامت اِس کو جاری رکھنے کے فیصلے فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❑❖❑

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (۶۲)

تعلیم کے ساتھ تربیت

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ فقہ وحدیث دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مراد آباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اشاعت: (۶۲)

- موضوعِ خطاب: تعلیم کے ساتھ تربیت
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : اجلاس دارالعلوم اشرفیہ راندیر، سورت
- تاریخ : ۴؍ شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ مطابق ۸؍ مارچ ۲۰۲۲ء بروز ہفتہ
- دورانیہ : ۳۳؍ منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

- آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا ھادي لہٗ، ونشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ، ونشھد أن سیدنا وحبیبنا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد.

فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ’’طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ‘‘. أو کما قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم

معزز علماءِ کرام، اَساتذۂ گرامی قدر، طلبۂ عزیز اور اِس اِدارہ اور دین کی نسبت پر جمع ہونے والے سبھی حاضرین۔ بزرگو اور بھائیو!

یہ اِدارہ ’’دارالعلوم اشرفیہ راندیر‘‘ نہ صرف گجرات؛ بلکہ برصغیر کے قدیم ترین اِداروں میں شامل ہے۔ اور اِس کے بانیان کے خلوص کی برکات ظاہر ہیں کہ روزِ قیام سے آج تک اُس

کا علمی فیض چہار دانگ عالم میں جاری ہے۔ اِس مدرسہ سے ہر زمانہ میں اچھے اور محنتی اَساتذہ وابستہ رہے ہیں، اور انتظام بھی الحمدللہ قابل اطمینان ہے، یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک اِس اِدارے کے فیض کو جاری رکھیں اور اُس کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

سالانہ اِجلاس کا مقصد

اِدارہ کی سال بھر کی محنت کے مظاہرہ کے طور پر سالانہ اجلاس منعقد کیا جاتا ہے، اِس میں تعلیم مکمل کرنے والوں کا اعزاز بھی ہوتا ہے، اور طلبہ یہاں سے نکل کر کس طرح دینی خدمات انجام دیں گے؟ اُس کا کچھ نمونہ بھی حاضرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے؛ جیسا کہ طلبہ کے پروگرام میں آپ نے مشاہدہ فرمایا۔

آج جن طلبہ نے تیاری کر کے اور مضامین کو یاد کر کے ہمارے سامنے مرتب پروگرام پیش کیا ہے، یہی طلبہ کل مسجد کا منبر سنبھالنے والے ہیں، اور وعظ ونصیحت کی ذمہ داری اپنے اُوپر لے کر علوم نبوت کو اگلی نسل کی طرف منتقل کرنے والے ہیں، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

دراصل یہ مدارس اِنسانوں کی تربیت گاہ ہیں، یہاں اِنسانوں کو تراش کر اُن کے پوشیدہ محاسن کو اُجاگر کیا جاتا ہے؛ تاکہ وہ ایک سچے مؤمن اور اچھے اِنسان بن سکیں۔

اِسی لئے ہمارے اکابر رحمہم اللہ نے اپنے قائم کردہ مدارس میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بہت زیادہ توجہ دی ہے۔ اِس تربیت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ جو دینی علوم سیکھتے ہیں، وہ ''معلوم'' کے درجہ سے آگے بڑھ کر ''معمول'' میں داخل ہوجاتے ہیں؛ کیوں کہ دین کی باتوں کا صرف معلوم ہونا کافی نہیں؛ بلکہ جب تک معلومات؛ معمولات میں تبدیل نہ ہوں، تو آدمی صحیح معنی میں عالم کہلائے جانے کے لائق نہیں ہوتا۔

مستشرقین کا علم

اِس لئے کہ نفس معلومات تو بہت سے غیروں کو بھی حاصل ہوجاتی ہیں؛ چناں چہ علماء

جانتے ہیں کہ یوروپ میں مستشرقین یہود ونصاریٰ کی ایک پوری جماعت ہے، جن کا مشغلہ ہی مغرب میں رہ کر اسلامی علوم کی ریسرچ کرنا ہے، اور قرآن وحدیث کے معانی پر غور کرنا ہے۔

مثلاً: اُن لوگوں نے "**المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوي الشريف**" کے نام سے ۶ ضخیم جلدوں میں ایک کتاب تیار کی ہے، جو حدیث کی بہت سی کتابوں کا "اِشاریہ" ہے، کہ اگر آپ کو حدیث کا ایک لفظ بھی یاد ہو، تو اُس کتاب میں تلاش کرنے سے پوری حدیث کا حوالہ مل جائے گا۔

ظاہر ہے کہ اِس طرح کی کتاب تیار کرنے کے لئے بڑے علم کی ضرورت ہے، اور اس کے لئے نہ جانے کتنی مشقت اُٹھائی گئی ہوگی؛ لیکن چوں کہ مستشرقین کا علم صرف زبان اور کتاب تک محدود ہے، دل میں اُس کا یقین نہیں ہے، اور عمل پر اُس کا اثر نہیں ہے، اِس لئے یہ کتاب یا اِس جیسی محنت آخرت میں اُن مستشرقین کی نجات کے لئے ہرگز کافی نہ ہوگی۔

اِسی طرح یہود ونصاریٰ کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے پیغمبر ہونے کا پوری طرح علم تھا؛ حتیٰ کہ ایسا یقین تھا جیسے باپ کو اپنے بیٹوں کے بارے میں یقین ہوتا ہے؛ مگر ایسی نری معرفت جس کے ساتھ یقین اور عمل نہ ہو، کسی کام کی نہیں ہے۔

یہ معرفت اُسی وقت نفع دے سکتی ہے، جب کہ اُس کے ساتھ یقین بھی شامل ہو اور اُس کے مطابق عمل موجود ہو۔

مدارسِ دینیہ کا امتیاز

تو ہمارے اِن مدارسِ دینیہ کا یہ امتیاز ہے کہ یہاں صرف علم پڑھایا ہی نہیں جاتا؛ بلکہ اُس علم کو زندگی میں اُتارنے کی بھی پوری کوشش کی جاتی ہے۔

یہ ہمارے لئے شکر کا مقام ہے کہ تعلیم وتربیت کا یہ جوڑ جس اَنداز میں برصغیر کے مدارس میں پایا جاتا ہے، دیگر اِسلامی ممالک میں عام طور پر اِس انداز میں موجود نہیں ہے۔

چناں چہ مصر، شام، ٹرکی اور سعودی عرب وغیرہ میں اِسلامی ریسرچ کے بڑے بڑے

اِدارے، کالجز اور یونیورسٹیاں ہیں، اور اُن کے نصاب میں دینی تعلیم کا خاصا حصہ بھی ہے؛ مگر وہ زیادہ تر ظاہری جمع خرچ ہے، اور محض علم کی حد تک محدود ہے، اُس علم کا اثر بظاہر اُن اِداروں کے طلبہ اور اَساتذہ میں نظر نہیں آتا، اُنہیں دیکھ کر آپ یہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ یہ کسی دینی اِدارے سے وابستہ ہیں۔

اِس کے برخلاف الحمدللہ ہمارے مدارس کا اپنا ایک دینی تشخص ہے، یہاں کے اَساتذہ یا طلبہ اگر باہر نکلتے ہیں، تو اپنی شرعی وضع قطع کی وجہ سے دُور سے پہچانے جاتے ہیں۔

نیز یہاں کے پڑھنے والے لوگ علم اور اَسبابِ علم کے ساتھ جیسا اَدب واحترام کا معاملہ کرتے ہیں، اِس کا تصور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اِسلامی علوم پڑھنے والے طلبہ میں عموماً نظر نہیں آتا۔ تو اِس فرق کی وجہ یہی ہے کہ اِن عصری اِداروں میں تربیت اور ذہن سازی کا فقدان ہے، جو کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہے۔

عصر حاضر کے مشہور محدث ومحقق شیخ محمد عوامہ حلبی حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک چشم دید واقعہ لکھا ہے کہ ایک یونیورسٹی میں علامہ سمرقندی کی کتاب ''تحفۃ الفقہاء'' کا ٹیسٹ ہو رہا تھا۔ اتفاق یہ کہ انتظار کی مدت لمبی ہوگئی، اور امتحان دینے والا ایک طالبِ علم کھڑے کھڑے تھک گیا، تو اُس نے امتحان ہال کے پائے دان پر بیٹھنے کا اِرادہ کیا، مگر وہ گرد آلود تھی، اور طالبِ علم کالی پینٹ پہنے ہوئے تھا، اور وہاں بیٹھنے سے پینٹ پر گرد کا اثر صاف ظاہر ہونے کا اندیشہ تھا، اِس لئے اُس نے وہاں بیٹھنے کے بجائے اپنی کتاب ''تحفۃ الفقہاء'' زمین پر رکھی، اور بے تکلف اُس پر بیٹھ گیا۔ (علماء اور طلبہ کے لئے فکر انگیز باتیں ص: ۱۶۱)

ظاہر ہے کہ یہ بڑی بے اَدبی کی بات تھی، جسے ہمارے مدرسہ کا کوئی ادنی طالب علم بھی ہرگز گوارا نہیں کرسکتا۔

تو یہ تربیتی ماحول کا فرق ہے، جو ہمارے مدارس اور یونیورسٹیوں کے درمیان واضح طور پر نظر آتا ہے۔

ایک چشم دید منظر

ہم لوگ جب دارالعلوم دیوبند کے طالب علم تھے، تو ’’جمعیۃ الشباب الاسلامی العالمی‘‘ کی طرف سے ’’جامعہ اسلامیہ عالمیہ‘‘ کوالالمپور ملیشیا میں ایک تربیتی پروگرام منعقد ہوا، جس میں شرکت کے لئے دارالعلوم دیوبند سے ۵؍طلبہ کا انتخاب کیا گیا۔ اِس ۱۵؍روزہ پروگرام میں پوری دنیا کی اہم اِسلامی یونیورسٹیوں سے منتخب طلبہ جمع ہوئے تھے، اور کوالالمپور کے قریب ایک پرفضا مقام ’’جنٹنگ ہائیلینڈ‘‘ کے ایک کنونشن ہال میں پروگرام کی نشستیں منعقد ہوتی تھیں۔

اِس کیمپ میں شرکت کرنے والے سبھی حضرات اِسلامی یونیورسٹیوں یا دینیات کے شعبوں سے وابستہ تھے، عصری علوم سیکھنے والے طلبہ نہیں تھے؛ لیکن خاص بات یہ تھی کہ ہمارے برصغیر ہندو پاک کے علاوہ کسی بھی ملک سے آنے والے طلبہ کا لباس کے اعتبار سے وہ امتیاز نہیں تھا جو ہم لوگوں کو حاصل تھا۔

پھر ایک دن ایسا ہوا کہ وہاں کے اُس وقت کے وزیر تعلیم جناب انور ابراہیم صاحب نے کوالالمپور میں ہم سب لوگوں کی بڑی پرتکلف دعوت کی، جب ہم وہاں پہنچے تو مدعوین میں ایک اُدھیڑ عمر کی عورت بھی تھی، جس کے سر کے بال کٹے ہوئے تھے، اور وہ فراک پہنے ہوئے تھی، اور پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں۔

ہم لوگوں کو اپنے ماحول میں اُس عورت کو دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ یہ انگریز نما عورت دینی اِداروں کے طلبہ اور اَساتذہ کے درمیان کیوں شامل ہے؟

تو تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ عورت کوئی انگریز نہیں؛ بلکہ مصر کے جامعہ ازہر میں حدیث کی پروفیسر ہے، جو مصری طلبہ کے وفد کے ساتھ نگراں کے طور پر آئی ہوئی ہے۔

گویا کہ اُس کا حال یہ ہے کہ وہ علم کے اعتبار سے دسیوں حدیث زبانی سنا سکتی ہے؛ لیکن اپنے علم کو عمل کے مطابق ڈھالنے کی جو بات ہے وہ مفقود ہے؛ کیوں کہ اُس نے جس اِدارے سے علم حاصل کیا ہے، وہاں تعلیم کے ساتھ عملی تربیت کا اہتمام نہیں ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اُس کا یہی

نتیجہ نکلنے والا ہے، جو ایسے اِداروں میں نظر آتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ ہمارے اکابر رحمہم اللہ کو جزائے خیر سے نوازیں کہ اُنھوں نے صرف تعلیمی اِدارے ہی قائم نہیں کیئے؛ بلکہ اُن کو ایک بہترین تربیت گاہ کے طور پر آگے بڑھایا، جن میں حتی الامکان کوشش کی جاتی ہے کہ طالبِ علم کا رہن سہن اور کردار شریعت کے رنگ میں رنگین ہو۔ پھر یہ طلبہ جب یہاں سے نکل کر جاتے ہیں، تو اِسی ماحول کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اِس طرح یہ تعلیمی اور تربیتی فیض ساری دنیا میں پھیل رہا ہے اور عام ہو رہا ہے، اِس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر بجا لائیں؛ کم ہے۔

ضرورت اِس بات کی ہے کہ ہم نے گذشتہ سالوں میں جو کچھ یہاں رہ کر پڑھا ہے، اُسے یہیں پر چھوڑ کر نہ چلے جائیں، اور اپنے کو فارغ نہ سمجھیں کہ پگڑی بندھ گئی تو ہمارا کام پورا ہوگیا؛ بلکہ ہمیں یہ عزم کرنا ہوگا کہ جو کچھ ہم نے یہاں پڑھا ہے، اور تربیت حاصل کی ہے، ہم مرتے دم تک اِسی پڑھنے پڑھانے کے مشغلے سے وابستہ رہیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

مدارس کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہے

یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ آج کل مدرسوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی ہے، اور اُن سے نکلنے والے اَفراد بظاہر معاشرے پر بوجھ بن رہے ہیں؛ حالاں کہ یہ اعتراض برائے اعتراض ہے؛ اِس لئے کہ اِس ملک میں ہماری آبادی کی ضرورت کے اعتبار سے ہمارے پاس مسجد میں نماز پڑھانے والے پورے ائمہ بھی دستیاب نہیں ہیں۔ آج بھی ملک میں ہزاروں مسجدیں ایسی ہیں جو اِماموں سے محروم ہیں۔ اِس اعتبار سے جتنے مدارس اِس وقت ملک میں کام کر رہے ہیں وہ مسلمانوں کی کل آبادی کو دیکھتے ہوئے یقیناً ناکافی ہیں۔

گذشتہ حکومت میں ''سچر کمیٹی'' کی رپورٹ میں یہ حقیقت واضح کی گئی تھی کہ مدارس ومکاتب میں پڑھنے والے مسلم بچوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۴٪ فیصد ہے؛ گویا کہ ۹۶٪ فیصد مسلم بچے مدرسوں میں نہیں آ رہے ہیں؛ بلکہ اُن کا رخ یا تو اسکولوں کی طرف ہے، یا وہ سرے

سے تعلیم ہی سے محروم ہیں۔

تو اِس صورتِ حال میں یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ مدرسوں کی ضرورت نہیں ہے؟ یا مدرسے اُمت پر بوجھ ہیں؟ یہ باتیں نادانی اور حقیقت سے ناواقفیت پر مبنی ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ جو ۹۶ ر فیصدی بچے علم دین سے محروم ہیں، اُن کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دیں؛ تاکہ یہ دین اگلی نسلوں تک اپنی اصلی شکل وصورت میں باقی رہ سکے۔

تعلیم دین کی فرضیت واَہمیت

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: "**طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ**". (سنن ابن ماجة / باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم رقم: ۲۲٤) (یعنی علم کی طلب ہر مسلمان پر لازم اور فرض ہے)

یہ بات یاد رکھیں کہ تعلیم دین کا ایک درجہ ہر مسلمان مرد وعورت پر "فرضِ عین" ہے، مثلاً: اِسلامی عقائد سے واقف ہونا، اتنا قرآنِ پاک سیکھنا جس سے نماز صحیح ہوسکے، وضو اور غسل کے مسائل جاننا، نماز کے اہم مسائل سے واقفیت حاصل کرنا، وغیرہ۔ اِس طرح کی ضروری باتیں ہر مسلمان کے لئے جاننی لازم ہیں۔

تو ظاہر ہے کہ علم کا یہ درجہ جب ہی حاصل ہوسکتا ہے، جب ہر مسلمان بچے اور بچی کی دینی تعلیم کی فکر کی جائے، اور اُن کو مکاتب ومدارس سے وابستہ کیا جائے، اِس کے لئے حسن تدبیر سے والدین کی ذہن سازی کی ضرورت ہے۔

یہ تحریک مسلسل جاری رہنی چاہئے، یہ ۱۰-۲۰ر دن، مہینہ دو مہینہ، یا سال دو سال کا کام نہیں ہے؛ بلکہ زندگی کے آخری لمحے تک اِس بارے میں مسلسل جد وجہد ضروری ہے؛ تاکہ "فرض عین" درجہ کا "علم دین" ہر مسلمان تک پہنچایا جاسکے۔

اُس کے بعد "فرضِ کفایہ" کا درجہ ہے۔ یعنی ہر علاقہ میں ایک ایسا عالم اور مفتی ہونا چاہئے جو علومِ دینیہ میں مہارت رکھے، جس کی طرف ہر طرح کے مسائل میں رجوع کیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ نے دورۂ حدیث شریف تک تعلیم حاصل کرلی، اور امتحان میں آپ کے نمبر اعلیٰ بھی آگئے، تو جب آپ اپنے گاؤں واپس جائیں گے تو کوئی آپ سے نحو وصرف کا مسئلہ نہیں پوچھے گا کہ فاعل پر رفع کیوں آتا ہے؟ اور مفعول پر نصب کیوں آتا ہے؟ اور حال کسے کہتے ہیں؟ اور مشبہ بہ کے کیا معنی ہیں؟ البتہ اگر قربانی کا وقت ہوگا تو بکرے کے بارے میں معلوم کریں گے کہ بتائیے اِس کی قربانی صحیح ہے یا نہیں؟ اِسی طرح نماز وغیرہ کے مسائل پوچھیں گے، اگر آپ نے یہ مسائل صحیح بتادئے، تو آپ کی قدر کی جائے گی، اور لوگ آپ سے دینی رہنمائی حاصل کریں گے: لہٰذا ہر معاشرے میں ایسے ماہر علماء ہونے چاہئیں جو لوگوں کے پیش آمدہ مسائل حل کرسکیں۔

اِس طرح کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے دورۂ حدیث شریف کے بعد تکمیل افتاء اور تدریب الافتاء کے شعبوں سے وابستہ ہوکر محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اور پھر محض سند حاصل کرنا کافی نہیں؛ بلکہ تعلیم کے بعد جب مسلسل اِسی مشغلے میں لگیں گے تو علم میں رسوخ پیدا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اُس کے دل میں ملکۂ نفسانیہ پیدا فرمادیں گے۔ جس کی وجہ سے ہر مسئلے کا حل اُس کے لئے آسان ہوجائے گا۔ بہرحال ایسے باصلاحیت اَفراد کا وجود اُمت کے لئے فرضِ کفایہ ہے، اِسی لئے مدارس میں یہ شعبے قائم کئے جاتے ہیں، اُنہیں میں سے چند حضرات ایسے نکلتے ہیں جو فرضِ کفایہ کی کسوٹی پر پورے اُترتے ہیں، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

واضح ہو کہ ہر شخص کی صلاحیت اور فہم یکساں نہیں ہوتی، ایک زمانہ تھا جب لوگوں میں علم کا شوق ہوتا تھا، تو شوقین طلبہ خود بخود آگے بڑھ جاتے تھے۔ لیکن اَب انحطاط کا زمانہ ہے، اِس لئے سب کو سمیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے، پھر اُنہیں میں سے کوئی ہیرا اور موتی بن کر نکلتا ہے۔

اُس کے بعد علم کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ کسی خاص فن میں ''اختصاص'' پیدا کیا جائے، مثلاً:

کوئی فقہ میں اختصاص پیدا کرے۔

کوئی حدیث میں اختصاص پیدا کرے۔

کوئی تفسیر میں اختصاص پیدا کرے۔

کیوں کہ آج کل اختصاص کا زمانہ چل رہا ہے؛ چناں چہ جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو جنرل فزیشن سے رجوع کرنے کے بجائے اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے رجوع کیا جاتا ہے۔ اِسی طرح ہر فن کا ایک متخصص ہونا چاہئے، جو اپنی پوری عمر اُسی میں کھپا دے۔

الحمدللہ آج بھی ایسے علماء موجود ہیں کہ جب کسی مسئلہ میں دشواری پیش آتی ہے، تو اُن سے رجوع کیا جاتا ہے۔

بعض ایسے محدثین ہیں جن سے رجالِ حدیث کے بارے میں تحقیق کی جاتی ہے۔

بعض ایسے مفتیانِ کرام ہیں جن سے مسائل کے بارے میں رجوع کیا جاتا ہے۔

بعض ایسے نحوی وصرفی اَساتذہ ہیں جن کی رائے اعراب اور ترکیب کے بارے میں سند سمجھی جاتی ہے، وغیرہ۔

تو ہمارے درمیان ایسے متخصصین بھی ہونے چاہئیں، ہر طالب علم کے لئے تخصص لازم تو نہیں ہے؛ لیکن اگر کرے گا تو یہ ایک فضیلت کی بات ہوگی۔

اُس کے بعد فقہاء نے علم کی دو قسمیں اور لکھی ہیں جن کا تعلق علومِ عصریہ سے ہے:

(۱) اُن میں بعض وہ علوم ہیں جن کا سیکھنا مباح ہے؛ بشرطیکہ اُن کو حاصل کرنے میں کسی گناہ کا اِرتکاب لازم نہ آئے۔ مثلاً: اگر کوئی ڈاکٹر بننا چاہے تو شریعت میں منع نہیں ہے۔

اِسی طرح انجینئر، یا آرکٹیٹ بننا یا پائلٹ بننا وغیرہ، یہ سب فی نفسہٖ مباح ہیں، بس شرط یہ ہے کہ اُن کو دائرۂ شریعت میں رہتے ہوئے سیکھا جائے۔

اَب اگر سیکھنے کے بعد اُن کا صحیح نیت سے صحیح استعمال ہوگا، تو اَجر وثواب کی اُمید ہے، اور اگر صرف دنیاوی مفاد کی خاطر استعمال ہوگا تو دنیا کا فائدہ تو ضرور ملے گا؛ مگر آخرت میں کسی اجر وثواب کی کوئی ضمانت نہیں؛ البتہ شرعی علوم اگر حسنِ نیت کے ساتھ سیکھے جائیں گے تو اُن میں ثواب یقینی ہے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ (مستفاد: درمختار مع الشامی ۱/۱۲۱-۱۲٦ زکریا)

(۲) اور دنیوی علوم وفنون میں بعض وہ ہیں جن کا سیکھنا شرعاً ناجائز ہے، جیسے: وہ علوم جو فواحش پر مشتمل ہیں، مثلاً: ناچنا گانا، یا بدعقیدگی پر مبنی علوم، جیسے: جادوگری وغیرہ، تو اِس طرح کے علوم میں شریک ہونے کی شرعاً اِجازت نہیں ہے۔

آج کل ''فنونِ لطیفہ'' کے نام سے اسکول اور کالجوں میں ناچ گانا سکھایا جاتا ہے، اور تصویرسازی وغیرہ سکھائی جاتی ہے، اور پھر بڑی عمر کے طلبہ اور طالبات کو مخلوط طور پر پڑھایا جاتا ہے، یہ سب باتیں شریعت میں ہرگز جائز نہیں ہیں۔

تو ہمیں چاہئے کہ ہم دعوتِ دین کے لئے اپنی خدمات پیش کریں، اور دین کے کسی بھی شعبے سے سرگرم طور پر وابستہ رہتے ہوئے زندگی گذاریں، اِس کا ہمیں عزم کرنا چاہئے۔

اور عام لوگوں کو چاہئے کہ وہ مدارسِ اسلامیہ کی دل سے قدر کریں، جہاں تک ہو سکے اُن کا تعاون کریں؛ کیوں کہ یہ مدارس ہمارے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ کھڑے رہیں گے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ دین زندہ رہے گا، مسجدیں آباد رہیں گی، دین کی نقل وحرکت ہوتی رہے گی، ہمارے تشخصات اور شعائر بلند رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ اِن سب اِداروں کی حفاظت فرمائیں، اور ہم سب کو دین پر استقامت عطا فرمائیں، اِس مجلس کو بھی بے حد قبول فرمائیں۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۶۳)

دینی تعلیم کو عام کرنے کی ضرورت

تحریر:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ فقہ وحدیث دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:

محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۶۳)

موضوع	:	دینی تعلیم کو عام کرنے کی ضرورت
تحریر	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
شائع شدہ	:	ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' فروری ۲۰۱۶ء
جمع وضبط	:	محمد اسجد قاسمی مظفر نگری

آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

نحمدهٗ ونصلي علی رسوله الکریم، أما بعد!

دین کی بقا کے لئے آنے والی نسلوں کو دین سے وابستہ رکھنا اِنتہائی ضروری ہے، اگر بچوں اور بچیوں کو بقدرِ ضرورت دینی تعلیم نہیں دی جائے گی تو اُن کا مستقبل دینی اعتبار سے روشن نہیں ہوسکتا۔

اِسی بنا پر حضراتِ اَنبیاء علیہم السلام نے اپنی اولاد کی صلاح وفلاح کی بہت زیادہ فکر فرمائی۔

سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی اولاد کے بارے میں یہ دعا فرمائی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُسْلِمَةً لَکَ. (البقرة: ۱۲۸)

اے ہمارے رب! ہمیں اپنا تابع دار بنا، اور ہماری نسلوں میں بھی اپنی تابع دار جماعت پیدا فرما۔

نیز یہ دعا بھی آپ سے منقول ہے:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ، رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءَ. (ابراهیم: ۳۷)

اے میرے رب! مجھ کو اور میری اولاد کو نماز کا قائم رکھنے والا بنا دیجئے، اور اے میرے رب میری دعا قبول فرمالیجئے۔

اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے پوتے سیدنا حضرت یعقوب

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولادوں کو دین پر جینے اور دین ہی پر مرنے کی تاکیدی وصیت فرمائی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ، يَابَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ. (البقرة: ١٣٢)

اور ابراہیم و یعقوب یہی وصیت فرما گئے اپنے بیٹوں کو، کہ اے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے دین منتخب فرمالیا ہے تو تم اسلام ہی پر جان دینا۔

علاوہ ازیں سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات سے پہلے سب سے زیادہ اہمیت اِس بات کو دی کہ اپنی اَولاد کے عقیدہ کی طرف سے اطمینان حاصل کریں۔ اِرشادِ خداوندی ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ، اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ، قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهاً وَّاحِداً وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. (البقرة: ١٣٢)

کیا تم یعقوب کی وفات کے وقت موجود تھے، جب کہا اپنے بیٹوں کو کہ تم کس کی عبادت کروگے میرے بعد؟ بولے ہم بندگی کریں گے تیرے رب کی، اور تیرے باپ دادوں کے رب کی جو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق ہیں، وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کے فرماں بردار ہیں۔

اِس آیت میں ہم سب کے لئے نصیحت ہے کہ ہم اپنی اَولاد کی مادی خیرخواہی سے زیادہ دینی خیرخواہی کی فکر کریں، اور اِس میں ہرگز غفلت نہ برتیں۔

اور قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں (عبادالرحمٰن) کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک اہم صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اِس طرح اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَاماً. (الفرقان: ٧٤)

اے رب! ہم کو ہماری عورتوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمایئے، اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنادیجئے۔

ظاہر ہے کہ وہی اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکتی ہے جو دین دار اور والدین کی فرماں بردار ہو، اور اہلِ تقویٰ کا پیشوا بنانے کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ ہماری نسلوں میں تقویٰ والے لوگ موجود رہیں۔

تعلیم کی طرف بڑھتا ہوا رجحان اور ہماری ذمہ داری

موجودہ دور میں عصری تعلیم کی طرف رجحان پہلے سے بہت زیادہ ہوگیا ہے، والدین یہ چاہتے ہیں کہ اُن کی اَولاد کے لئے بہتر سے بہتر تعلیم وترقی کے مواقع فراہم ہوں، چناں چہ یہ دیکھا جارہا ہے کہ آدمی اپنی ذاتی ضروریات کو پس پشت ڈال کر بچوں کی تعلیم پر خرچ کرنے کو ترجیح دیتا ہے، اور حکومت کی طرف سے بھی پرائمری کی سطح پر تعلیم میں سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں؛ تاہم ہندوستان میں آزادی کے بعد سرکاری طور پر جو نظامِ تعلیم بنایا گیا ہے، اگرچہ بظاہر اُس کی اَساس سیکولر اِزم پر ہے؛ لیکن نصاب میں ایسے مذہبی مضامین شامل ہیں کہ جن کا مسموم اثر معصوم بچوں کے ذہن ودماغ پر ضرور پڑتا ہے۔

علاوہ اَزیں جیسے جیسے مال ودولت کی کثرت ہوتی جارہی ہے، اُسی رفتار سے معیاری کانوینٹ نرسری اِسکولوں میں بچوں کو داخل کرنے کا رجحان بھی بڑھتا جارہا ہے۔ یہ نرسری اسکول ہر شہر اور قصبہ میں قائم ہیں اور اُنہیں مکمل منصوبہ بندی کے تحت چلایا جارہا ہے، اُن میں زیادہ تر تعداد ایسے اِسکولوں کی ہے جن کا تعلق خاص مذہبی گروہوں سے ہے۔ مثال کے طور پر عیسائی مشنریوں کے مختلف ناموں سے چلائے جانے والے بے شمار اسکول ہیں، جن کا پورا نظام نصرانی تہذیب میں رنگا ہوا ہوتا ہے، اور اِن اسکولوں کی معلمات پوری ہنرمندی کے ساتھ معصوم اور بے شعور بچے بچیوں کی ذہن سازی کرتی ہیں۔ اِسی طرح ہندوؤں کے سناتن دھرمی اسکولوں اور آریہ سماج تنظیموں کی طرف سے چلائے جانے والے اسکولوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے، جہاں کے نصاب میں رام اور رامائن اور آریہ سماجی مذہبی رہنماؤں کی سوانح حیات اِس انداز میں پڑھائی جاتی ہے کہ بچہ کے ذہن میں اُن شخصیات کی عظمت راسخ ہوجاتی ہے اور شرک وبت پرستی کی نفرت اُس کے دل سے محو ہوجاتی ہے۔ پھر ماحول، لباس اور طرزِ زندگی وہی سکھایا

جاتا ہے جو اُن کا مذہبی خاصہ ہے اور خدا شناسی اور اِسلامی رہن سہن سے دوری ہوتی چلی جاتی ہے۔ ایسے ماحول میں پڑھنے والا بچہ جب بڑا ہوتا ہے تو اکثر اُس کے دل میں اِسلام کی وہ وقعت باقی نہیں رہتی جو شریعت میں مطلوب ہے۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ محض اپنے فیشن اور خودساختہ معیار کو برقرار رکھنے کے لئے اپنی اَولاد کو ایسے اسکولوں میں پڑھا کر فخر محسوس کرتا ہے، اُس کے لئے ان بچوں کا محض روانی سے انگریزی بولنا یا امتحانات میں کچھ اچھے نمبرات سے کامیاب ہوجانا ہی سب سے بڑا مقصود ہوتا ہے، اور وہ بچوں کے دینی رجحانات کے بارے میں زیادہ فکرمند نہیں رہتا، آج کل اکثر سرمایہ داروں کے بچوں کا حال یہی ہے۔

بچوں کی دینی تربیت کے لئے سب سے اہم چیز گھر کا دینی ماحول ہوتا ہے، اگر گھر کا ماحول بہتر ہو اور والدین فکرمند ہوں، تو بچہ کسی بھی اسکول میں پڑھے، بہرحال کسی نہ کسی درجہ میں وہ دینی تہذیب سے وابستہ رہتا ہے؛ لیکن اگر گھر کا ماحول ہی دینی نہ ہو، صبح وشام لہو ولعب اور تفریحات کا دور دورہ ہو، لیپ ٹاپ اور موبائل پر نامناسب پروگرام ہمہ وقت جاری رہتے ہوں، تو اِس ماحول میں پروان چڑھنے والا بچہ کبھی بھی دینی فکر کا حامل نہیں ہوسکتا۔

اِس لئے ایسے حالات میں ہماری منصبی ذمہ داری ہے کہ ہم آنے والی نسلوں کے دین واِیمان کے تحفظ کی فکر کریں، اور جس طرح بھی ممکن ہوسکے اُنہیں ضروری دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کی کوشش بجالائیں۔

مسلمانوں کے اسکول

مسلمانوں نے گوکہ اپنے طور پر اَب بہت سے نرسری اور پبلک اسکول قائم کرلئے ہیں؛ لیکن بڑے اَفسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اُن میں بڑی تعداد ایسے اسکولوں کی ہے جن کے قیام کے پیچھے صرف اور صرف کمائی کا مقصد کارفرما ہے، اُنہیں تعلیم یا تربیت سے کوئی سروکار نہیں، بس کمائی اچھی ہو، یہی اُن کا مطمحِ نظر ہے۔ اور جہاں کچھ معیاری اِسکول قائم ہیں اُن میں

اکثریت ایسے اسکولوں کی ہے جن کی انتظامیہ عیسائیوں اور ہندوؤں سے ضرورت سے زیادہ مرعوبیت کا شکار رہتی ہے، وہ ہر وقت اِس اُدھیڑ بن میں رہتے ہیں کہ کیا ایسی شکل اختیار کی جائے جس سے ہمارے اِسکولوں میں پڑھنے والے مسلم بچہ کی اِسلامی نشانی مٹ سکے، چنانچہ اُن کے ڈریس میں انگریزی بال، ٹائی، نیکر، قمیص اور بچیوں کے لئے اسکرٹ وغیرہ لازمی ہوتے ہیں۔ صبح کو ہونے والی پریڈ میں ایسی چیزیں شامل کی جاتی ہیں جس سے کوئی مذہبی شناخت ظاہر نہ ہو۔ اور اگر آپ اُن اسکولوں کے اِحاطہ میں چلے جائیں تو کسی بھی چیز سے یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کسی مسلمان اِسکول کی عمارت ہے۔

دراصل یہ بھی اُنہی غیر مسلم نرسری اِسکولوں کے مضر اَثرات میں سے ایک ہے؛ اِس لئے کہ آج مسلمانوں کے کانوینٹ چلانے والے بھی وہی لوگ ہیں جو پہلے غیروں کے نرسری اِسکولوں میں پڑھ چکے ہیں، تو جو غیروں سے مرعوبیت کا مزاج اُن کا بچپن میں بن چکا ہے وہ اَب کیسے تبدیل ہوسکتا ہے؟

اِس لئے آج ضرورت ہے کہ مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے عصری تعلیمی اِداروں میں ذہن سازی کر کے درج ذیل اُمور کی پابندی کرائی جائے:

الف:- اسکول کا ڈریس ایسا طے کیا جائے جس سے صاف معلوم ہو کہ یہ کسی اسلامی اسکول کا طالب علم ہے۔ مثلاً بچوں کے لئے ٹوپی اور بچیوں کے لئے حجاب وغیرہ۔

ب:- اسکول کی دعائیہ پریڈ میں قرآن کریم، اسلامی دُعائیں اور نظمیں شامل کی جائیں۔

ج:- مسلم بچوں اور بچیوں کے لئے دینی تعلیم کا ایک درجہ لازمی رکھا جائے۔

د:- نصاب کے مضامین میں بھی اسلامی تہذیب کا خاص خیال رکھا جائے۔

ہ:- اگر سرکاری نصاب کی کتابیں اسکول میں داخل کرنا ضروری ہو اور ان میں غیر اسلامی تہذیب کی باتیں مذکور ہوں تو استاد انھیں اس طرح پڑھائیں جس سے بچے کے دل میں اس غیر اسلامی تہذیب کی وقعت نہ پیدا ہوسکے۔

و:- اسکول کے اَوقات میں نماز کا باقاعدہ نظم کیا جائے، اور بچوں اور بچیوں کو نماز کا عادی بنانے کی فکر کی جائے۔

ز:- اسکولوں میں اللہ کے مقبول بندوں اور اکابر علماء کی آمد و رفت کا ماحول بنایا جائے؛ تاکہ بچوں کے دل میں اہل دین کی عظمت قائم ہوسکے۔

الحمدللہ جن علاقوں میں مذکورہ اُمور کو سامنے رکھ کر تعلیمی خدمات انجام دی جارہی ہیں، وہاں مثبت نتائج سامنے آرہے ہیں۔ بالخصوص حیدرآباد اور بنگلور اور اُس کے اَطراف میں یہ رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے، جو بہرحال خوش آئند ہے۔

مکاتبِ دینیہ

آج جس اَنداز میں اِلحاد و دہریت کا طوف بپا ہے، اور حکومتوں کی نیت بھی صاف نہیں ہے، روز بروز ایسی تعلیمی پالیسیاں لائی جارہی ہیں جو اِسلامی اَقدار کے منافی ہیں، اِن حالات میں اُمتِ مسلمہ کی سب سے بڑی ضرورت جابجا دینی مکاتب کا قیام ہے، جن میں خاص طور پر اِسکول جانے والے بچوں اور بچیوں کی ضروری دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے، اگر بچے روزانہ ایک گھنٹہ بھی مکتب والے ماحول میں گذار کر قرآنِ کریم، اِسلامی فرائض، دینی اَخلاق اور اِسلامی تہذیب کو سیکھنے پر محنت کریں گے، تو انشاءاللہ وہ تاعمر دین پر قائم رہ سکیں گے۔ بہت سے علاقوں میں اِس سمت میں بہت منظّم محنتیں ہورہی ہیں، وہ سب قابل قدر ہیں؛ لیکن اگر دیکھا جائے تو وہ ملت کی واقعی ضرورت سے بہت کم ہیں، ابھی بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جو بنیادی دینی تعلیم سے محروم ہے؛ اِس لئے اِجتماعی اور اِنفرادی طور پر جس سے جو کچھ ہوسکے، نسلوں میں دین کی بقا کے لئے اپنا کردار پیش کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ملتِ اسلامیہ کو ہر طرح کے شرور و فتن سے محفوظ فرمائیں، اور نسلوں میں دین و ایمان کی بقا کے فیصلے فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(شائع شدہ ماہ نامہ ’’ندائے شاہی‘‘ فروری ۲۰۱۶ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (۶۴)

دین میں غلو سے بچیں!

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند

جمع وضبط:

(مفتی) عبد الرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دار التوحید بنگلور

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]
(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۶۴)

- موضوعِ خطاب : دین میں غلو سے بچیں!
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : جامع مسجد لوناواڑا گجرات
- تاریخ : ۱۸ر صفر ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۶ر ستمبر ۲۰۲۲ء بروز جمعہ
- دورانیہ : ۴۰ر منٹ تقریباً
- جمع وضبط : (مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

- آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER
www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارک وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارک وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَاتَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾ [المائدة: آيت: ۷۷]

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ.

محترم بھائیو اور بزرگو! اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام اور فضل و کرم ہے کہ اُس نے ہمیں کامل و مکمل دین عطا فرمایا ہے، جس میں اپنی طرف سے نہ تو اِضافہ کی گنجائش ہے اور نہ کمی کی، اَب قیامت تک یہی دین باقی رہنے والا ہے اور اِسی پر اُخروی نجات کا مدار ہے۔

اِس عظیم نعمت کے حصول میں ہماری کسی محنت اور خواہش کا دخل نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہم نے دنیا میں آنے سے پہلے کوئی فارم بھرا ہو، یا کوئی ریزرویشن کرایا ہو، یا اور کوئی انتظام کیا ہو کہ ہمیں دینِ اسلام سے وابستہ کر کے دنیا میں بھیجا جائے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے از خود ہمارا انتخاب فرمایا ہے۔

اور ہمارے لئے دین کا حصول اِس طرح آسان فرمایا کہ ہمیں ایسے گھرانے میں پیدا کیا جو پہلے سے دینِ اسلام سے وابستہ ہے، خدانخواستہ اگر ہماری پیدائش مسلمانوں کے علاوہ کسی اور گھرانے میں ہوتی تو اِس نعمت کا حصول کس قدر دشوار ہوتا؟ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

اِس لئے کہ دنیا میں سب سے زیادہ مشکل اور پہاڑ سے زیادہ بھاری کام یہ ہے کہ آدمی اپنا مذہب تبدیل کرلے۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ نعمت بغیر کسی مشقت کے عطا فرمائی، اِس پر دن رات، صبح وشام، اور اُٹھتے بیٹھتے شکر اَدا کرنا ضروری ہے۔

فکرِ صحیح پر اِستقامت

اور پھر یہ بھی لازم ہے کہ جو دین ہم تک سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین، تبعِ تابعین، اَئمۂ کرام اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے واسطے سے پہنچا ہے، ہم اُسی دین پر ثابت قدم رہیں، اُس سے ذرہ برابر اِدھر اُدھر نہ ہوں، کامل کامیابی کے لئے یہ بھی ضروری ہے۔

اِس کے لئے ہمیں دین پر ثابت قدم رہنے کے ساتھ ساتھ اِس کا جائزہ بھی لیتے رہنا ہوگا کہ ہم اہلِ حق اور علماءِ اہلِ سنت والجماعت سے وابستہ ہیں یا نہیں؟ کیوں کہ یہی وہ جماعت

ہے جس کے بارے میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرقۂ ناجیہ ہونے کی بشارت عطا فرمائی ہے کہ ویسے تو کامل مسلمان ہونے کا دعویٰ بہت سے لوگ کریں گے اور کرتے رہے ہیں؛ لیکن جو معیار آپ علیہ السلام نے مقرر فرمایا جو اُس پر پورا اُترے گا وہی کامل اور سچا مسلمان کہلائے گا۔ اور وہ معیار ہے: ''مَاأَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي''. (سنن الترمذي / باب ما جاء في افتراق هــذه الأمة رقـم: ٢٦٤١) یعنی اُس دین پر قائم رہو جس پر خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت قدم رہے، اور جس پر حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم چلتے رہے۔

اگر اِن دونوں چیزوں کو آدمی مضبوطی سے لازم پکڑے گا تو اِن شاء اللہ ہر طرح کی کوتاہی اور زلّات سے محفوظ رہے گا۔

دنیا کتنی ہی آگے نکل جائے؟ اور کیسی ہی ترقیات ہو جائیں؟ لیکن اِسلام کی ترقی دَورِ اول کے نقوش پر عمل پیرا ہونے میں ہی مضمر ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے کہ:

فضول سمجھ کر بجھا دیا ہے جن چراغوں کو
وہی چراغ جلاؤ تو روشنی ہوگی

وہ چراغ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چراغ ہیں، جو مشکوٰۃِ نبوت سے براہِ راست فیض یاب ہونے والے اور روشنی حاصل کرنے والے ہیں، اُنہی چراغوں کو جب تک جلایا جاتا رہے گا تو کائنات میں روشنی رہے گی۔ اور اگر اِن چراغوں سے اُمت کی وابستگی نہ رہے، تو پورے عالم میں اندھیرا پھیل جائے گا، نعوذ باللہ من ذلک۔

غلو فی الدین

اور اللہ تعالیٰ نے ہماری تنبیہ کے لئے پُرانی قوموں بالخصوص بنی اسرائیل کے اَحوال قرآنِ کریم میں بکثرت بیان فرمائے ہیں؛ تاکہ اُمت محمدیہ اُن اَقوام میں دَر آنے والی خرابیوں سے بچنے کی فکر اور کوشش کرے۔ اور اُس راستے پر نہ چلے جس پر چل کر وہ قومیں گمراہ ہوئیں اور

ہلاکت کی مستحق بنیں۔

اِن اَقوام میں ویسے تو بہت سی خرابیاں تھیں؛ لیکن ایک بہت بڑی بیماری اور روگ جس نے اُن کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا تھا، اور بے جان بنا دیا تھا، وہ ''غلو فی الدین'' کی بیماری تھی۔یعنی دین کے معاملے میں حدود پر قائم نہ رہنا۔

مثال کے طور پر سیدنا حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں عیسائیوں نے اِفراط سے کام لیا، اُن کو اِتنا آگے بڑھایا کہ خدا کے درجہ میں رکھ دیا، یہ اِفراط میں غلو ہے۔

حالاں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں۔

اللہ نے اُنہیں بغیر باپ کے وجود بخشا۔

اور اُن کے ذریعہ سے اپنی قدرتوں کا مظاہرہ فرمایا کہ:

بے جان چیز میں جان ڈال دی۔

پیدائشی مادرزاد نابینا کے لئے دعا کر دی تو وہ دیکھتا ہوا بن گیا۔

کوڑھ کے مریض کے لئے دعا کر دی تو وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہوگیا۔

مٹی کا پرندہ بنا کر اُس پر دم کر دیا تو وہ اُڑتا ہوا چلا گیا۔

تو عیسائیوں نے اِن باتوں کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی خدا ہیں، اور اصل رب العالمین اور اُس کے اَحکامات کو فراموش کر دیا۔

حالاں کہ یہ سب اختیارات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس نہ تھے؛ بلکہ اُن سے جو بھی نشانیاں ظاہر ہوئیں، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کاملہ کی مظہر تھیں؛ مگر عیسائی لوگ خلاّقِ دو جہاں کو بھول گئے، اور جو آنکھوں سے نظر آ رہا تھا اُسی میں پڑ گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کے درجہ میں رکھ دیا، جو سراسر شرک تھا، اور ''غلو مفرط'' کا اثر تھا۔

اِس کے برخلاف یہودیوں نے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں تفریط میں غلو کیا، اور اُن کی والدہ مطہرہ حضرت مریمؑ پر بے بنیاد اِلزامات لگائے؛ حتیٰ کہ سیدنا حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو گئے، نعوذ باللہ۔

تو یہ تفریط و تنقیص میں غلو کی بات تھی، جس کے یہودی مرتکب ہوئے۔

نیز یہود و نصاریٰ نے توریت اور انجیل میں کتر بیونت کر دی، احکامات بدل دئے، اور معانی میں تحریف وتبدیلی کر ڈالی؛ گویا کہ دین کو اپنی مٹھی میں لے لیا کہ جب چاہا، جدھر چاہا موڑ دیا، اور جو چاہا فتویٰ جاری کر دیا، نعوذ باللہ من ذلک۔

لیکن اِسلام میں اِس کی کوئی گنجائش نہیں ہے؛ کیوں کہ اِسلام میں نہ تو اِفراط ہے اور نہ تفریط ہے۔

اِسلام ایک کامل مکمل اور جامع دین ہے۔

قرآنِ پاک میں آخری حج کے موقع پر میدانِ عرفات میں یہ اعلان کیا جاچکا ہے کہ:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدۃ، جزء آیت: ۳] (یعنی آج میں نے تمہارا دین تم پر مکمل کر دیا، اور جو نعمت مجھے اِنسانیت کو عطا کرنی تھی وہ تام کر دی، اور اَب مَیں تم سے صرف دینِ اسلام سے راضی ہوں)

تو جب دین کامل ہے تو اَب کسی بھی معاملے میں ہمیں اپنی طرف سے ذرہ برابر بھی اِضافہ یا کمی کرنے کی اِجازت نہیں ہے۔

ہر عمل کو اپنے درجہ پر رکھیں!

علماء لکھتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سلف صالحین اَکابر اُمت نے دلائل کی روشنی میں جس عمل کی جو حیثیت متعین کر دی ہے، اُس عمل کو اُسی حیثیت پر رکھنا لازم ہے، اگر اُس میں کمی بیشی کی جائے گی، تو وہ درست نہ ہوگی۔ مثلاً جو عمل فرض ہے، اگر اُسے فرض نہ سمجھا جائے تو یہ تفریط میں غلو ہوگا۔

اِسی طرح جو عمل سنت کے درجہ کا ہے اُس کو اگر فرض یا واجب قرار دے دیا جائے، تو یہ افراط میں غلو ہو جائے گا وغیرہ۔

الغرض فرض کو فرض کے درجے میں رکھنا ہے، اور سنت کو سنت کے درجے میں رکھنا ہے، کسی کی حیثیت میں نہ زیادتی کرنی ہے اور نہ کمی۔

سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا اِرشاد

کتبِ حدیث میں ایک موقع پر سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اِرشاد بھی منقول ہے کہ:

''تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ رکھے، یعنی یہ ضروری نہ سمجھے کہ وہ نماز کے بعد صرف دائیں طرف ہی رخ کرے گا؛ کیوں کہ میں نے اکثر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بائیں طرف رخ کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے''۔ (مسلم شریف، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ/ باب جواز الانصراف من الصلوٰۃ عن الیمین والشمال ۱/۲۴۷ رقم: ۷۰۷، بخاری شریف ۱/۱۱۸ رقم: ۸۵۲)

مطلب یہ ہے کہ نماز باجماعت کے بعد امام کسی جانب بھی رخ کر کے بیٹھ سکتا ہے؛ لیکن کسی ایک جانب کو ضروری سمجھنا غلو اور بدعت ہوگا۔ (شرح النووی علی مسلم ۱/۲۴۷)

سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی مذکورہ بالا تنبیہ غلو آمیز باتوں کی تردید میں ایک مستقل اُصول کی حیثیت رکھتی ہے، جس کو ہر موقع پر پیش نظر رکھنا چاہئے۔

آج علماء دیوبند جو اِس خطے میں ''اہل سنت والجماعت'' کے اصل مصداق ہیں، اُن کا اہل بدعت سے بنیادی اختلاف یہی ہے کہ اہل بدعت دین میں حدود پر قائم نہیں ہیں؛ بلکہ غلو کا شکار ہیں۔

بلاشبہ ہم یہ مانتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے آخری پیغمبر اور تمام انبیاء کے سردار ہیں، اور کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سب سے اَفضل ترین بندے ہیں، یہ سب کچھ اپنی جگہ؛ لیکن آپ کے لئے کوئی ایسی صفت ثابت نہیں کی جاسکتی جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہو؛ گویا کہ حضورؐ؛ حضور ہیں، اور اللہ؛ اللہ ہے۔ دونوں کو اپنے اپنے مقام پر رکھنا ضروری ہے، اِس بارے میں حد سے تجاوز سراسر غلو اور نا منظور ہے۔

اِسی طرح فقہاء نے بہت سے مسائل لکھ دیئے ہیں، اَب اُن میں سے اگر کسی مستحب عمل کو ایسا ضروری سمجھ لیا جائے کہ جو اُس پر عمل نہ کرے، اُسے اِسلام ہی سے خارج مان لیا جائے، اور اُس پر سخت نکیر کی جائے، تو ایسی غلو والی باتیں برداشت نہیں کی جائیں گی، اور اُن سے بچنا ضروری ہوگا؛ لہٰذا ہمیں اپنے اِردگرد اِس بات کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ ہم دین کے نام پر کہیں غلو کا اِرتکاب تو نہیں کررہے ہیں۔ اگر ہم جائزہ لے کر اپنی اصلاح کرتے رہیں گے تو راہِ حق پر قائم رہیں گے، اور اگر اِس بات کی طرف سے نظر ہٹ جائے گی تو خدانخواستہ گمراہی کا دروازہ کھل جائے گا۔

دین کی بقا کے شعبے اور اُن میں غلو سے احتراز

دنیا میں دین کی بقا کے لئے بہت سی چیزیں ضروری ہیں۔ مثلاً: علم دین کی اِشاعت، لوگوں میں دینی بیداری پیدا کرنا، اور جہاں دین پر آنچ آئے تو حکمت عملی کے ساتھ اُس کا دفاع کرنا، یہ سب کام مجموعی طور پر ضروری ہیں۔

لیکن اِن کاموں کو اَنجام دینے کے لئے زمانے کے تقاضوں کے اعتبار سے جو طریقہ یا نہج متعین کیا جائے گا، وہ اپنی ذات کے اعتبار سے لازمی اور مقصود نہیں ہے۔ پس اگر اصل مقصد سے ہٹ کر اِنہیں متعین کردہ طریقوں پر محنت کی جانے لگے، اور اُن کے علاوہ طریقوں کو نظر انداز کر کے اُن کی اہمیت کو گھٹایا جائے، تو یہ غلو ہوگا، جو دین کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔

مثلاً: اَمر بالمعروف؛ یعنی نیکیوں کو پھیلانا اور نہی عن المنکر؛ یعنی بُرائیوں پر روک ٹوک کرنا مجموعی طور پر پوری اُمت کی ذمہ داری ہے؛ لیکن قرآن وسنت میں اِس کام کو انجام دینے کے لئے کوئی ایسا خاص طریقہ متعین نہیں کیا گیا ہے کہ اُس کے علاوہ کی گنجائش نہ ہو؛ بلکہ کام کرنے والوں کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

پس یہ محنت انفرادی بھی ہوسکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ تقریری بھی ہوسکتی ہے اور تحریری

بھی۔ اور ہر زمانے کے اعتبار سے اُس کا نظام الگ بھی ہوسکتا ہے؛ لیکن اگر ہم اپنے دل میں یہ بات بٹھالیں کہ جس طریقے اور نہج پر ہم کام کررہے ہیں وہ تو دین ہے، اور جو دوسرا کررہا ہے وہ دین نہیں ہے، تو یہ غلو ہے۔ اگر یہ نظریہ رکھا جائے گا تو اُمت محدود ہوتی چلی جائے گی، اور دین سمٹتا چلا جائے گا، اور لوگوں کے درمیان دیواریں کھنچ جائیں گی، ممکن ہے آج اِس کا پورا اندازہ نہ ہو؛ لیکن مستقبل میں اِس کی خرابیاں سامنے آئیں گی اور آرہی ہیں۔

اِس لئے خود کام ضرور کریں۔

مدرسے والے بھی کریں۔

دعوت وتبلیغ والے بھی کریں۔

اور جو اپنی اپنی جگہ پر کفار اور دشمنان سے مقابلہ کررہے ہیں وہ بھی کریں۔

جو تصنیف میں لگے ہوئے ہیں وہ تصنیف میں لگے رہیں۔

اور جو اور کوئی کام کررہے ہیں وہ بھی کرتے رہیں۔

لیکن...... دوسرے کے کام کو ہلکا نہ سمجھیں اور سب کے لئے اُس کو ضروری نہ سمجھیں۔

اگر سب کے لئے اپنی ہی ترتیب کو ضروری سمجھا جائے گا تو یہی غلو ہوگا، جس سے بچنا ضروری ہے۔

مرض کی تشخیص

بیماری کا علاج جبھی ہوتا ہے جب آدمی مرض کو مرض سمجھے، اس احساس کے بغیر اچھے سے اچھا ڈاکٹر بھی علاج نہیں کرسکتا، اِس لئے پہلے مرض کا احساس اور اُس کی تشخیص ضروری ہے، اُس کے بعد علاج مؤثر ہوگا۔

چناں چہ قرآنِ پاک نے درج ذیل آیت میں ہمیں اِسی جانب متوجہ کیا ہے۔

اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ﴾ (یعنی اے پیغمبر علیہ السلام! آپ کہہ دیجئے کہ اے اہلِ کتاب! دین میں ناحق غلو مت کرو)

مفسرین کہتے ہیں کہ آیت میں ﴿غَیْرَ الْحَقِّ﴾ جو قید ہے یہ تاکید کے لئے ہے؛ اِس لیے نہیں ہے کہ کوئی غلو حق بھی ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ کوئی غلو حق نہیں ہے، بلکہ ہر غلو ناحق ہے۔

پھر فرمایا: ﴿وَلَاتَتَّبِعُوْآ اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ﴾ [المائدۃ، جزء آیت: ۷۷] (یعنی ایسے لوگوں کے نقش قدم پر مت چلو جو تم سے پہلے گمراہ ہوچکے اور اُنہوں نے بہتوں کو گمراہ کردیا اور خود بھی راہِ حق سے ہٹ گئے)

مفسرین لکھتے ہیں کہ اِس آیت میں مخاطب تو اہلِ کتاب کو بنایا گیا ہے؛ لیکن دراصل پیغام پوری اُمت کو دیا گیا ہے، کہ سب لوگ دین میں غلو سے بچیں اور اُس ہلاکت خیز راستے سے محفوظ رہیں، جس کی وجہ سے پرانی اُمتیں تباہ اور گمراہ ہوئیں۔

اِس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم علماءِ حق سے وابستہ رہیں، غلو فی الدین سے بچیں، اپنا محاسبہ کریں، اور جو شخص بھی دنیا میں دین کے لئے محنت کررہا ہے، اُس کے لئے دل میں قدردانی کا جذبہ رکھیں، تحقیر کا جذبہ نہ رکھیں؛ ورنہ اپنی ساری یہ محنت اَکارت ہوجائے گی، اللہ تعالیٰ دل کے حالات سے واقف ہے، ہم سب کو اِس کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں بہت ہی شدت کے ساتھ اِس پر نکیر فرمائی، آپؐ نے اِرشاد فرمایا: ”ھَلَکَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ“ (صحیح مسلم / کتاب العلم رقم: ۲۶۷۰) (یعنی غلو کرنے والے، اور اپنے اَقوال واَفعال میں حد سے تجاوز کرنے والے ہلاک اور برباد ہوگئے) آپ علیہ السلام نے یہ جملہ تین مرتبہ اِرشاد فرمایا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو دینِ حق پر استقامت عطا فرمائیں، ہر طرح کی غلطیوں، گمراہیوں، ذلالت، زلات، خواہشات، شیطانی اثرات اور نفسانی شرور سے ہم سب کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

(شائع شدہ ماہنامہ ”ندائے شاہی“ مرادآباد فروری ۲۰۲۳ء)

پانچ باتوں کا اہتمام

○ حضرت اِمام اَوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ بات مشہور ہے کہ ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین پانچ باتوں کا بہت اہتمام رکھتے تھے:

(۱) لُزُوْمُ الْجَمَاعَةِ (اُمت کے اِجماعی نظریات کا اِلتزام)

(۲) اِتِّبَاعُ السُّنَّةِ (سنت رسول اللہ کی پیروی)

(۳) عِمَارَةُ الْمَسْجِدِ (مسجد کو آباد رکھنا)

(۴) تِلاوَةُ الْقُرْآنِ (قرآنِ کریم کی تلاوت)

(۵) اَلْمُجَاهَدَةُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اللہ کے راستے میں ہر طرح کی قربانی پیش کرنا) (حلیۃ الاولیاء ۶/۱۴۲، من اَخبار السلف الصالح ۳۵)

(مذکورہ پانچوں باتیں صراطِ مستقیم پر استقامت اور دین داری کی بقا کے لئے لازم ہیں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اشاعت: (۶۵)

تصوف کا استحصال

تحریر:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:

محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]
(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۶۵)

- موضوع : تصوف کا استحصال
- تحریر : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری
- شائع شدہ : ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' مارچ ۲۰۱۶ء
- جمع وضبط : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

- آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER
www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

نحمدهٗ ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

یہ بات ہر شک اور شبہ سے بالاتر ہے کہ سرور عالم نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُسوۂ مبارکہ نہ صرف اہلِ اسلام؛ بلکہ تمام انسانیت کی کامیابی کی واحد ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً. (الاحزاب: ۲۱)

تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو، اللہ کے رسول میں ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''میرے سب اُمتی جنت میں جائیں گے سوائے اُن لوگوں کے جو منکر ہوں''۔ عرض کیا گیا کہ ''منکر کون ہیں''؟ تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبىٰ. (رواه البخاری، مشکوٰۃ شریف ۲۷/۲)

جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی وہ منکر ہے۔

پس ہر انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی لازم ہے، قرآنِ پاک میں جا بجا جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تاکیدی حکم دیا گیا، وہیں اللہ کے رسول کی اطاعت بھی ضروری قرار دی گئی۔ چناں چہ ایک جگہ ارشاد ہے:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ. (النور: ٥٤)

اے پیغمبر آپ فرما دیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو، پھر اگر تم لوگ روگردانی کروگے تو اچھی طرح سمجھ لو کہ رسول کے ذمہ وہی (دعوت وتبلیغ کا کام) ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے، اور اگر تم نے ان کی اطاعت کرلی تو راہ یاب ہو جاؤگے اور بہر صورت رسول کا کام صرف صاف طور پر (اللہ کا پیغام) پہنچا دینا ہے۔

اور بھی متعدد آیات میں اسی طرح کا مضمون بیان کیا گیا ہے، اور بعض آیات میں اطاعتِ رسول کی تاکید کے ساتھ ساتھ سنتِ رسول سے روگردانی پر سخت وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں، اور واضح طور پر امت کو متنبہ کردیا گیا ہے کہ حکم خدا اور حکم رسول کے سامنے آنے کے بعد کسی شخص کے لئے چون وچرا کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ چناں چہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ، وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا. (الاحزاب: ٣٦)

اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں، پھر ان مؤمنین کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے، اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

مذکورہ نصوص سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شریعت کی نظر میں اتباع سنت کی کس قدر اہمیت ہے، اور اس سلسلہ میں کوتاہی کتنی بڑی خسارہ کی بات ہے؟

پیغمبر علیہ السلام کا ایک اثر انگیز خطاب

صحابی رسول سیدنا حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نماز کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے سامنے ایسا مؤثر وعظ فرمایا جس سے دل کانپ گئے اور آنکھیں نم ہوگئیں، تو ایک صاحب نے پیغمبر علیہ السلام سے عرض کیا: ''یارسول اللہ! یہ تو گویا کہ الوداعی وعظ معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے ہمیں کوئی وصیت فرمادیجئے''! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أُوصِيكُمْ بِتَقْوىٰ اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنكُمْ فَسَيَرىٰ اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (رواه أحمد وأبو داؤد، مشكاة المصابيح ۲۹-۳۰)

میں تم کو اللہ سے ڈرنے اور حکام کی فرمانبرداری کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ وہ (حاکم) حبشی غلام کیوں نہ ہو؟ اور تم میں سے جو آئندہ زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا؛ لہٰذا تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ پر قائم رہنا، اُن پر ثابت قدم رہنا اور دانت گاڑ لینا، اور نت نئی باتوں سے بچتے رہنا؛ کیوں کہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اِس پراثر خطابِ نبوی سے یہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہوگئی کہ من مانی کا نام دین نہیں؛ بلکہ سو فیصد اتباعِ شریعت وسنت کا نام دین ہے؛ لہٰذا جب ماحول میں بگاڑ پیدا ہو، خواہشات نفس کا دور دورہ ہو، ہر شخص خودرائی میں مبتلا ہو، اور ہر آدمی اپنی بات کو صحیح قرار دینے پر تُلا ہوا ہو، تو ایسے وقت میں راہِ حق تک رسائی کا صرف اور صرف ایک ہی راستہ ہے، اور وہ یہ ہے

کہ اُمت پیغمبر علیہ السلام کی اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کی طرف لوٹ جائے، اور جو باتیں سنت وشریعت کے خلاف ہوں اُن سے دور ہو جائے، اِس کے بغیر رجوع الی الحق کا منشا ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ علماء حق اہل سنت والجماعت کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ اُنہوں نے ہر معاملہ میں سنتِ نبوی کو ''مشعلِ راہ'' بنایا، اور ہر قسم کی بدعات سے بے زاری کا اظہار کیا، اور اپنی حد تک بدعات ورسومات اور جہالتوں کو مٹانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، اور اس معاملہ میں خاص طور پر برصغیر میں دارالعلوم دیوبند اور اُس کے مشرب ومنہج سے وابستہ اکابر علماء کرام کا کردار سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے، جنہوں نے سنتوں کی روشنی برصغیر کے چپہ چپہ تک پہنچا کر ماحول کو روشن اور منور کر دیا، فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

''برعکس نام نہند زنگی را کافور''

لیکن ہر دور میں اُمت میں ایسے افراد بھی رہے ہیں جنہوں نے محض ذاتی ونفسانی مفادات کی خاطر سنتوں کی اِشاعت کے بجائے بدعات کے فروغ میں اپنا مکروہ کردار پیش کیا ہے، اور کوئی اُنہیں ''بدعتی'' نہ کہہ سکے، اِس خطرہ سے اُنہوں نے اپنے فرقہ کا نام ہی ''اہل سنت والجماعت'' رکھ لیا، اور یہ باور کرایا کہ سنی کا لقب ہمارے ہی ساتھ خاص ہے۔

اور صرف اِسی پر بس نہیں کیا؛ بلکہ اِس فرقہ کے اکابر وخواص نے شرک وبدعات پر نکیر کرنے والے ''علماء ربانیین'' پر تکفیر کے گولے داغنے شروع کر دیئے، اور بعض باتوں کو بہانہ بنا کر جاہل اور بھولے بھالے عوام کو ایسا ورغلایا کہ گھر گھر آگ لگ گئی، حتیٰ کہ مسجدیں تک بٹ گئیں، اور قبرستانوں میں دیواریں کھچ گئیں، حد تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو کافر کہہ کر قبروں سے لاشیں نکال کر پھینکنے کے اِنسانیت سوز اور شرم ناک واقعات پیش آگئے۔ (جیسا کہ ابھی چند دن قبل ''اُودے پور'' راجستھان میں اِس طرح کا اندوہ ناک واقعہ پیش آیا)۔ (راشٹریہ سہارا دہلی ۱۲ر فروری ۲۰۱۶ء)

ایسے لوگوں کا حال بقولِ شورش کاشمیریؒ یہ ہے:

بے روک ہیں اُن فتویٰ فروشوں کی زبانیں ❖ اَسلاف کی توہین پہ کرتے ہیں گذارا
قرآن کے احکام سے رکھتے نہیں رغبت ❖ توحید کے اَذکار سے کرتے ہیں کنارا
ہر کوچۂ و بازار میں کہرام مچا ہے ❖ اُن زہد فروشوں نے مسلمان کو مارا
اُمت کے اَکابر پر سب وشتم کی بوچھار ❖ کرتی نہیں اللہ کی غیرت یہ گوارا

اِس ''نام نہاد فرقہ اہلِ سنت'' کے وجود سے پہلے بھی بدعات عام تھیں، مگر اُن میں یکجہتی اور یگانگت زیادہ نہ تھی، اور علمی تائیدات سے بھی اُن کا دامن خالی تھا، مگر اِس فرقہ کے بانیان کا بڑا کارنامہ یہ ہوا کہ اُنہوں نے بدعات کو اپنی مزعومہ تاویلات سے مدلل کر دیا، جس سے بدعتی نظریات واعمال کو فروغ دینے میں خوب مدد ملی، اور تفریق اُمت کا فرض بخوبی انجام پایا۔ بعد میں اِس فرقہ کے اَربابِ حل وعقد نے کئی مشترک مفادات کی خاطر ''خانقاہی قبوری طبقہ'' کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیا، اور حد تو یہ ہے کہ خود ''اعلیٰ حضرت صاحب'' نے جن بعض باتوں کو ناجائز اور بدعت قرار دے رکھا ہے، اُن اُمور کو بھی اُن کے نام لیوا میٹھا گھونٹ سمجھ کر پی گئے، اور اُن کے خاموش مؤید بن گئے، اور انہیں ساتھ ملا کر اپنی اکثریت کا دعویٰ کرنے لگے۔

''صوفی اسلام''

اور اَب ایک نئی حرکت یہ شروع کی کہ محض اکابر دیوبند کے بغض وحسد میں دشمنانِ اسلام ومسلمین کے آلۂ کار بن کر ''صوفی اسلام'' کے نام سے ایک ایسے اسلام کا تعارف کرایا جو سلف صالحین کے اسلام سے بالکل جداگانہ ہے، جس کی بنیاد ہی اہلِ حق سے بے زاری پر رکھی گئی ہے۔ یقیناً یہ ناروا جسارت صوفیاءِ عظام اور اولیاء اللہ کی بدترین توہین ہے؛ کیوں کہ حقیقی تصوف اور صوفیاءِ عظام اسلام سے الگ ہرگز نہیں ہیں، اور واقعی تصوف اصل میں اتباعِ سنت ہی کا نام ہے، جس سے اِنسان میں ''صفتِ احسانی'' پیدا ہوتی ہے اور رذائل کا خاتمہ ہوتا ہے، جس میں دور دور تک بدعات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اولیاء اللہ کے تمام معتبر سلسلوں میں بدعات وخرافات پر شدت سے نکیر کی گئی ہے۔ پیرانِ پیر سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے

مواعظ وخطبات میں جا بجا بدعات اور محدثات پر شدت سے تردید کے مضامین موجود ہیں۔ اسی طرح خواجہ غریب نواز حضرت شاہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت خواجہ قطب الدین کاکیؒ، سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین چشتیؒ اور حضرت خواجہ صابر کلیریؒ وغیرہم کے ملفوظات میں شریعت وسنت پر ثبات قدمی کی تلقین کی گئی ہے اور شرک وبدعات سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور ان مقدس نفوس نے پوری زندگی اسلام کی اِشاعت، مسلمانوں کی اصلاح اور ملت کی شیرازہ بندی میں صرف کی۔ اِس بارے میں اُن کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

لیکن آج اِنہی بزرگوں اور مقدس شخصیات کے نام پر ملت کو ٹکڑوں میں باٹنے کے لئے کچھ ''قبا فروش'' کھڑے ہو گئے ہیں، جو بھولے بھالے اہل ایمان کو پوری بے غیرتی کے ساتھ گمراہ کرنے اور انتشار پھیلانے میں مصروف ہیں، ان کا تصوف سے دور تک کا کوئی واسطہ نہیں؛ بلکہ وہ تصوف اور ''صوفی اِزم'' کا ڈھونگ رچا کر ملت کو تقسیم کرنے کا ناپسندیدہ کام کر رہے ہیں، ایسے ہی لوگوں سے کسی شاعر نے سوال کیا تھا:

بیج بو کر فتنۂ تکفیر کا اسلام میں ❖ رات دن جلسے کراؤ، کیا یہی اِسلام ہے؟
خانقاہوں میں بزرگوں کے مقدس نام پر ❖ نت نئے فتنے جگاؤ، کیا یہی اِسلام ہے؟
خواجۂ کونین کے اسلام کی بنیاد و بیخ ❖ اپنے ہاتھوں سے گراؤ، کیا یہی اِسلام ہے؟
عاقبت کے نرخ پر ہنگامۂ تکفیر سے ❖ آگ ہر گھر میں لگاؤ، کیا یہی اِسلام ہے؟

کل خدا کے سامنے ہر بات کا ہوگا جواب
آج ''گل چھرّے'' اُڑاؤ، کیا یہی اِسلام ہے؟

اللہ تعالیٰ پوری اُمت کو انتشار واختلاف سے محفوظ فرمائیں، اور طالع آزماؤں کی ناعاقبت اندیشی اور فتنہ پروروں کے فتنہ سے محفوظ رکھیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(شائع شدہ ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' مارچ ۲۰۱۶ء)

❏❖❏

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (٦٦)

ذکرِ اَزواجِ مطہرات

(رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

تحریر:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

پیش لفظ

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد!

یہ مضمون کئی سال قبل ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ:

’’سرورِ عالم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کل کتنے نکاح فرمائے؟ اور آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے وقت کتنی اَزواجِ مطہرات باحیات تھیں؟ نیز آپ نے اپنی زندگی میں کسی زوجہ مطہرہ کو رخصتی سے پہلے یا رخصتی کے بعد طلاق دی ہے یا نہیں؟‘‘

چناں چہ اِس سوال کی روشنی میں یہ طویل مضمون تحریر کیا گیا، جس میں پیغمبر علیہ السلام کے تعدد اِزدواج کی حکمتیں اور اَزواجِ مطہرات کے بارے میں ضروری معلومات مختصر انداز میں جمع کردی گئی ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِس مضمون کو مستقل رسالے کی شکل میں شائع کردیا جائے، اُمید ہے کہ قارئین کے لئے مفید ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اِس تحریر کو قبول فرمائیں، اور آخرت میں پیغمبر علیہ السلام کی شفاعت ومعیت نصیب فرمائیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۴۲/۱/۴ھ مطابق ۲۰۲۰/۸/۲۴ء

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرتِ نکاح اور تعددِ ازدواج پر دشمنانِ اسلام نے بہت ہائے واویلا اور شور وغوغا مچایا ہے، اور اَب بھی وقفہ وقفہ سے اِس کے متعلق دریدہ ذہنی کرکے اشتعال انگیزیاں کی جاتی ہیں۔

تو اِس کے بارے میں واضح رہنا چاہئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہونے کی بنیاد پر عام انسانوں کے مقابلہ میں خاص امتیازات کے حامل تھے، اولاً آپ کی ذاتِ عالی صرف مردوں ہی کے لئے سرچشمۂ ہدایت نہ تھی؛ بلکہ عورتوں کی ہدایت بھی آپ ہی کی ذاتِ عالی سے وابستہ تھی، اس لئے ضروری تھا کہ منتخب اور عفت مآب پاکیزہ خواتین آپ کے حرم میں آکر دین براہِ راست سیکھیں اور پھر دوسروں تک پہنچائیں۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر بے مثال جسمانی قوتیں ودیعت فرمائی تھیں، جن کا دوسرے انسان میں تصور نہیں ہوسکتا۔ (مجمع الزوائد/عن عبداللہ بن عمر ۲۷/۸ وغیرہ)

تیسرے یہ کہ آپ نے جتنے بھی نکاح فرمائے ہیں وہ ملکی، قومی، ملی یا کسی فرد کے مصالح پر مبنی تھے، محض نفسانی خواہش پر ان کا مدار نہ تھا۔

اِس کا خلاصہ کرتے ہوئے حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۵؍برس کی عمر میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے پہلا نکاح کیا، پھر ۲۵؍سال تک جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زندہ رہیں، آپ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد چوں کہ گھر میں چھوٹی بچیاں تھیں اور رسالت کی ذمہ داری الگ تھی، اس لئے آپ نے خاندان کی عورتوں کے اصرار سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، جو بیوہ تھیں۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۵۰؍سال تھی۔

اسی زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دکھلائی گئیں، اور کہا گیا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں، چوں کہ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر پانچ چھ سال تھی، اس لئے اس خواب کی صورت واضح نہیں ہوئی، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات ڈالی گئی، اور انہوں نے اس نکاح کی تحریک کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرلیا، مگر ابھی وہ گھر آباد نہیں کرسکتی تھیں، اس لئے عملاً آپ کے گھر میں ایک ہی بیوی رہی، یہی ایک نکاح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کنواری عورت سے کیا ہے۔ باقی سب نکاح بیوہ عورتوں سے کئے ہیں، اور ہجرت کے بعد کئے ہیں، جب کہ آپ کی عمر مبارک ۵۶ تا ۶۰؍سال تھی، اور یہ نکاح ملی، ملکی اور شخصی مصالح کے پیشِ نظر کئے ہیں۔ مثلاً:

(۱) حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح لے پالک کی رسم مٹانے کے لئے کیا ہے، اور اس نکاح کا حکم اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں نازل فرمایا ہے، یہ ملی مصلحت ہے۔

(۲) اور حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نکاح ملکی مصلحت سے کیا ہے، تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ بدر کے بعد اسلام کے خلاف تمام جنگوں کی کمان ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی ہے، مگر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد انہوں نے کوئی اہم فوج کشی نہیں کی، یہ اس نکاح کا فائدہ تھا۔

(۳) اور چند خواتین کی اسلام کے لئے بڑی قربانیاں تھیں، جیسے سیدتنا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، جب وہ بیوہ ہوگئیں تو ان کی دل داری کے لئے آپ نے ان سے نکاح کیا ہے۔ اور سیدتنا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دل جوئی کے لئے کیا ہے، یہ شخصی مصلحت ہے۔

غرض سبھی نکاح انہی مقاصد ثلاثہ سے کئے ہیں، جن کی تفصیل طویل ہے، کوئی نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ضرورت کے لئے نہیں کیا؛ کیوں کہ آپ کی چہیتی بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے گھر میں تھیں، اور یہ عمر طبعی ضرورت کی بھی نہیں تھی، وہ تو جوانی کا زمانہ ہے، جو آپ نے ایک بیوی کے ساتھ بسر کیا ہے، اور چوں کہ یہ تینوں مصالح ایسے تھے کہ ان کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی، اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نکاح کی تحدید نہیں کی گئی''۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغۃ ۹۹-۱۰۰)

اس تفصیل کو سامنے رکھ کر کوئی بھی منصف مزاج آپ کے تعددِ نکاح پر کوئی اشکال نہیں کرسکتا۔

ازواجِ مطہراتؓ کی تعداد

اَحادیثِ شریفہ اور سیرت کی اکثر کتابوں میں اِس بات پر تو اتفاق ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ۹؍ اَزواجِ مطہرات باحیات تھیں، جب کہ دو اَزواجِ مطہرات یعنی حضرت خدیجہ اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں وفات پا چکی تھیں۔

اِن کے علاوہ متعدد خواتین سے آپ کا نکاح فرمانا بعض کتابوں میں مذکور ہے۔ چناں چہ ''مستدرک حاکم'' میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کل ۱۸؍ نکاح فرمائے، جن میں سے ۷؍ عورتوں کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا، اور ۹؍ عورتوں کا تعلق عرب کے دیگر قبائل سے تھا، اور ایک کا تعلق قریش کے حلفاء سے، اور ایک زوجہ مطہرہ نبی اسرائیل سے تھیں؛ تاہم ان خواتین کے ناموں اور قبیلوں کی تعیین میں سخت اختلاف ہوا ہے۔

ذیل میں ہم اولاً متفق علیہ ۱۱/ اَزواجِ مطہرات کا تذکرہ کریں گے، اُس کے بعد دیگر عورتوں کے بارے میں روایات کی روشنی میں مختصراً گفتگو کریں گے۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اُم المؤمنین سیدتنا حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

آپ قبیلہ قریش کی انتہائی باوقار، سمجھ دار اور باوجاہت خاتون تھیں، آپ نے خود پیغمبر علیہ السلام کی اَمانت داری اور اخلاقِ فاضلہ سے متأثر ہوکر پیغمبر علیہ السلام کے حرم میں آنے کی پیش کش کی، جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۴۰/ سال اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۲۵/ سال تھی، یہ پیغمبر علیہ السلام کا پہلا نکاح تھا، جب کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا تیسرا نکاح تھا، اس سے قبل وہ دو اور شوہروں (ابوہالہ بن زرارہ تمیمی، اور عتیق بن عائذ مخزومی) کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔ (اصح السیر ۱۱)

بعثت مبارکہ سے ۱۵/ سال قبل یہ نکاح ہوا، اور بعثت کے بعد ۱۰/ سال تک آپ باحیات رہیں، اس طرح کل ملاکر ۲۵/ سال پیغمبر علیہ السلام کی زوجیت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب اولادیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہی تھیں۔

اُمت میں سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اِسلام لانے کا اعزاز بھی آپ کو حاصل ہے۔ دین کے لئے آپ کے بے مثال صبر وتحمل، صدق ووفاء اور سخت ترین حالات میں پیغمبر علیہ السلام کی تسلی اور دل داری کے روشن نقوش آپ کے حوالے سے تاریخ میں درج ہیں۔

آپ کی حیات میں پیغمبر علیہ السلام نے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔

رمضان المبارک ۱۰/ نبوی میں ہجرت سے تین سال قبل آپ کی ۶۵/ سال کی عمر میں وفات ہوئی، اور مکہ معظّمہ کے مشہور قبرستان ’’جنۃ المعلی‘‘ میں مدفون ہوئیں۔

آپ کی وفات پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بڑا صدمہ ہوا، بعد میں بھی پیغمبر علیہ السلام

موقع بموقع حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یاد فرمایا کرتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۲۴۷۹/۴-۲۴۸۰-۲۴۸۱، اسد الغابہ ۸۵-۷۸/۶ وغیرہ)

(۲) اُم المؤمنین سیدتنا حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

آپ کا تعلق بھی خاندانِ قریش سے تھا، آپ کا پہلا نکاح چچازاد بھائی ''سکران ابن عمر'' سے ہوا، بعد ازاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ہجرت سے تقریباً ۳؍سال پہلے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو اپنی زوجیت کے لئے قبول فرمایا، ہجرت سے قبل ہی آپ کی رخصتی ہوگئی تھی۔

آپ بلند قامت اور بھاری جسم والی تھیں، پیغمبر علیہ السلام نے اخیر عمر میں آپ کو طلاق دینے کا اِرادہ فرمالیا تھا؛ لیکن آپ نے درخواست کی کہ میں چاہتی ہوں کہ آخرت میں میرا حشر آپ کی اَزواجِ مطہرات میں ہو، اِس لئے چھوڑنے کا اِرادہ نہ فرمائیں، چناں چہ پیغمبر علیہ السلام نے اپنا اِرادہ موقوف فرمادیا، بعد اَزاں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ فرمادی۔

آپ بڑی عبادت گذار اور صدقہ خیرات کی شوقین تھیں، امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۲۵۴۶-۲۵۴۷ دار المعرفہ بیروت، اسد الغابہ ۱۵۷/۶-۱۵۸)

(۳) اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

آپ خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحب زادی تھیں، ہجرت سے تین سال قبل ۶؍ یا ۷؍سال کی عمر میں مکہ معظّمہ میں پیغمبر علیہ السلام سے آپ کا نکاح ہوا، اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ۹؍سال کی عمر میں آپ کی رخصتی ہوئی، آپ بڑی عاقلہ اور فاضلہ خاتون تھیں، اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چہیتی زوجۂ مطہرہ تھیں، کئی امتیازی خوبیاں آپ میں پائی جاتی ہیں، جو مختصراً درج ذیل ہیں:

(۱) آپ کے نکاح سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیغمبر علیہ السلام کو آپ کی صورت دکھائی تھی کہ یہ آپ کی ہونے والی زوجہ مطہرہ ہیں۔

(۲) آپ ہی سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کنواری ہونے کی حالت میں نکاح فرمایا۔ آپ کے علاوہ بقیہ سب اَزواجِ مطہرات بیوہ یا مطلقہ تھیں۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے ایک بستر پر لیٹے ہوئے ہونے کی حالت میں وحی کا نزول ہوتا تھا۔

(۴) سبھی موجود اَزواجِ مطہرات میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ سے سب سے زیادہ تعلق تھا۔

(۵) واقعۂ اِفک میں آپ کی برأت سے متعلق قرآنِ کریم کی واضح آیات نازل ہوئیں۔

(۶) آپ کو حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔

(۷) آپ رضی اللہ عنہا ہی کے حجرۂ مبارکہ اور آپ کی گود میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہوئی۔

آپ کے بارے میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ’’عائشہ کی فضیلت دیگر عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت دیگر کھانوں پر‘‘۔

آپ کے حوالہ سے ذخیرۂ احادیث میں ۲۲۱۰؍ روایات منقول ہیں، جو آپ کی علمی جلالتِ شان کی دلیل ہے۔ بڑے بڑے صحابہ اور تابعین نے آپ سے علم حاصل کیا، اور مسائل معلوم کیے۔ حضرت اِمام زہریؒ فرماتے ہیں کہ: ’’اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا علم ایک طرف اور دیگر ازواجِ مطہرات؛ بلکہ سبھی عورتوں کا علم دوسری طرف رکھا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ہی زیادہ افضل ہوگا‘‘۔

پیغمبر علیہ السلام کی وفات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک صرف ۱۸؍ سال تھی۔ اور ۵۷؍ یا ۵۸؍ ہجری میں ۶۷؍ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی اور جنۃ البقیع

میں مدفون ہیں۔رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا۔(المستدرک للحاکم ۵/۴-۱۱ دارالکتب العلمیہ بیروت، الاصابہ فی تمییز الصحابہ/ کتاب النساء ۲۳۳/۸ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۴) اُم المؤمنین سیدتنا حضرت اُم سلمہ بنت ابی اُمیہ رضی اللہ عنہا

آپ قبیلہ قریش کی انتہائی معاملہ فہم اور معزز خواتین میں شامل تھیں، اسلام کے ابتدائی دور میں دولتِ اسلام سے مشرف ہوئیں، اور حبشہ اور مدینہ منورہ دونوں ہجرتوں کی سعادت حاصل ہوئی، پیغمبر علیہ السلام کے حرم میں آنے سے پہلے آپ حضرت ابوسلمہ ابن عبد الاسد المخزومی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، جو اُن کے حق میں بہترین شوہر تھے، اُن سے چار اولادیں بھی تھیں۔

خود فرماتی ہیں کہ جب ابوسلمہ کا انتقال ہوگیا تو مجھے یہ بات یاد آئی کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مصیبت کے وقت ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ“ اور ”اَللّٰھُمَّ أَجُرۡنِيۡ فِيۡ مُصِیۡبَتِيۡ ھٰذِہٖ وَاخۡلُفۡ لِيۡ خَیۡرًا مِنۡھَا“ (یعنی اے اللہ! مجھے اِس مصیبت پر اجر وثواب عطا فرمایئے، اور مجھے اُس کے نعم البدل سے نوازیئے) پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کا نعم البدل عطاء فرماتے ہیں، تو میں سوچنے لگی کہ ابوسلمہ سے بہتر میرا شوہر کون ہوگا؟ لیکن پھر میں نے ”انا للہ“ اور وہ دعا پڑھ ہی لی، تو عدت کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے پاس پیغامِ نکاح بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ابوسلمہ سے بہتر شوہر عطا فرمایا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے بے مثال فراست، عاقبت اندیشی اور بصیرت سے مالا مال فرمایا تھا، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد جو حالات پیش آئے، اُن میں آپ نے اپنے کو ہر طرح کے فتنوں سے بچا کر رکھا اور دوسروں کو بھی بہترین مشورے دیتی رہیں۔ ۵۹، ۶۱ یا ۶۲ ہجری میں (علی اختلاف الاقوال) مدینہ منورہ میں وفات ہوئی اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا (المستدرک للحاکم/ کتاب معرفۃ الصحابہ ۱۷/۴ رقم: ۶۷۵۶-۶۷۵۷ دارالکتب العلمیہ بیروت، صحیح مسلم/ کتاب الجنائز ۳۰۰/۱)

(۵) اُم المؤمنین سیدتنا حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا

آپ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحب زادی

تھیں، آپ کا پہلا نکاح ''خنیس بن حذافہ سہمی'' رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، ان کی وفات کے بعد شعبان ۳؍ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔

اَزواجِ مطہرات میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا، آپ بڑی عبادت گذار اور شب بیدار خاتون تھیں۔

۴۵؍ہجری میں ۶۲؍سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی، مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴؍۲۴۶۹-۲۴۷۰ دار المعرفہ بیروت، المستدرک للحاکم ۴؍۱۶، اسد الغابہ ۶؍۶۵، اصح السیر ۳-۵۷۳-۵۷۴)

(۶) اُم المؤمنین سیدتنا حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجیت میں آنے سے پہلے آپ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، جو غزوۂ احد میں شہید ہوگئے تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے نکاح فرمایا۔

آپ کا لقب ''اُم المساکین'' تھا؛ کیوں کہ آپ فقراء اور مساکین پر بہت مہربان تھیں، آپ اُم المؤمنین حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ماں شریک بہن تھیں۔

آپ نبی اکرم علیہ السلام سے نکاح کے بعد چند ہی مہینے باحیات رہیں، اور ربیع الثانی ۴؍ہجری میں وفات پاگئیں، وفات کے وقت آپ کی عمر کل ۳۰؍سال تھی، رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابۃ/ کتاب النساء ۸؍۱۵۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت، المستدرک للحاکم ۴؍۳۶)

(۷) اُم المؤمنین سیدتنا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں، اور بڑی خوب رو، اور باسلیقہ خاتون تھیں، آپ کا شمار قدیم الاسلام صحابیات میں ہوتا ہے۔

آپ کا نکاح اولاً پیغمبر علیہ السلام نے اپنے متبنیٰ حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ سے

کرایا تھا؛ لیکن ان دونوں میں نبھاؤ نہ ہونے کی وجہ سے تفریق کی نوبت آگئی، تو پیغمبر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اَز خود اپنے لئے نکاح کا پیغام بھیجا، اِس نکاح کے ذریعہ لے پالک بیٹے کو حقیقی بیٹے کے درجہ میں رکھنے کی جاہلانہ رسم ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔ جس کا ذکر قرآنِ کریم میں سورۂ احزاب (آیت: ۳۷) میں کیا گیا ہے۔

یہ نکاح کا واقعہ ۳ ؍ ہجری میں پیش آیا، اور اس موقع پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ولیمہ کی شاندار دعوت فرمائی، اور پردے کی آیات بھی اسی مناسبت سے نازل ہوئیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بہت ہی صاف دل اور سچی خاتون تھیں، غریبوں اور محتاجوں کی خبر گیری میں ممتاز تھیں، حتی کہ اُن کا لقب ہی **"مأوی المساکین"** پڑ گیا تھا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ میری اَزواج میں وہ زوجہ مجھ سے سب سے پہلے آکر ملے گی جن کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے۔ یہ حدیث سن کر اَزواجِ مطہرات اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں، اور ارشادِ نبوی کو اپنے ظاہر پر محمول کرتی تھیں؛ لیکن جب سیدتنا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اَزواجِ مطہرات میں سب سے پہلے وفات ہوئی تو پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشادِ عالی کا کیا مطلب تھا، یعنی اِس میں یہ اِشارہ کیا گیا تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اَزواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ داد ودہش اور صدقہ خیرات کرنے والی ہیں۔

۲۰ ؍ ہجری میں دورِ فاروقی میں ۵۳ ؍ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی، اور مدینہ منورہ میں مدفون ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا۔ (المستدرک للحاکم ۴ ؍ ۲۴-۲۶، الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۸ ؍ ۱۵۳-۱۵۵، اسد الغابہ ۶ ؍ ۱۲۵-۱۲۷، اصح السیر ۵۸۲-۵۸۴)

(۸) اُم المؤمنین سیدتنا حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا

آپ کا تعلق قبیلہ بنوخزاعہ سے تھا، اصل نام "برّہ" تھا، جسے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبدیل کرکے "جویریہ" نام رکھا۔

اولاً آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح ''مسافع بن صفوان'' سے ہوا، جو اپنے قبیلہ کا بڑا سردار تھا، اور ''غزوۂ مریسیع'' میں مارا گیا تھا، اسی غزوہ میں جب قیدیوں کو تقسیم کیا گیا، تو حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں؛ لیکن چوں کہ آپؓ معزز خاندان سے تھیں، اس لئے غلامی کی زندگی پسند نہیں کی، اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے اپنی آزادی کے لئے عقد کتابت کرلیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملیّ اور قومی مصلحت کے پیش نظر آپ کا بدل کتابت خود ادا کر کے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں داخل فرمایا، اور بدلِ کتابت ہی کو مہر قرار دیا، یہ ۵ر یا ۶ رہجری کا واقعہ ہے۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کی خبر ملی، تو صحابہؓ نے بنوالمصطلق کے سب جنگی قیدیوں کو یہ سوچ کر آزاد کردیا کہ یہ سب حضرت جویریہؓ کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار بن گئے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ: ''کوئی عورت حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ اپنی قوم کے لئے بابرکت ثابت نہیں ہوئی''۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ میں نے غزوۂ بنی المصطلق سے چند روز قبل یہ خواب دیکھا تھا کہ یثرب (مدینہ) سے چاند اُٹھ کر آیا اور میری گود میں ٹھہر گیا، جس کی بظاہر تعبیر یہی تھی کہ آپ کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجیت نصیب ہوگی۔

اور ایک روایت یہ ہے کہ جب حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آگئیں تو آپ کے والد نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ جویریہ ایسی لڑکی ہیں جسے قیدی نہیں بنایا جاسکتا؛ لہٰذا آپ اُسے آزاد کردیں، تو پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ اسے اختیار دے دیں کہ وہ چاہے جہاں رہے''؟ اِس پر والد راضی ہوگئے، اور یہ بات جاکر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی؛ لیکن حضرت جویریہ نے باپ کے پاس واپس جانے کو اختیار نہیں کیا؛ بلکہ فرمایا کہ: ''اِخْتَرْتُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ''. (یعنی میں اللہ اور اُس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں)

آپ کی وفات (علیٰ اختلاف الاقوال) ربیع الاول ۵۰ھ ہجری یا ۵۶ھ ہجری میں سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی، اور مدینہ منورہ میں مدفون ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/۲۴۶۰-۲۴۶۱ دارالمعرفہ بیروت، اسد الغابہ ۶/۵۶-۵۷، اصح السیر ۵۹۹، المستدرک للحاکم ۴/۲۹ رقم: ۶۷۸۱ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۹) اُم المؤمنین سیدتنا حضرت اُم حبیبہ (رملہ) بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ بھی قدیم الاسلام صحابیات میں سے ہیں، ہجرتِ مدینہ منورہ سے کافی پہلے آپ دولت اِسلام سے مشرف ہوچکی تھیں، اور اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ساتھ ہجرت بھی فرمائی تھی، حبشہ میں عبیداللہ بن جحش کا بحالتِ ارتداد انتقال ہوگیا تھا، یہ خبر ملنے پر پیغمبر علیہ السلام نے مدینہ منورہ سے شاہِ حبشہ اصحمہ نجاشی کے پاس بذریعہ عمرو بن اُمیہ ضمری یہ اطلاع بھیجی کہ اگر اُم حبیبہ منظور کریں تو اُن کا نکاح پیغمبر علیہ السلام سے کردیا جائے، چناں چہ نجاشی نے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اُن کی رضامندی سے حضرت نبی اکرم علیہ السلام کے ساتھ کردیا، اور اپنی طرف سے بطور مہر ۴۰۰ر دینار کی خطیر رقم عطا کی، یہ ۷ھ ہجری کا واقعہ ہے، پھر آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔

کیوں کہ آپ اس وقت کے مکہ کے سب سے بڑے سردار ''ابوسفیان صخر بن حرب'' کی صاحبزادی تھیں، اور وہ اس وقت دولت اسلام سے مشرف نہیں ہوئے تھے، اس لئے سیاسی طور پر اس رشتہ دامادی کا یہ نتیجہ نکلا کہ حضرت ابوسفیان کی اسلام کے خلاف پرجوش مخالفت میں کافی کمی آگئی، اور وہ بھی بالآخر فتح مکہ کے موقع پر اسلام کے آغوش میں آگئے۔

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ۴۴ھ ہجری میں امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی، اور آپ جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ۶/۱۱۵ دارالفکر بیروت، الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/۲۵۰۸-۲۵۰۹-۲۵۱۰ دار المعرفہ بیروت، اسد الغابہ ۶/۲۱۵-۲۱۶، اصح السیر ۵۹۷-۶۰۱)

(۱۰) اُم المؤمنین سیدتنا حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ یہودی قبیلہ بنونضیر کے مشہور سردار ''حیی بن اخطب'' کی بیٹی تھیں، آپ کا پہلا نکاح ''سلام بن مشکم'' سے ہوا، اس کے بعد کنانہ بن ابی حقیق کے نکاح میں آئیں، جو غزوۂ خیبر میں مقتول ہوا، اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنگی قیدیوں میں شامل ہوکر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں، جس پر کچھ لوگوں میں یہ تبصرہ ہوا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا چوں کہ سردار کی بیٹی ہیں، اس لئے اُن کا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رہنا ہی بہتر ہے، پیغمبر علیہ السلام کو بھی اسی میں مصلحت معلوم ہوئی، اس لئے آپ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو بدلے میں کئی باندیاں دے کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خود اپنے لئے اختیار فرمایا، اور پھر انہیں آزاد کر کے ان سے باقاعدہ نکاح فرمالیا، اور مدینہ منورہ واپسی کے دوران راستہ میں بمقام ''سد الصہباء'' رخصتی فرمائی، اور صبح کو مختلف صحابہ کے توشوں کو ایک دسترخوان پر جمع کر کے ولیمہ کا اہتمام فرمایا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بھی خواب میں ایک سورج کو اپنی گود میں آتا ہوا دیکھا تھا، جب یہ خواب آپ نے اپنے شوہر کو بتایا تو وہ سخت ناراض ہوا، اور کہنے لگا کہ کیا تم عرب کے بادشاہ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں جانا چاہتی ہو؟ تاہم اللہ تعالیٰ نے بعد میں اس خواب کو سچا کر دکھایا۔

آپ چوں کہ نہایت خوب رو، بردبار اور علم وفضل والی خاتون تھیں، اس لئے بعض اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے سوکن ہونے کے اعتبار سے آپ کی چشمک رہتی تھی، جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے اکثر دفاع فرمایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہ سے یہ کہہ دیا کہ ہمارا تعلق تو حضور ہی کے خاندان اور قبیلہ سے ہے، جب کہ تمہاری نسل

الگ ہے، جب یہ بات حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے پیغمبر علیہ السلام کو بتائی تو آپ نے فرمایا کہ ''تمہیں جواب میں یہ کہنا چاہئے تھا کہ تم دونوں مجھ سے بہتر کیسے ہوسکتی ہو؟ جب کہ میرے والد حضرت ہارون علیہ السلام اور میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور میرے شوہر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (گویا کہ میری رشتہ داری تین پیغمبروں سے ہے)''۔

اور روایات میں یہ بھی ہے کہ مرض الوفات میں جب کہ سب اَزواجِ مطہرات پیغمبر علیہ السلام کے پاس موجود تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ: ''اے اللہ کے رسول! قسم بخدا میری خواہش تو یہ ہے کہ جو تکلیف آپ کو ہے، وہ مجھے ہوتی''، یعنی آپ بعافیت رہتے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا یہ فدایانہ جملہ سن کر بعض ازواجِ مطہرات نے بطور طنز وتعریض آنکھوں سے اشارے کرنے شروع کردئے، تو پیغمبر علیہ السلام نے اُن اَزواجِ مطہرات سے فرمایا کہ ''کلی کرو''، اَزواجِ مطہرات نے پوچھا کہ ''کس بات کی وجہ سے کلی کریں''؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''تم نے جو صفیہ کے بارے میں طنز وتعریض کیا ہے اس کی بناپر، اور اللہ کی قسم صفیہ اپنی بات میں سچی ہیں''۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد ۴۲؍سال باحیات رہیں، اور ۵۲؍ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں وفات پائی، اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴؍۲۵۵۷-۲۵۵۸-۲۵۵۹ دار المعرفہ بیروت)

(۱۱) اُم المؤمنین سیدتنا حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی خاندانِ قریش کی معروف خواتین میں سے ہیں، آپ سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس اور سیدنا حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں، پیغمبر علیہ السلام کے نکاح میں آنے سے پہلے بالترتیب مسعود بن عمر ثقفی اور ابورہم بن عبد العزیٰ کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔

۷؍ہجری میں عمرۃ القضاء کے موقع پر مقام سرف میں حضرت عباسؓ کی وکالت سے پیغمبر علیہ السلام نے بحالت احرام آپ سے عقد نکاح فرمایا، اور یہ نکاح ایک خاص حکمت پر مبنی تھا کہ آپ مکہ معظّمہ جا کر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے رخصتی فرمائیں گے، اور پھر ولیمہ میں سردارانِ مکہ کو شرکت کی دعوت دی جائے گی؛ لیکن اس وقت مکہ کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش کش کو قبول نہیں کیا، چناں چہ مکہ معظّمہ کے بجائے واپسی میں ''مقامِ سرف'' ہی پر آپ کی رخصتی ہوئی۔

اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ ۶۱؍ہجری میں اُسی مقام پر آپ کی وفات بھی ہوئی، بوقت وفات آپ کی عمر مبارک ۸۰ یا ۸۱؍سال تھی، آپ بڑی متقیہ اور صلہ رحمی کرنے والی خاتون تھیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا۔ (المستدرک للحاکم ۴؍۳۲ دار الکتب العلمیہ بیروت، اسد الغابۃ ۶؍۲۷۲-۲۷۳)

درج بالا گیارہ اَزواجِ مطہرات کے بعد اَب ذیل میں بعض اُن خواتین کا ذکر کیا جاتا ہے، جن سے پیغمبر علیہ السلام کے نکاح یا پیغامِ نکاح دینے کا تذکرہ کتب سیر واَحادیث میں ہے:

(۱۲) حضرت اسماء بنت النعمان بن شراحبیل الکندیہ الجونیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ کا تعلق اہل یمن سے تھا، ان کے والد ''نعمان بن ابی الجون'' قبیلہ کندہ کے وفد کے ساتھ مسلمان ہوکر پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، اسی وقت اُنہوں نے اپنی بیٹی کا رشتہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۵۰۰؍درہم پر نکاح کی منظوری دی، اور حضرت ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ کو اسماء بنت النعمان کو ان کے وطن سے مدینہ لانے کی ذمہ داری دی، یہ بہت حسین وجمیل عورت تھیں؛ لیکن اُن میں شاید زیادہ سمجھ داری نہ تھی، اِسی لئے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی طرف تنہائی میں متوجہ ہوئے، تو اُنہوں نے آپ سے اللہ کی پناہ مانگی۔

اور بعض روایات میں ہے کہ کچھ ناسمجھی کی باتیں کیں، جس کی وجہ سے پیغمبر علیہ السلام نے اُن کو طلاق دے دی اور کچھ سامان دے کر اُن کے وطن واپس بھجوا دیا۔

اور بخاری شریف کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس عورت کا نام ''اُمیمہ بنت شراحیل'' تھا۔ (صحیح البخاری، کتاب الطلاق/ باب من طلق وہل یواجہ الرجل امرأتہ بالطلاق ۲/۷۰۷، صحیح البخاری، کتاب الاشربہ/ باب الشرب من قدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم وآنیتہ ۲/۸۴۲ رقم: ۵۶۳۷ دار الفکر بیروت، صحیح مسلم ۲/۱۶۸ رقم: ۲۰۰۷، تکملۃ فتح الملہم /کتاب الاشربہ/تحقیق قصۃ المرأۃ الجونیہ ۳/۶۵۰ مکتبۃ دار العلوم کراچی)

(۱۳) حضرت فاطمہ بنت ضحاک الکلابیہ رضی اللہ عنہا

آپ کا تعلق قبیلہ بنوکلاب سے تھا، مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۸؍ہجری میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ سے نکاح فرمایا؛ لیکن پھر رخصتی سے قبل یا خلوت کے بعد (علیٰ اختلاف الروایات) بعض وجوہات کی وجہ سے طلاق دے دی۔ اور بعض روایتوں میں اِس کلابیہ عورت کا نام عالیہ بنت ظبیان بن عوف بن عمرو بھی ذکر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/۲۶۰ دار المعرفۃ بیروت، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ۶/۱۸۸ دار الفکر بیروت)

(۱۴) حضرت فاطمہ بنت شریح رضی اللہ عنہا

صاحب ''الاصابہ'' حافظ ابن حجرؒ نے اِس نام کی خاتون کو بھی اَزواجِ مطہرات میں شمار کرایا ہے؛ لیکن مزید تفصیل نہیں لکھی۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/۲۶۰ دار المعرفۃ بیروت)

(۱۵) حضرت ہند بنت یزید الکلابیہ رضی اللہ عنہا

یہ ''ابنۃ البرصاء'' کے نام سے بھی مشہور ہیں، بعض مؤرخین نے اِن کو بھی سرورِ عالم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اَزواج میں شمار کیا ہے؛ لیکن مزید تفصیلات نہیں مل سکیں۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/۲۶۵۹ دار المعرفۃ بیروت)

(۱۶) حضرت قتیلہ بنت قیس الکندیہ رضی اللہ عنہا

یہ اشعث بن قیس کی بہن ہیں، بعض روایات سے ۱۰ھ ہجری میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اُن کے نکاح کا پتہ چلتا ہے؛ تاہم اُس کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جلد ہی وفات ہوگئی اور رخصتی اور زیارت کا موقع نہیں ملا، اوران کے بارے میں کئی طرح کی روایات مروی ہیں، جن کی تصدیق یا تکذیب نہیں کی جاسکتی، واللہ اعلم۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ۶/۲۴۰ دار الفکر بیروت)

(۱۷) حضرت سنا بنت اسماء بن صلت السلمیہ رضی اللہ عنہا

آپ کا نکاح بھی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے، لیکن اتفاق یہ کہ رخصتی سے پہلے ہی آپ کی وفات ہوگئی، اور بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ جب آپ کو پیغمبر علیہ السلام سے نکاح کی خبر دی گئی تو آپ فرطِ مسرت میں جاں بحق ہوگئیں۔ اللہ اکبر۔ (الاصابہ ۴/۴۳۲۵ دار المعرفۃ بیروت لبنان، المستدرک للحاکم ۴/۳۷)

(۱۸) حضرت اُم شریک الانصاریہ رضی اللہ عنہا

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش تھی کہ اپنے ننھیالی خاندان بنونجار انصار سے تعلق رکھنے والی کسی عورت سے نکاح فرمائیں، اس غرض سے آپ نے حضرت ام شریک انصاریہ سے نکاح کیا، جو قبیلہ انصار میں جود وسخا اور ہمدردی میں مشہور تھیں؛ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ انصاری عورت میں غیرت اور حجاب زیادہ ہوتا ہے، رخصتی کا ارادہ نہیں فرمایا۔ (المستدرک للحاکم ۴/۳۷، الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/۱۱۲۷ دار المعرفہ بیروت)

رضي اللّٰہ تعالیٰ عنهن وأعلیٰ اللّٰہ درجاتهن في الجنة

آمين برحمتک يا أرحم الراحمين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلہ اصلاحی بیانات: (٦٧)

وسیع مکان؛ اللہ کی نعمت

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند

جمع وضبط:

(مفتی) عبد الرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دار التوحید بنگلور

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مراد آباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]
(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (٦٧)

- موضوعِ خطاب : وسیع مکان؛ اللہ کی نعمت
- خطاب : حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : تقریب اِفتتاح مکان، باربڈوز (ویسٹ انڈیز)
- تاریخ : ۱۹؍شوال ۱۴۳۹ھ مطابق ۴؍جولائی ۲۰۱۸ء بروز بدھ
- دورانیہ : ۱۴؍منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

- آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER
www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

○

الحمد لله نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ. [المؤمنون: ۲۹]
صدق الله مولانا العلي العظيم.

بھائیو بزرگو اور دوستو! اِس وقت جو آیت آپ کے سامنے تلاوت کی گئی، یہ وہ دعا ہے جو سیدنا حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُس وقت تلقین کی گئی، جب آپ کی کشتی ’’جودی پہاڑ‘‘ پر لگی، اور اور آپ کو زمین پر اُترنے کا حکم ہوا، تو یہ دعا منگوائی گئی: ﴿رَبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ (اے میرے رب! میرے اِس اُترنے کو مبارک بنا دیجئے اور بے شک آپ بہترین اُتارنے والے ہیں) یعنی آپ سے بہتر کوئی رہنے کی جگہ عطا کرنے والا نہیں ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں جو بھی آیا ہے، وہ ایک نہ ایک دن اپنی تمام چیزوں کو چھوڑ کر

یہاں سے ضرور جانے والا ہے۔

ہم کتنا ہی اچھے سے اچھا مکان بنالیں، آسائش اور آرائش کا انتظام کرلیں، مکان کی زیبائش میں اپنی ساری صلاحیتیں صرف کردیں؛ لیکن ایک دن ضرور ایسا آئے گا جب ہمیں اُسے چھوڑ کر جانا پڑے گا۔

ایک عبرت آموز واقعہ

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''کتاب التوابین'' میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ''ایک بادشاہ نے بہت شان دار محل تعمیر کیا، جب وہ بن کر تیار ہوگیا، تو اُس نے سارے شہر والوں کی دعوت کی، اور اُس محل کے دروازوں پر خاص طور پر اپنے کارندے مقرر کردئے، جن کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ ہر آنے والے شخص سے محل کے بارے میں یہ معلوم کریں کہ کیا اُنہوں نے اِس میں کوئی عیب کی بات دیکھی ہے؟

بہرحال لوگ آتے اور محل دیکھ کر اُس کی خوبی بیان کرتے، اور جب اُن سے پوچھا جاتا کہ اِس میں کوئی عیب تو نہیں؟ تو سب یہی کہتے کہ ہمیں اِس میں کوئی عیب نظر نہیں آیا۔

اخیر میں کچھ لوگ دعوت میں آئے، جنہوں نے فقیروں جیسی گدڑیاں پہن رکھی تھیں، جب اُن سے محل کے بارے میں پوچھا گیا، تو اُنہوں نے جواب دیا کہ ''اِس محل میں دو عیب پائے جاتے ہیں'' تو بادشاہ کے کارندوں نے اُنہیں پکڑلیا، اور بادشاہ تک یہ خبر پہنچائی کہ دیگر عام لوگوں نے تو آپ کے محل کی بڑی تعریف کی؛ لیکن چند فقیر قسم کے لوگ اُس میں دو عیب بتارہے ہیں، تو بادشاہ کو یہ بات بہت ناگوار گذری، اور اُس نے کہا کہ ''میں تو ایک عیب بھی سننا گوارا نہیں کرتا؛ چہ جائے کہ دو عیب؟ اُن لوگوں کو میرے پاس لایا جائے''۔

چناں چہ اُن فقیروں کو بادشاہ کے سامنے حاضر کیا گیا، تو بادشاہ نے اُن سے پوچھا کہ: ''میرے محل میں تم نے کیا عیب دیکھا؟''

تو اُن فقیروں نے جواب دیا کہ ہم نے اِس میں دو عیب دیکھے ہیں:

(۱) یہ محل ایک نہ ایک دن ضرور پرانا ہوکر خراب ہوجائے گا۔ (اس لئے کہ کتنا ہی اچھا مکان کیوں نہ ہو؟ کچھ دنوں کے بعد تو وہ پرانا ہو ہی جاتا ہے، اُس کی صفائی اور مرمت کی ضرورت پڑتی ہے، اور اگر دیکھ ریکھ نہ کی جائے تو جلد ہی وہ کھنڈر میں تبدیل ہوجاتا ہے)

(۲) اور دوسرا عیب یہ ہے کہ یہ محل تو رہ جائے گا؛ لیکن اُس میں بسنے والے نہیں رہیں گے۔ (اِس لئے کہ مکان تو سو دوسو سال تک بھی رہ سکتا ہے؛ لیکن اُس کے مقابلے میں آدمی کی عمر کم ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ میری اُمت کی اَوسط عمر ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہے)

فقیروں کا یہ جواب سن کر بادشاہ سوچ میں پڑگیا، اور کہنے لگا کہ ''کیا تم کوئی ایسا گھر جانتے ہو جو نہ تو ویران ہو، اور نہ اُس میں رہنے والے کو موت آئے؟''

تو فقیروں نے جواب دیا کہ ''جی ہاں! ایسا گھر ہمارے رب کی بنائی ہوئی جنت ہے''۔ (جو کبھی پرانی نہ ہوگی، اور جو اُس میں داخل ہوگا، اُس پر کبھی موت طاری نہ ہوگی)

فقراء کی گفتگو سے بادشاہ بہت متأثر ہوا؛ حتیٰ کہ اُمور سلطنت چھوڑ کر اُنہی فقراء کے ساتھ زندگی گذارنا اُس نے پسند کرلیا''۔ (کتاب التوابین ۴۹ مکتبۃ تجاریہ مصطفیٰ الباز مکۃ المکرّمہ)

اللہ کا وعدہ

اِس واقعہ سے یہ نصیحت ملی کہ دنیا کے اچھے سے اچھے مکانات میں دل لگانے کے بجائے ہر مسلمان کو اپنے لئے آخرت میں ہمیشہ کی راحتوں اور رونقوں والے شاندار محلات کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے، جن کا اللہ تعالیٰ نے اہل اِیمان سے وعدہ فرمایا ہے۔ اِرشاد خداوندی ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنَّاتِ عَدْنٍ، وَرِضْوَانٌ مِنَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ نے اِیمان والے مردوں اور اِیمان والی عورتوں سے ایسے باغات کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں

اَکْبَرُ، ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ. (التوبة: ۷۲)

عمدہ رہائش گاہوں کا بھی وعدہ فرمایا ہے، اور اللہ کی خوشنودی سب سے بڑی چیز ہے، یہی عظیم کامیابی ہے۔

وسیع مکان

لیکن اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی دنیا میں بالکل مکان ہی نہ بنائے؛ بلکہ ضرورت کے مطابق مکان بنانا شریعت میں منع نہیں ہے۔

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''تین چیزیں آدمی کے لئے خوش نصیبی کی علامت ہیں:

(۱) اَلْجَارُ الصَّالِحُ (نیک پڑوسی جو دکھ درد میں شریک اور ہم درد ہو)

(۲) اَلْمَرْکَبُ الْھَنِيْءُ (تابع دار سواری جو وقت پر دھوکہ نہ دے)

(۳) اَلْمَسْکَنُ الْوَاسِعُ (وسیع مکان جو بیوی بچوں اور مہمانوں کی ضرورت کے لئے کافی ہو) (مسند الامام احمد بن حنبلؒ/عن نافع بن عبدالحارث حدیث:۱۵۳۷۲)

اور ایک روایت میں اِس میں ''اَلْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃُ'' (نیک بیوی) کا بھی ذکر ہے۔

(مسند احمد/عن سعد بن ابی وقاصؓ حدیث:۱۴۴۵)

اُردو میں بیوی کو ''بیگم'' کہتے ہیں: کیوں کہ وہ آدمی کو ''بے غم'' کردیتی ہے؛ لیکن یہ اُسی وقت ہوگا، جب کہ وہ ہم مزاج اور ہم فکر ہو، جسے دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سکون ملے، جو گھر کی راحت ہو، اور بچوں کی اچھی تربیت کرنے والی ہو۔

بہرحال جسے دنیا میں مذکورہ چیزیں مل جائیں، یہ اُس کے لئے خوش نصیبی اور سعادت کی بات ہے۔

بے ضرورت مکان کی تعمیر

لیکن دوسری طرف یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ شریعت میں ضرورت سے زائد تعمیرات کو

بالکل پسند نہیں کیا گیا ہے، مثلاً اچھا خاصا ضرورت کے موافق مکان رہتے ہوئے خواہ مخواہ دوسرا مکان تعمیر کرنا اور اُس کو بے جا طور پر سجانا اور سنوارنا؛ یہ بات اچھی نہیں ہے؛ بلکہ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کی ناقدری ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ جس شخص کا سرمایہ ضائع کرنا چاہتے ہیں، اُس کا پیسہ مٹی اور گارے میں لگا دیتے ہیں''۔ (رواہ الطبرانی باسناد جید، الزواجر عن اقتراف الکبائر لابن حجر الہیثمی ۱/۴۲۸ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور ایک روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا کہ: ''آدمی کو ہر طرح کے خرچ میں کچھ نہ کچھ اجر ضرور ملتا ہے؛ لیکن (بلاضرورت) تعمیر میں اجر کی کوئی اُمید نہیں''۔ (ترمذی شریف/ اَبواب صفۃ القیامۃ حدیث: ۲۴۸۳)

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بھی اِرشاد ہے کہ: ''أَمَا إِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ إِلَّا مَا لَا، إِلَّا مَا لَا - يَعْنِي - مَا لَا بُدَّ مِنْهُ''. (سنن أبي دؤاد / كتاب الأدب رقم: ٥٢٣٧) (اچھی طرح یاد رکھو! ہر تعمیر مالک کے لئے وبال ہے، سوائے اُس تعمیر کے جو اُس کے لئے ناگزیر ہو)

خلاصہ یہ کہ اپنی ضرورت کے موافق مکان بنانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن دو باتوں کا خیال رکھا جائے:

(۱) ایک تو یہ کہ اُس میں فضول خرچی اور اسراف نہ ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ ضرورت سے زائد نہ ہو۔

شکر کا مقام

بہر حال صاحب خانہ کے لئے شکر کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں تمام سہولیات سے آراستہ مکان عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ مکان اور مکینوں کی پوری حفاظت فرمائیں، اور ہر شر سے محفوظ رکھیں، آمین۔

ساتھ میں یہ بھی دعا کرنی چاہئے کہ دنیا میں جتنے لوگ بھی بے گھر ہیں، اللہ تعالیٰ اُنہیں بھی عافیت والا گھر نصیب فرمائیں۔

ذرا سوچئے! دنیا میں ہزاروں اور لاکھوں لوگ ایسے ہیں جو فٹ پاتھ پر پیدا ہوتے ہیں اور وہیں مرجاتے ہیں۔ ہمارے یہاں ہندوستان میں ایسے بہت سے لوگ ہر اسٹیشن وغیرہ پر ملیں گے، جن کا نہ کوئی گھر ہے، نہ در ہے، اور نہ کوئی سر چھپانے کی جگہ ہے۔

ایسے لوگوں کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے اگر ہمیں سر چھپانے کی نعمت عطا فرمائی ہے، تو اُس پر دل سے شکر بجالانا لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ اِس گھر میں ہر طرح کی خیر وبرکت نصیب فرمائیں اور سارے عالم کے خیر وعافیت کے فیصلے فرمائیں، آمین ثم آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❑❖❑

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير
سلسلۂ اِشاعت: (٦٨)

قناعت؛ مطلوبِ مؤمن ہے

تحریر:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری
اُستاذ فقہ وحدیث دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:
محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

ناشر
المركز العلمي للنشر والتحقيق
لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (٦٨)

❍ موضوع	:	قناعت؛ مطلوبِ مؤمن ہے
❍ تحریر	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
❍ شائع شدہ	:	ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' اگست ۲۰۱۵ء
❍ جمع وضبط	:	محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

❍ آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

نحمدهٗ ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

اِمام ابن القیم الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (م۷۵۱ھ) نے اپنے معرکۃ الآراء کتاب ''زاد المعاد'' میں نقل کیا ہے کہ ''قبیلۂ تجیب'' کے ۱۳؍حضرات پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اورعرض کیا کہ ہم اپنے قبیلہ کی زکوٰۃ وصدقات لے کر حاضر ہوئے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی بہترین ضیافت فرمائی اور اُن کی آمد پر خوشی کا اِظہار کیا، اور فرمایا کہ: ''تم جو صدقہ کا مال لائے ہو وہ اپنے ہی قبیلہ کے فقراء پر تقسیم کردو''۔ وفد کے لوگوں نے عرض کیا کہ ہم فقیروں کو دینے کے بعد جو زائد مال بچا ہے وہی لے کر حاضر ہوئے ہیں، اُن کے اِس طرزِ عمل پر سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''عرب میں قبیلۂ تجیب سے شاندار اور بہتر وفد کوئی نہیں آیا'' یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ہدایت تو اَصل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، پس وہ جس کے ساتھ خیر کا اِرادہ کرتا ہے اُس کا سینہ اِسلام کے لئے کھول دیتا ہے''۔

پھر وفد کے حضرات نے کچھ دستاویزات پیغمبر علیہ السلام سے اپنے لئے لکھوائیں اور قرآن وسنت کی بہت سی معلومات حاصل کیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر اِس وفد کے لوگوں کی عمدہ ضیافت کا حکم دیا، وہ لوگ چند دن ٹھہرے پھر

واپسی کی اِجازت چاہی کہ ہم واپس جاکر اَپنے قبیلہ والوں کے سامنے یہاں کی کارگذاری اور پیغمبر علیہ السلام کی زیارت وملاقات کا حاصل سنائیں گے۔

جب وہ لوگ رخصت ہونے لگے تو آپ نے اُن میں سے ہر ایک کو تحفوں سے نوازا اور چلتے ہوئے پوچھا کہ تمہارا کوئی اور ساتھی تو نہیں رہ گیا؟ اُنہوں نے کہا ہاں ایک نوعمر لڑکا ہے اُسے ہم اپنے سامان کی حفاظت کے لئے چھوڑ آئے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُسے بھی ہمارے پاس بھیجو، وہ بھی اَپنا حصہ لے جائے، چناں چہ اُن لوگوں نے واپس جاکر اُس لڑکے سے کہا کہ جاؤ تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمایا ہے، وہ لڑکا پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میرا تعلق اُسی قبیلہ کے لوگوں سے ہے جن کو آپ نے اَبھی کچھ دیر قبل تحفوں سے نوازا ہے، آپ میری بھی حاجت روائی فرمایئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تمہاری حاجت کیا ہے؟ تو اُس لڑکے نے کہا کہ میں آپ سے کسی دنیوی چیز کا طالب نہیں ہوں، میں نے تو اپنے علاقہ سے یہاں کا سفر صرف اِس غرض سے کیا ہے کہ آپ میرے حق میں تین باتوں کی دعا فرمادیں: (۱) اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادے (۲) اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائیں (۳) اور میرے دل میں قناعت اور استغناء عطا فرمادیں، چناں چہ پیغمبر علیہ السلام نے اُس کے حق میں یہ دعائیہ جملے اِرشاد فرمائے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَاجْعَلْ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ. اے اللہ! اِس لڑکے کی مغفرت فرما، اور اِس پر رحم فرما اور اِس کے دل میں قناعت نصیب فرما۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس لڑکے کو دیگر اَرکانِ وفد کی طرح تحفوں سے نوازا، اور یہ سب لوگ خوشی خوشی اَپنے قبیلے کی طرف واپس ہوگئے۔

پھر ۱۰ھ ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر اِس قبیلے کے کچھ لوگوں کی ملاقات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منیٰ میں ہوئی، تو آپ نے اُس لڑکے کا حال چال پوچھا، تو لوگوں نے بتایا کہ ''اُس جیسا تو آدمی ہی ہم نے نہیں دیکھا، اور اُس جیسی قناعت اور دنیا سے بے رغبتی کہیں سنی

نہیں گئی، اُس لڑکے کا حال تو یہ ہے کہ اگر لوگ ساری دنیا کی دولتیں سمیٹنے لگیں تو وہ نہ تو اُن کی طرف متوجہ ہو اور نہ ہی نظر اُٹھا کر دیکھے‘‘۔ یہ حال سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا شکر اَدا فرمایا اور اِرشاد فرمایا کہ: ’’مجھے اُمید ہے کہ اُس بچے کی موت بھی دنیا سے یکسوئی کی حالت ہی میں آئے گی‘‘۔ چناں چہ راوی کہتے ہیں کہ وہ لڑکا پوری زندگی بہترین دینی حالت پر رہا، دنیا سے بے رغبتی اور قناعت کے ساتھ اُس نے زندگی بسر کی، اور پیغمبر علیہ السلام کی وفات کے بعد جب اِرتداد کی وبا پھیلی تو اُس نے اپنی قوم کو نصیحت کی اور اُن کو اِسلام پر جمائے رکھنے میں اَہم کردار اَدا کیا، حتیٰ کہ اُس قبیلہ کا کوئی آدمی بھی مرتد نہیں ہوا، جب خلیفۂ اَول امیر المؤمنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ سب تفصیلات معلوم ہوئیں تو آپ نے علاقہ کے گورنر یزید بن لبید کو بطورِ خاص اُس لڑکے کی خبر گیری کی تاکید فرمائی۔ (تلخیص: زاد المعاد مکمل ۷۹۸ دار القلم دار المعرفہ بیروت)

اِس واقعہ سے ہمیں یہ نصیحت ملی کہ مسلمان کو سب سے زیادہ فکر اپنے گناہوں کی مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کی ہونی چاہئے، اور دنیا سے بے رغبت رہ کر اُسے زندگی گذارنی چاہئے، اور بے رغبت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دنیوی ترقی کو مقصود نہ سمجھے؛ بلکہ ضرورت سمجھ کر اُس میں مشغول ہو اور جو کچھ بھی نصیب ہو اُس پر شکر کرتے ہوئے قناعت اِختیار کرے، یہی ایک کامیاب مسلمان کی پہچان ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشادِ عالی ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اٰتَاهُ. (شعب الإيمان للبيهقي ٧/ ٢٢٠)

وہ شخص کامیاب ہوگیا جس کو اِسلام کی دولت ملی، بقدرِ ضرورت روزی عطا ہوئی اور اللہ نے اُسے جو عطا کیا ہے اُس پر قناعت نصیب فرمائی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیغمبر علیہ السلام سے پوچھا کہ ہم میں سب سے اَچھا شخص کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

أَزْهَدُكُمْ فِي الدُّنْيَا وَأَرْغَبُكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ. (ذم الدنيا لابن أبي الدنيا ٦٢)

جو تم میں سب سے زیادہ دنیا سے بے رغبت ہو اور آخرت کی طرف زیادہ رغبت رکھتا ہو۔

بلاشبہ جس شخص کو قناعت کی دولت نصیب ہو جائے، وہ سچی راحت میں رہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اُسے طبعی سکون سے نوازتے ہیں، اور جو قناعت سے محروم ہو وہ کروڑ پتی ہونے کے باوجود پرسکون زندگی سے محروم ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا أَرْضَاهُ بِمَا قَسَمَ لَهُ وَبَارَكَ لَهُ فِيْهِ، وَإِذَا لَمْ يُرِدْ بِهٖ خَيْرًا لَمْ يُرْضِهُ بِمَا قَسَمَ لَهُ وَلَمْ يُبَارِكْ لَهُ فِيْهِ.

(كتاب القناعة، مسند أحمد ٢٤/٥)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا اِرادہ فرماتے ہیں تو اُسے اُس عطا کردہ روزی پر راضی فرماتے ہیں، اور اُس میں برکت عطا کرتے ہیں، اور جس بندے کے ساتھ خیر کا اِرادہ نہیں فرماتے تو اُسے روزی پر قناعت نہیں ملتی اور نہ ہی اُس کی روزی میں برکت ہوتی ہے۔

اِس حدیث میں جو حقیقت بیان فرمائی وہ مشاہدہ اور تجربہ سے بالکل سچ ثابت ہوتی ہے، جو آدمی قانع ہوتا ہے اُس کے دل کے سکون کا پوچھنا ہی کیا، وہ جھونپڑی میں رہ کر اور معمولی روزی پر بھی دل سے خوش رہتا ہے، اور جس شخص کو قناعت میسر نہ ہو وہ کروڑ پتی اور اَرب پتی ہونے کے باوجود دن رات ''ہل من مزید'' کی اُدھیڑ بن میں لگا رہتا ہے، اور اُس کی زندگی کی تمام فکریں ''دنیا ہائے دنیا'' کے اِردگرد گھومتی رہتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بے سکون زندگی ہرگز قابل تعریف قرار نہیں دی جاسکتی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دنیا وآخرت میں پرسکون زندگی نصیب فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(شائع شدہ ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' اگست ۲۰۱۵ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (٦٩)

نکاح وطلاق کا اِسلامی نظام

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند

جمع وضبط:

(مفتی) عبد الرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دار التوحید بنگلور

ناشر

المرکز العلمي للنشر والتحقیق

لال باغ مراد آباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (٦٩)

- موضوعِ خطاب : نکاح اور طلاق کا اِسلامی نظام
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : مسجد رضوان جے پی نگر بنگلور
- تاریخ : ١٦/ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق ٦/ اکتوبر ۲۰۱۷ء بروز جمعہ
- دورانیہ : ۴۴/ منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) عبد الرحمٰن قاسمی بنگلوری

- آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارک وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارک وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَّنِسَآءً، وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ [النساء: ۱] صدق اللّٰه مولانا العلي العظيم.

ترجمہ:- ''اے لوگو اپنے رب سے ڈرو! جس نے تمہیں ایک نفس (حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور پھر اُس سے اُس کا جوڑا (حضرت حوا) بنایا اور اُن دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دئے۔ اور ڈرو اللہ سے! جس کے نام کے ذریعہ تم ایک دوسرے سے سوال

کرتے ہو اور ڈرو رشتہ داریوں (کو قطع کرنے سے) یقیناً اللہ تعالیٰ تم سب سے باخبر ہیں‘‘۔

محترم بھائیو بزرگو اور دوستو!

مذکورہ آیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کے خطبہ میں تلاوت فرمایا کرتے تھے، جس میں اِنسان کی معاشرتی زندگی کے بارے میں بہترین ہدایات اور تنبیہات مذکور ہیں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اِنسان کی دو صنفیں بنائی ہیں: (۱) مرد (۲) اور عورت۔ اور اِن دونوں صنفوں کا وجود اِنسانیت کی بقا کے لئے لازم ہے۔

اگر اِس کائنات میں صرف مرد ہی مرد رہ جائیں کوئی عورت نہ رہے، تو جلد ہی دنیا نمٹ جائے گی۔

اِسی طرح اگر کوئی مرد نہ رہے صرف عورتیں ہی رہ جائیں تو بھی دنیا باقی نہ رہے گی۔

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ’’إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَكْثُرَ الْجَهْلُ وَيَكْثُرَ الزِّنَا وَيَكْثُرَ شُرْبُ الْخَمْرِ وَتَقِلَّ الرِّجَالُ وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ، حَتّٰى يَكُوْنَ لِخَمْسِيْنَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ‘‘. (صحيح البخاري / كتاب النكاح ۷۸۷/۲ رقم: ۵۲۳۱) یعنی قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم دین اُٹھ جائے گا، اور دین سے جہالت عام ہو جائے گی، اور بدکاری اور شراب نوشی کی کثرت ہوگی، مردوں کی آبادی گھٹ جائے گی اور عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی؛ یہاں تک کہ ۵۰؍ عورتوں کے لئے ایک ہی مرد نگراں ہوگا)

گویا کہ قیامت کے قریب مردوں اور عورتوں کی آبادی کا تناسب بگڑ جائے گا۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں اِنسانوں کی بقا کے لئے مردوں اور عورتوں دونوں کا وجود ضروری اور لازم ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اِن دونوں صنفوں کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کی چاہت اور رغبت بھی رکھی ہے۔

پس وہ مرد کامل مرد نہیں جس کے اندر فی الجملہ عورت کی چاہت نہ ہو، اور وہ عورت بھی کامل عورت نہیں جس کے اندر مرد کی رغبت نہ ہو۔

ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متعدد لوگوں پر لعنت فرمائی، جن میں سے ایک وہ شخص ہے جو اپنے کو "حصور" ہونے کا دعویٰ کرے۔ (الترغیب والترہیب مکمل حدیث: ۳۱۷۸ بیت الافکار الدولیۃ)

یعنی جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ مرد ہونے کے باوجود میرے دل میں کبھی کسی عورت کا خیال ہی نہیں آتا، تو یہ دعویٰ سراسر جھوٹ ہے، اور اِس طرح کا دعویٰ کرنے والا قابل لعنت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ صفت تو صرف ایک ذات یعنی حضرت یحییٰ ابن زکریا علیہ السلام میں ہی رکھی تھی، اور اُن کو "حصور" کا لقب عطا ہوا تھا، جس کے معنی یہی ہیں کہ وہ کامل مرد ہونے کے باوجود عورت کے خیال سے پوری طرح پاک تھے، دنیا میں ان کے علاوہ کسی اور شخص میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ (تفسیر طبری [آل عمران: ۳۹] ۳۵۵/۳)

مردوں اور عورتوں میں تعلق کیسے ہو؟

اَب سوال یہ ہوتا ہے کہ جب دونوں صنفوں کے درمیان رغبت پائی جاتی ہے تو اُن میں آپسی تعلقات کی اِجازت دی جائے یا نہیں؟ اور اگر اِجازت دی جائے تو اُس کی کیا صورت ہو؟ تو غور کیا جائے تو اِس بارے میں عقلاً تین شکلیں سامنے آتی ہیں:

(۱) پہلی شکل یہ ہے کہ دونوں صنفوں کو بالکل الگ الگ رکھا جائے، اور میل جول کی سختی سے ممانعت کردی جائے؛ جیسا کہ بہت سے مذاہب میں "سنیاسی" اور "راہب" بننے کا رواج ہے، تو یہ صورت فطرت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ہے؛ چناں چہ جن لوگوں نے اِس راستے کو اپنایا، وہ اپنے طریقے پر قائم نہیں رہ پائے، اور اُن میں ایسی برائیاں عام ہوگئیں جو ناقابل بیان ہیں۔ پس اِسلام جو دینِ فطرت ہے وہ اِس طرح کی غیر فطری صورت کی ہرگز تائید نہیں کرسکتا۔

چناں چہ صحیح حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عبادت کے جوش میں

عورتوں سے کنارہ کشی کی اِجازت چاہی تھی؛ لیکن نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کو منظور نہیں فرمایا۔ (بخاری شریف، کتاب النکاح/ باب ما یکرہ من التبل والخصاء حدیث:۵۰۷۳)

(۲) دوسری عقلی صورت یہ ہے کہ ''اِباحیت'' کا راستہ اپنایا جائے، یعنی ہر مرد یا عورت بلا اِمتیاز جس سے چاہے اپنی خواہش پوری کرلے، اور کسی طرح کی کوئی پابندی نہ ہو، جیسا کہ مادر پدر آزاد مغربی معاشرہ میں اُس کے مناظر پائے جاتے ہیں، اور اَب ہمارے ملک پر بھی اُس کے اثرات نظر آنے لگے ہیں۔

حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ اِنسانوں کو بدمست جانوروں اور کتے بلیوں وغیرہ کے برابر لا کھڑا کرتا ہے؛ کیوں کہ جانوروں کا تو حال یہی ہے کہ موج مستی میں جب تک چاہے ساتھ رہے، پھر الگ ہوگئے، نہ کوئی خاندانی سسٹم ہے اور نہ کوئی بچوں وغیرہ کی ذمہ داری۔ کچھ اِسی طرح کا حال اِباحیت پسند بدکار معاشرہ کا بھی ہے کہ وہاں ماں باپ میں سے کوئی بھی بچوں کی ذمہ داری اُٹھانے کو تیار نہیں، اور بچے بھی ماں باپ کی ذمہ داری کو سراسر بوجھ سمجھتے ہیں۔ اِسی لئے وہاں جابجا بچوں کے لئے ''چائلڈ ہوم'' اور بوڑھوں کے لئے ''اولڈ ہوم'' نظر آتے ہیں، جن میں کرایہ کے خدمت گار مہیا ہوتے ہیں، جو خونی رشتوں والی شفقت سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔

تو ظاہر ہے کہ یہ اِنسانوں کی زندگی نہیں؛ بلکہ جانوروں والی زندگی ہے، اور ایسے مفاسد اور شرور سے بھری ہوئی ہے، جن کا اِحاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

اِسی لئے اِسلام جیسا پاکیزہ اور مقدس مذہب اِس بدمستی کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔ مغرب نے عورت کے بارے میں ''use and throw یوز اینڈ تھرو'' (یعنی استعمال کرو اور پھینک دو) کا نظریہ اور کردار اپنا رکھا ہے، جو صنف نازک کے ساتھ سراسر ظلم ہے۔

اِس کے برخلاف اِسلام یہ کہتا ہے کہ جو مرد کسی عورت سے فائدہ اُٹھا رہا ہے اُس کی اور اُس سے وجود میں آنے والے بچوں کی پوری ذمہ داری بھی اُسی مرد پر ہے، وہ اُس سے بریٔ الذمہ نہیں ہوسکتا، اور اِنسان ہوکر جانوروں والی حرکت نہیں کرسکتا۔

اِسی لئے اِسلام نے بدکاری کی روک تھام کے لئے بڑے سخت اور عبرت انگیز قوانین بنائیں ہیں، جن کا لحاظ کئے بغیر نہ تو معاشرہ پرسکون رہ سکتا ہے اور نہ عورت کی عزت محفوظ رہ سکتی ہے۔

قابلِ عمل صورت

(۳) اَب عقلاً صرف تیسری صورت ہی ممکن ہے، اور وہ یہ ہے کہ با قاعدہ عقد، معاہدہ اور ذمہ داریاں قبول کر کے مرد کو عورت سے محدود فائدہ اُٹھانے کی اِجازت دی جائے، اِسی عقد کو شریعت کی اصطلاح میں ''نکاح'' کہتے ہیں۔ یہ کہنے کو ایک چھوٹا سا لفظ ہے؛ لیکن معنی کے اعتبار سے بڑی وسعت رکھتا ہے؛ کیوں کہ جب مجلس نکاح میں قاضی صاحب مرد سے مخاطب ہوکر یہ کہتے ہیں کہ ''فلاں کی بیٹی مسماۃ فلانہ کو میں نے اتنے مہر کے عوض تمہارے نکاح میں دیا'' اور پھر شوہر یہ کہتا ہے کہ ''میں نے اُس کو اپنے نکاح میں قبول کیا'' تو اِس قبول کے جملے میں بہت بڑا بوجھ پوشیدہ ہوتا ہے۔

اِس لئے کہ جب اُس نے مجلس نکاح میں قبولیت کے الفاظ کہے؛ تو گویا کہ اُس نے:

بیگم کو بھی قبول کیا۔

بیگم کے اَبا کو بھی قبول کیا۔

بیگم کی اَماں کو بھی قبول کیا۔

بیگم کے بھائیوں کو بھی قبول کیا۔

بیگم کی بہنوں کو بھی قبول کیا۔

یعنی بیگم کے پورے خاندان کو قبول کیا۔

بالفاظ دیگر نکاح کے بعد بیوی کا باپ اُس کا بھی مجازاً باپ بن گیا۔

اور بیوی کی ماں اُس کی ماں بن گئی۔

اور بیوی کا بھائی اُس کا بھائی بن گیا۔

اور بیوی کی بہن اُس کی بہن بن گئی۔

اِسی طرح جب لڑکی نکاح کی اِجازت دیتی ہے تو اُس اِجازت کا تعلق بھی اُن سبھی رشتوں سے ہوتا ہے جو شوہر سے وابستہ ہیں۔

جس کے نتیجے میں دونوں خاندانوں کے درمیان پرخلوص رشتے، محبتیں اور تعلقات وجود میں آتے ہیں۔

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عجیب بات اِرشاد فرمائی کہ: ''لَمْ يُرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ''. (سنن ابن ماجة / باب ما جاء في فضل النكاح رقم: ١٨٤٧)

(یعنی رشتہ نکاح کے ذریعہ محبت میں جس طرح اِضافہ ہوتا ہے اِس کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اِنسانوں کی دونوں صنفوں یعنی مردوں اور عورتوں کے درمیان تعلق قائم ہونے کے لئے قواعد وضوابط اور حدود کی ضرورت ہے، اِسی میں عزت وعافیت منحصر ہے؛ چناں چہ تجربہ اور مشاہدہ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ اگر کسی عورت کا بیک وقت کئی مردوں سے تعلق ہو تو اُسے کبھی بھی عزت اور سکون کی زندگی نصیب نہیں ہوسکتی؛ بلکہ وہ صرف ایک استعمال شدہ چیز بن کر رہ جائے گی، اِس سے زیادہ اُس کی کوئی وقعت اور حیثیت نہیں ہوگی؛ لہٰذا عورت کی عزت اِسی میں ہے کہ وہ ایک ہی مرد کی شریک حیات بن کر زندگی گذارے۔

اِسی طرح مرد کی عزت بھی اِسی میں ہے کہ وہ برملا اور باضابطہ قانونی تعلق کے بغیر کسی عورت سے کوئی ربط نہ رکھے۔

نکاح؛ مقدس رشتہ

نکاح کے ذریعہ خاندانی نظام مضبوط ہوتا ہے اور رشتے وسیع ہوتے ہیں، اور ایک مہذب معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مانوس ماحول میں اِنسانیت کی تعمیر کا عمل انجام پاتا ہے، اور بچوں کو قدم قدم پر حقیقی محبتیں نصیب ہوتی ہیں۔ پس دیکھا جائے تو پتہ

چلے گا کہ نکاح سے سبھی کا مفاد وابستہ ہے، اور مرد وعورت میں تعلق کے لئے اِس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہوسکتا۔

اِسلام کی نظر میں نکاح ایک پائیدار رشتہ ہے؛ اِس لئے اِس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ نکاح کرنے سے پہلے اچھی طرح غور وفکر کرلیا جائے، اور اپنے ہم پلہ خاندانوں میں ہی رشتے داریاں قائم کی جائیں؛ تاکہ وہ دیرپا ثابت ہوسکیں؛ حتیٰ کہ نکاح کے آداب میں سے یہ بات ہے کہ ''جس عورت سے نکاح کا اِرادہ ہو اُس پر ایک نظر ڈال لی جائے؛ تاکہ پہلے ہی سے اُنسیت میں اِضافہ ہوسکے''۔ چناں چہ ایک صحابی سے نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا: ''أُنْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرىٰ أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا''. (سنن الترمذي / باب ما جاء في النظر إلى المخطوبة ۲۰۷/۱) (یعنی اپنی مخطوبہ کو (براہِ راست یا اپنے گھر کی خواتین کے ذریعہ) دیکھ لو؛ کیوں کہ یہ تمہارے درمیان رشتوں کی اُستواری کے زیادہ لائق ہے)

رشتہ نبھانے کی تاکید

پھر نکاح کا رشتہ قائم ہونے کے بعد فریقین کو اُسے حتی الامکان نبھانے کی تاکید کی گئی؛ چناں چہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۲۸] (یعنی عورتوں کا بھی اِسی طرح حق ہے جس طرح عورتوں پر مردوں کا حق ہے معروف طریقے پر)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِى النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ	عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو!
أَخَذْتُمُوْهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ	اس لئے کہ تم نے ان پر اللہ کے امان کے ذریعہ
وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ	قابو پایا ہے اور اللہ کے حکم سے (ایجاب وقبول
اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوْطِئْنَ	کے ذریعہ) ان سے جسمانی تعلق کو اپنے لئے

فُرُشَكُمُ أَحَداً تَكْرَهُونَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْباً غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ. (مسلم شريف ۳۹۷/۱ رقم: ۱۲۱۸ باب حجة النبي ﷺ، حياة الصحابة ۴۰۳/۳-۴۰۴)

حلال کیا ہے، تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ایسے لوگوں کو نہ بیٹھنے دیں جن کا آنا تمہیں ناپسند ہو، اگر وہ خلاف ورزی کریں تو انہیں ہلکی پھلکی تنبیہ کرو، اور ان کا تمہارے اوپر حق یہ ہے کہ تم معروف طریقہ پر ان کے نان نفقہ اور لباس کا انتظام کرو۔

سب سے اچھا اِنسان

اسی طرح پیغمبر علیہ السلام نے بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کو معیار فضیلت قرار دیا، آپ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَاناً أَحْسَنُهُمْ خُلُقاً وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهِ. (رواه الترمذي رقم: ۲۶۱۲، الحاكم في المستدرك ۳۵/۱، مشكوٰة شريف: ۲۸۲)

سب سے کامل مؤمن وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہو اور اپنے اہل وعیال پر بہت مہربانی کرنے والا ہو۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ”خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ“. (سنن ابن ماجة / كتاب النكاح رقم: ۱۹۷۸) (تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کی نظر میں اچھے ہوں)

دوسری طرف عورتوں کو تاکید کی گئی کہ وہ شوہر کی تابع داری کریں، اور اُس کی خوشنودی کو پیش نظر رکھ کر زندگی گذاریں؛ حتیٰ کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا: ”لَوْ كُنْتُ آمُرُ أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ يَسْجُدَ لِزَوْجِهَا، وَلَا تُؤَدِّي الْمَرْأَةُ حَقَّ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهَا حَتّٰى تُؤَدِّيَ حَقَّ زَوْجِهَا عَلَيْهَا كُلَّهُ. (مسند أحمد رقم: ۱۹۴۰۳) (یعنی اگر میں اللہ کے علاوہ کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں بیوی سے کہتا کہ

وہ اپنے شوہر کے سامنے سجدہ ریز ہو، اور عورت اُس وقت تک اللہ تعالیٰ کا کامل حق اَدا نہیں کرسکتی جب تک کہ اپنے شوہر کا مکمل حق نہ بجالائے)

خلاصہ یہ ہے کہ اِسلام میاں بیوی دونوں کو رشتہ نبھانے کی تاکید کرتا ہے؛ لہٰذا کوئی مرد اپنی بیوی کو محض مملوکہ باندی نہ سمجھے؛ بلکہ شریک حیات سمجھتے ہوئے اُس کے ساتھ زندگی گذارے؛ اِس لئے کہ اِس رشتے کو قائم کرنے اور بنانے میں بیوی کا بہت بڑا کردار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے لئے جتنی بڑی قربانی دیتی ہے، شوہر کی طرف سے اُس کا تصور نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ وہ شوہر کی خاطر:

اپنے گھربار کو
مشفق ماں باپ کو
محبت کرنے والے بھائی بہنوں کو
اور اپنے بھرے پرے خاندان کو چھوڑ کر آتی ہے۔

پس اگر شوہر کے پاس اُس کی دل داری کا سامان نہ ہوگا، تو اُس کو سکون کیسے میسر آسکتا ہے؟
اِسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَاخَيْرُكُمْ لِأَهْلِي. (سنن الترمذي جديد ٢٢٨/٢ رقم: ٣٨٩٥، سنن ابن ماجة ١٤٢/٢ رقم: ١٩٧٧)

تم میں سب سے اچھا آدمی ہے وہ جو اپنے گھر والوں کے لئے اچھا ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے لئے سب سے اچھا ہوں۔

واقعی یہ اِرشادِ عالی سو فیصد سچ ہے؛ اِس لئے کہ گھر کے باہر تو بہت سے لوگ بہت اچھے نظر آتے ہیں؛ لیکن حقیقت میں قابل تعریف وہی شخص ہے جس کی گھریلو زندگی بھی بری عادات اور ناگوار باتوں سے خالی ہو، اور اِس پر جتنی واقفیت اہل خانہ کو ہوسکتی ہے، دوسروں کو نہیں ہوسکتی۔ اور ایک بیوی شوہر کے اَخلاق وعادات سے جتنی واقف ہوتی ہے کوئی اور اتنا واقف نہیں

ہوتا، اِس لئے ہر شوہر کو گھر والوں کے ساتھ اپنا کردار صاف ستھرا رکھنا چاہیے، اور اِس بارے میں سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ مبارکہ کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ آپ نے دنیا کے سب سے بڑے متقی اور عبادت گذار ہونے کے باوجود اپنی اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ جو شاندار برتاؤ فرمایا، وہ پوری اِنسانیت کے لئے ایک روشن مثال ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا اَزواجِ مطہرات کے ساتھ حسنِ سلوک

مسلم شریف میں خادمِ رسول سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں ایک فارسی النسل شخص رہتا تھا، جو گوشت کا شوربہ بہت عمدہ بنانا جانتا تھا؛ چناں چہ ایک دن اُس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے سالن بنایا اور پھر آپ کی خدمت میں دعوت پیش کرنے کے لئے حاضر ہوا، تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف اِشارہ کرکے فرمایا کہ ''کیا اِن کی بھی دعوت ہے؟'' تو اُس نے عرض کیا کہ ''اِن کی دعوت نہیں ہے''، تو پیغمبر علیہ السلام نے اُس کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمادیا۔

اُس نے واپس آکر دوبارہ دعوت پیش کی، آپ نے پھر سیدتنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دعوت کے بارے میں پوچھا، اُس نے پھر انکار کردیا، تو آپ نے بھی دعوت سے منع فرمادیا؛ تاآں کہ تیسری مرتبہ دعوت پیش کرنے پر بھی آپ نے یہی سوال کیا، تو اُس نے سیدتنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دعوت منظور کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعوت قبول فرمائی، اور پھر آپ دونوں حضرات تیز رفتاری کے ساتھ ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے داعی کے گھر تشریف لے گئے۔ (صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ/ باب مایفعل الضیف اذا اتبعہ غیر من دعاہ صاحب الطعام رقم: ۲۰۳۷)

اِس حدیث سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی زوجہ مطہرہ اُم المومنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حسنِ معاشرت کا بہترین نمونہ سامنے آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمدہ کھانے کی دعوت میں سیدتنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بغیر جانا پسند نہیں

فرمایا۔ بلاشبہ یہ آپ کے انتہائی اعلیٰ درجہ کے خوش اخلاق ہونے کی دلیل ہے، اور اُمت کے لئے اُسوۂ مبارکہ ہے۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ’’میں جس برتن سے پانی پیتی تھی، تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پانی پینے کی جگہ پر اپنا لب مبارک رکھ کر میرے چھوڑے ہوئے پانی کو نوش فرماتے تھے، اور میں ہڈی چوستی تھی، اور پھر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیش کردیتی تھی، تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس ہڈی میں سے اُسی جگہ سے گوشت نوش فرماتے تھے جہاں میں نے منہ لگایا تھا؛ حالاں کہ میں ناپاکی کی حالت میں ہوتی تھی‘‘۔ (مسلم شریف/ کتاب الحیض حدیث:۳۰۰)

اِس حدیث میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو طرزِ عمل بیان کیا گیا ہے، وہ بلاشبہ بے مثال اور انتہائی محبت آمیز ہے، اور زوجہ مطہرہؓ کے دل کے لئے انتہائی فرحت بخش ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے گھر والوں کے ساتھ نہایت بے تکلفی کا معاملہ رہتا تھا، جس کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اُم المومنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک سفر میں تھی، تو درمیان میں ایک موقع پر اُن کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیدل دوڑنے کا مقابلہ ہوا، وہ فرماتی ہیں کہ میں (نوعمری میں ہلکے بدن کی وجہ سے) دوڑ میں آگے نکل گئیں، اُس کے بعد کسی اور موقع پر جب کہ میرا بدن پہلے کے مقابلے میں بھاری ہوگیا تھا، دوبارہ دوڑ کا مقابلہ ہوا، تو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھ سے آگے نکل گئے، اور اِرشاد فرمایا: ’’**هٰذِهٖ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ**‘‘ (یعنی یہ تمہارے پہلے آگے نکلنے کا بدلہ ہے) (مشکوٰۃ شریف/ باب عشرۃ النساء ص:۲۸۱)

تو معلوم ہوا کہ اہلیہ کے ساتھ بے تکلفی اور دل لگی کرنا بھی دین کا حصہ اور پیغمبر علیہ السلام کی اہم سنتِ مبارکہ ہے، اور یہی ہم مزاجی گھریلو زندگی کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

اِس کے برخلاف آج بہت سے لوگوں کا حال یہ ہے کہ گھر سے باہر یار دوستوں سے تو خوب دوستی نبھائی جاتی ہے؛ لیکن گھر والوں کے ساتھ انتہائی نامناسب رویہ ہوتا ہے، بات بات پر طعن وتشنیع، تحقیر وتذلیل اور غصہ گرمی کا اظہار ہوتا ہے، جس کی وجہ سے سب گھر والے سہمے ہوئے رہتے ہیں، اور پورے گھر کا ماحول کشیدہ رہتا ہے۔

عورتوں پر ہاتھ اُٹھانا

اور کچھ لوگ تو ایسے سنگ دل ہیں کہ ذراسی ناگواری کی بات پر عورتوں پر ہاتھ اُٹھادیتے ہیں، اور اِسی کو مردانگی خیال کرتے ہیں؛ حالاں کہ عورتوں پر ہاتھ اُٹھانا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

حدیث شریف میں مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ السلام نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ: ’’لَا تَضْرِبُوْا إِمَاءَ اللّٰہِ‘‘ (یعنی اللہ کی بندیوں کو مت مارا کرو) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ’’آج کل عورتیں شوہروں کی بہت نافرمان ہوگئی ہیں‘‘، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی تنبیہ کرنے کی اِجازت دے دی؛ لیکن پھر آپ کے سامنے بہت سی عورتوں نے اپنی شوہروں کی طرف سے زیادہ مار پیٹ کی شکایت کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ’’لَیْسَ أُولٰئِکَ بِخِیَارِکُمْ‘‘ (یعنی بہت مار پیٹ کرنے والے لوگ تم میں اچھے نہیں ہیں) (سنن ابی داؤد، کتاب النکاح/ باب فی ضرب النساء حدیث:۲۱۴۶)

اِس اِرشاد عالی سے معلوم ہوا کہ خواتین کے ساتھ تشدد اور بے جا سختی اِسلام کی نظر میں ہرگز پسندیدہ نہیں ہے۔

معاشرت میں صبر وتحمل کی ضرورت

مرد کو عورت کے ساتھ صبر وتحمل اور برداشت کا معاملہ رکھنا چاہئے۔ خود نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تنبیہ فرمائی ہے کہ عورت میں کچھ قصور پایا جائے تو اُس کے درپے ہونے کے بجائے اُس کو نظر انداز کردینا چاہئے؛ چناں چہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اِرشاد عالی ہے:

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ؛ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ. (صحيح البخاري / كتاب أحاديث الأنبياء رقم: ٣٥٣٦)

عورتوں کے ساتھ ہم دردی کرو؛ اِس لئے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور پسلی کی سب سے ٹیڑھی جگہ اُس کا اُوپری حصہ ہوتا ہے، پس اگر تم اُس کو سیدھا کرنے لگ جاؤ گے تو اُسے توڑ ڈالو گے، اور اگر تم اُسے اپنے حال پر چھوڑے رہو، تو وہ ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہے گی؛ لہٰذا عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔

اِس حدیث میں عورتوں کے ساتھ نرم روی برتنے کی وجہ بیان کردی گئی ہے کہ اگر تمہارے سامنے عورت کی کوئی کمی آئے، تو اُسے ایک طرح سے معذور سمجھو؛ اِس لئے کہ اُس کی تو پیدائش ہی حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں پسلی سے ہوئی ہے، جس کی ہیئت خود ہی ٹیڑھی ہے، اور اُس کا اوپری حصہ سب سے زیادہ ٹیڑھا ہوتا ہے، اِس سے بعض شارحین کے نزدیک عورت کی زبان کی طرف اِشارہ ہے؛ کیوں کہ بہت سی عورتوں کی بدزبانی ہی شوہر کے لئے زیادہ ناگواری کا سبب بنتی ہے، تو ایسے موقع پر تلقین کی جارہی ہے کہ: مرد اپنی حد سے آگے نہ بڑھے؛ بلکہ سوج بوجھ کے ساتھ معاملات کو رفع دفع کرنے کی کوشش کرے؛ کیوں کہ اگر آج کوئی کمی سامنے آئی ہے تو کل اُسی عورت کی کوئی خوبی بھی سامنے آئے گی۔

اِس کے برخلاف اگر آدمی خوبیوں اور منافع کو نظر انداز کردے گا، اور ہر طرح کی کمی کو دور کرنے کی فکر کرے گا، تو اُس کا انجام طلاق اور جدائی کے علاوہ کچھ نہیں ہے، اِسی کو ''پسلی سے توڑنے'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اِس لئے نکاح کے رشتہ کو بہر حال نبھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ خود شوہر اور بیوی بھی اِس کا خیال رکھیں، اور اُن کے گھر والے بھی اِس بارے میں اُن کے معاون بنے رہیں، اور نبھانے کا طریقہ یہ ہے کہ:

اگر کسی وقت شوہر کو غصہ آئے تو بیوی ضبط سے کام لے۔

اور اگر کسی بات پر عورت جلال میں آجائے تو مرد خاموشی سے برداشت کرلے۔ یعنی اگر ایک گرم ہو تو دوسرا ٹھنڈا ہو جائے۔

تو اِس نسخے پر عمل کرنے سے بات بنی رہے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اِس کے برخلاف اگر بیک وقت دونوں گرم ہو جائیں تو بات بگڑنے میں دیر نہیں لگتی، اور شیطان کو رشتہ توڑنے کا اچھا موقع ہاتھ آجاتا ہے، اور پھر بعد میں کف افسوس ملنا پڑتا ہے۔

تعددِ ازدواج کا معاملہ

اِسلام نے اگرچہ بعض مصالح (مثلاً: اَولاد کا حصول، زوجین میں عدمِ توافق، بدکاری سے اجتناب یا سیاسی مصالح اور ضروریات وغیرہ) کی بنا پر ضرورت کے وقت مرد کے لئے بیک وقت زیادہ سے زیادہ چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھنے کی اِجازت دی ہے؛ لیکن اُس میں بھی یہ شرط ملحوظ ہے کہ سب بیویوں کے درمیان نان نفقہ اور رہن سہن میں برابری ہونی چاہئے؛ چناں چہ اِرشادِ خداوندی ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ، فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ، ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا. (النساء: ۳)

اور ڈرو کہ اِنصاف نہ کرسکو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کرلو دیگر عورتوں سے جو تمہیں پسند آئیں دو دو تین تین اور چار چار۔ پھر اگر ڈرو کہ اُن بیویوں میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی نکاح کر یا باندی جو تمہارا ذاتی مال ہے اس میں اُمید ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے۔

متعدد بیویوں میں برابری ضروری ہے

آیتِ بالا سے معلوم ہوا کہ اِسلام نے مصالح کے تحت مرد کو چار تک نکاح کی اِجازت تو

ضروری ہے؛ لیکن ساتھ میں یہ حکم بھی دیا ہے کہ ظاہری طور پر سب بیویوں کے ساتھ برابر معاملہ کیا جائے، یعنی رات گذارنے میں، لباس میں اور کھانے پینے اور رہائش کے انتظام میں ہر بیوی کے ساتھ یکساں معاملہ ہو، کسی کے ساتھ کمی بیشی نہ ہو۔ (الدر المختار مع الشامی ۴/۳۷۸)

البتہ دلی رجحان میں برابری آدمی کی قدرت سے باہر ہے، اِس لئے اگر طبعی طور پر کسی ایک بیوی کی طرف رجحان زیادہ ہوتو اُس پر گرفت نہیں، مگر یہ رجحان ایسا یک طرفہ نہ ہونا چاہئے کہ دوسری بیوی کو بالکل ہی نظر انداز کر کے اَدھر میں لٹکا دیا جائے، قرآنِ کریم میں اِس پر ممانعت وارد ہے؛ چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا أَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلاَ تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ.

اور تم چاہ کر بھی عورتوں کو (دل سے) ہرگز برابر نہ رکھ سکوگے، سو اُس سے بالکل اعراض بھی نہ کرو کہ چھوڑے رکھو اُسے ادھر میں لٹکی۔

(النساء، جزء آیت: ۱۲۹)

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ دل کا معاملہ تو اللہ کی قدرت میں ہے، اُس پر اِنسان کا بس نہیں چلتا؛ لیکن ظاہری اَحکام میں بیویوں میں مساوات لازم ہے۔

لہٰذا یہ طریقہ قطعاً غلط ہے کہ دوسرا نکاح کر کے پہلی بیوی سے ایسی لاتعلقی کرلی جائے کہ وہ درمیان میں معلق ہوجائے، یعنی نہ تو اُسے شوہر کی محبت ملے اور نہ ہی آزاد ہو کہ کسی دوسرے سے نکاح کر کے سکون حاصل کرے، یہ بات شریعت میں ہرگز درست نہیں ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۲۷۱)

اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اَزواجِ مطہرات کے درمیان باری مقرر فرما رکھی تھی، اور آپ ہر طرح سے کامل عدل اور برابری کا معاملہ فرماتے تھے؛ لیکن اِس کے باوجود آپ کی زبان پر یہ دعا رہتی تھی:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْ مَا أَمْلِكُ فَلاَ تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا

اے اللہ یہ تقسیم ان معاملات میں ہے جو میری قدرت میں ہیں، پس جو چیز میری قدرت میں

أَمْلِكُ يَعْنِي الْقَلْبَ. (سنن أبي داؤد ۲۹۰/۱ رقم: ۲۱۳٤، سنن الترمذي ۲۱۷/۱ رقم: ۱۱٤۰)

نہیں؛ بلکہ آپ کی قدرت میں ہے یعنی دل، اُس کے متعلق مجھ سے مؤاخذہ مت فرمایئے۔

بیویوں کے درمیان برابری نہ کرنے والوں کا آخرت میں برا انجام

متعدد بیویاں ہونے کی صورت میں اُن کے حقوق کی اَدائیگی میں کوتاہی کوئی معمولی معاملہ نہیں کہ اُسے آسانی سے نظر انداز کر دیا جائے؛ بلکہ اگر دنیا میں خوش دلی سے معافی تلافی نہ ہوئی تو ایسے شخص کو آخرت میں سخت ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا؛ چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ سَاقِطٌ. (سنن الترمذي ۲۱۷/۱ رقم: ۱۱٤۱، الترغيب والترهيب ٦٨٣/۱ رقم: ۲۹۱۱، ۳۰۲۷، سنن ابن ماجة ۱٤۱)

جس کے نکاح میں دو بیویاں ہوں اور وہ اُن دونوں کے درمیان برابری نہ کرے تو وہ قیامت میں اِس حال میں آئے گا کہ اُس کے بدن کا ایک حصہ مفلوج ہوگا (جسے وہ کھینچ رہا ہوگا)

یہ حدیث اُن لوگوں کے لئے موجبِ عبرت ہے جو جذبات میں آکر جلد بازی میں دوسری شادی تو کر لیتے ہیں؛ لیکن شادی کے بعد جو دونوں کے حقوق ہیں، اُن کی اَدائیگی میں سخت کوتاہی کرتے ہیں۔

بسا اَوقات مظلوم بیوی اپنی کمزوری کی بنا پر گھٹ گھٹ کر زندگی گذار دیتی ہے؛ لیکن اُس کے شکستہ دل سے نکلنے والی آہیں ایسے ظالم شوہر کا تعاقب دنیا ہی میں نہیں؛ بلکہ آخرت تک کرتی رہتی ہیں، اور بالآخر اُسے ذلت سے دوچار کر دیتی ہیں۔

سوکنوں کو اِسلامی ہدایت

اِسلام کی منصفانہ تعلیم کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ اُس نے جہاں ایک طرف مرد کو پابند کیا

کہ وہ بیویوں کے درمیان مساوات کا معاملہ کرے، وہیں اُس نے بیویوں (سوکنوں) کو بھی ہدایت دی کہ وہ نوشتہ دیوار پڑھ کر ایک دوسرے کی کاٹ میں نہ رہیں؛ بلکہ آپس میں بہن بن کر رہنے کی کوشش کریں؛ تاکہ گھر کا ماحول پرسکون ہو؛ کیوں کہ جب شوہر نے دوسری بیوی سے نکاح کا اِقدام کرہی لیا، تو اَب پہلی بیوی کے لئے عافیت کا راستہ یہی ہے کہ وہ حالات سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کرے، اوراپنی سوکن سے دائمی دشمنی کے بجائے اُس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے، اور یہ ہرگز نہ چاہے کہ اُس کا شوہر اُسے طلاق دے کر ساری توجہ اُسی پرانی بیوی کی طرف مبذول کردے۔ اِس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح ہدایت دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِامْـرَأَةٍ تَسْـأَلُ طَلَاقَ أُخْتِهَـا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا فَإِنَّمَا لَهَـا مَـا قُدِّرَ لَهَا. (صحيح البخاري ۷۷٤/۱ رقم: ٤٩٥٨)

کسی عورت کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی بہن (سوکن) کی طلاق کا مطالبہ کرے؛ تاکہ اپنا پیالہ بھرلے؛ کیوں کہ اُس کو اپنی قسمت کا مقررہ حصہ مل کر رہے گا۔

اِس طرح کی ہدایات دے کر اِسلام گھریلو زندگی کو پرسکون بنانا چاہتا ہے؛ تاکہ مرد کی ضرورت بھی پوری ہواور بیویوں کے حقوق میں بھی کوئی فرق نہ آئے۔

نکاحِ ثانی کے عمل کو معیوب اور ناجائز سمجھنا غلط ہے

آج کل بعض عرب ممالک میں تو تعددِ ازدواج کا عام معمول ہے اور اُسے معیوب نہیں سمجھا جاتا؛ لیکن برصغیر ہندوپاک میں غیرقوموں کی معاشرت سے متأثر ہوکر اسے انتہائی ناپسندیدہ خیال کیا جاتا ہے۔

یہاں کے ماحول میں کسی مرد کے لئے نکاحِ ثانی کرنا اور بیک وقت متعدد بیویاں رکھنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے، پہلی بیوی اور اُس کے رشتہ دار؛ حتیٰ کہ اپنی برادری والے اور پڑوسی اور محلے دار سب کی طرف سے بڑے طعنے سننے کو ملتے ہیں، اور اِس معاملہ کو بحث کا دل

چسپ موضوع بنالیا جاتا ہے؛ حالاں کہ جب اِس بارے میں قرآنِ پاک میں صاف اجازت دے دی گئی ہے، تو عدل وانصاف اور حق تلفیوں سے قطع نظر کرتے ہوئے محض اِس نکاحِ ثانی کے اِقدام کو برا سمجھنا دراصل ایک حکم خداوندی پر اعتراض ہے جو کفر تک پہنچانے والا نظریہ ہے؛ کیوں کہ نکاحِ ثانی پر اعتراض کرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی اِجازت کا مذاق اُڑا رہا ہے، اِسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی آدمی کے نکاحِ ثانی کرنے پر ملامت کرے اور نفس نکاح ثانی ہی کو برا جانے تو وہ کافر ہے۔ (شامی ۴؍۱۴۱ از کریا)

لہٰذا اپنے حالات اگر نکاحِ ثانی کے متقاضی نہ ہوں تو آدمی نکاح نہ کرے، یہ کوئی ضروری نہیں؛ لیکن جو شخص اپنی حالت اور تقاضوں کے پیش نظر نکاح کرلے تو اُسے برا بھلا بھی نہ کہے؛ البتہ بیویوں میں عدل وانصاف اور برابری کرنے کی نصیحت کرسکتا ہے، اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عورت کے لئے تعددِ نکاح کی اِجازت کیوں نہیں؟

آج کل بعض بددین لوگوں کی طرف سے یہ سوال بڑی شد و مد کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ جس طرح اِسلام میں مردوں کو بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اِجازت دی گئی ہے، تو عورتوں کو یہ حق کیوں نہیں دیا گیا؟ اور وہ بیک وقت کئی مردوں سے نکاح کیوں نہیں کرسکتیں؟

تو اِس کے جواب میں کئی باتیں عرض کی گئیں، مثلاً:

(۱) اگر بیک وقت ایک عورت کا کئی مردوں سے جسمانی تعلق ہوگا تو استقرارِ حمل کی صورت میں بچے کا نسب مشتبہ ہوجائے گا، جو اِسلام کو کسی صورت منظور نہیں ہے۔

(۲) مرد فاعل ہوتا ہے اور عورت مفعول ہوتی ہے، اَب اگر عورت کا تعلق بیک وقت کئی مردوں سے ہوگا تو اُس سے متعلق مردوں کا آپس میں نزاع وجدال لازم ہے؛ کیوں کہ ہر مرد یہ چاہے گا کہ جب بھی وہ چاہے اُس عورت سے بغیر کسی رکاوٹ کے انتفاع کرے، مگر دیگر اَفراد کے تعلق کی وجہ سے ہر وقت یہ ممکن نہ ہوسکے گا، جس کی بنا پر جھگڑے اور جنگ وجدال کی

نوبت ضرور پیش آئے گی اور یہ تو نکاح کی بات ہے، بلا نکاح بھی اگر کسی عورت کا کئی مردوں سے ناجائز تعلق ہوتا ہے تو وہ بھی سخت خوں ریزی کا سبب بنتا ہے، جس کے واقعات آئے دن دنیا میں پیش آتے رہتے ہیں؛ لہٰذا اِسلام جیسا مہذب مذہب اِس جھگڑے کی جڑ کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۱۷۳)

(۳) مرد کو تعدد نکاح کی اِجازت ضرورۃً دی گئی ہے؛ کیوں کہ مردوں میں اَسبابِ شہوت ظاہراً پائے جاتے ہیں، جب کہ عورتوں میں مردوں کے مقابلہ میں شہوتوں کا اُبھار کم ہوتا ہے، اِس کی کئی وجوہات ہیں، مثلاً: عورتوں میں فطرۃً حیا کا غلبہ ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ اُن کے جنسی اعضاء مستور رکھے گئے ہیں، تیسرے یہ کہ ہر مہینہ میں ماہواری کے اَیام اور اَیامِ حمل اور اَیامِ رضاعت میں قدرتی طور پر جنسی ہیجان اُن میں کم ہوتا ہے؛ لہٰذا مردوں میں تعددِ نکاح کی اِجازت کے جو اَسباب ہیں وہ عورتوں میں متحقق ہی نہیں، اِس لئے اُن کے واسطے اس کی اجازت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

(۴) علاوہ اَزیں ہر شریف معاشرہ میں ایک عورت کا متعدد مردوں سے بیک وقت تعلق بہت بڑا عیب جانا جاتا ہے، جس کے ثبوت کے لئے الگ سے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، تو جو عمل تمام انسانیت کی نظر میں متفقہ طور پر باعث عیب ہو وہ اِسلام میں جائز کیسے ہوسکتا ہے؟

اِسی ضمن میں بعض لوگوں نے سوال کیا کہ جنت میں ہر جنتی مرد کو ۷۰-۷۰/ حوریں ملیں گی تو جنتی عورت کو کیا ملے گا؟

اِس سوال کا جواب بھی یہی ہے کہ ایک عورت کا کئی مردوں سے تعلق عیب ہے، یہ عورت کے لئے عزت کی نہیں؛ بلکہ ذلت کی بات ہے؛ لہٰذا جنت میں کسی عورت کو ذلت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا، پس اُس کی عزت اِس میں ہوگی کہ اُسے اُس کے شوہر کے ساتھ جنت میں ملکہ بنا کر رکھا جائے گا، اور جنت کی حوریں دراصل مؤمن جنتی عورت کی گویا خادمہ بن کر رہیں گی۔

(موسوعۃ الفقہ الاسلامی والقضایا المعاصرۃ ۸/۱۷۵)

مرد کے لئے صرف چار ہی عورتوں سے نکاح کی اجازت کیوں؟

ایک اہم سوال یہ ہے کہ جب مرد کے لئے متعدد نکاحوں کی اِجازت دی گئی؟ تو اُسے مطلق کیوں نہ رکھا گیا؟ اِس کے بجائے اُسے چار کے عدد تک محدود کیوں کیا؟

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ تعددِ نکاح کی اِجازت صرف ضرورۃً دی گئی ہے، اور مشاہدہ اور تجربہ کی روشنی میں ضرورت زیادہ سے زیادہ ۴ر کے عدد سے پوری ہوجاتی ہے، اس سے زیادہ تعداد میں بیویوں کے حقوق کو صحیح طرح اَدا کرنا عام آدمی کے لئے تقریباً ناممکن ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۱۷۱-۱۷۲)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: ''اب رہی یہ بات کہ چار سے زیادہ کیوں نہ جائز ہو؟ تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضروری تھا کہ ایک خاص حد بیویاں کرنے کی ہوتی، ورنہ اگر حد مقرر نہ ہوتی تو لوگ حد اعتدال سے نکل کر صدہا تک بیویاں کرنے کی نوبت پہنچاتے، اور ایسا کرنے سے اُن بیویوں پر اور خود اپنی جانوں پر ظلم اور بے اعتدالیاں کرتے اور ضرورت چار سے رفع ہوگئی تھی، اِس لئے زائد کو ناجائز قرار دیا''۔ (المصالح العقلیۃ ۲۰۳)

تعددِ ازدواج کے خلاف قانون

اِسلام ''دینِ فطرت'' ہے، خلاّقِ دو جہاں، رب العالمین کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اِنسان کی فطری ضروریات اور تقاضے کیا ہیں؟ اور اُن کو پورا کرنے کے لئے کون سی تدبیریں مؤثر اور مفید ہوسکتی ہیں؟ اِس کے برخلاف چوں کہ عام انسانوں کی عقلیں محدود علم کی حامل ہیں، اِسی لئے اُنہیں بسا اَوقات شریعت اِسلامیہ کے بعض اَحکامات پر طرح طرح کے اِشکالات پیش آتے ہیں، اُنہی احکامات میں ایک حکم مرد کے لئے بیک وقت متعدد نکاح کی اِجازت کا بھی ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ وہ اَقوام جو اُوپر سے نیچے تک بدکاریوں اور شہوت رانیوں میں مبتلا ہیں، اور جن کی نظر میں مرد کا بیک وقت کئی عورتوں سے ناجائز تعلق قطعاً معیوب نہیں ہے،

وہی قومیں اِسلام کے تعدِ دازدواج کے قانون پر سب سے زیادہ اُنگلیاں اُٹھاتی ہیں، تو اِس سے بڑی بے عقلی کیا ہوگی کہ ناجائز تعلقات کو تو بے تکلف گوارا کیا جائے اور جائز اور قانونی تعلق جو اپنے ساتھ پوری ذمہ داریوں کو بھی ثابت کرتا ہے اُسے ناگوار سمجھا جائے۔

کچھ اِسی طرح کا معاملہ آج کل ہمارے ملک میں زیرِ بحث ہے کہ برادرانِ وطن کا ایک ناعاقبت اندیش طبقہ پورے ملک میں ''یکساں سول کوڈ'' کے نفاذ پر مصر ہے، جس کا ایک اہم حصہ تعدِ دازدواج پر امتناع بھی ہے، جس کی تائید میں قومی میڈیا میں گرما گرم زہریلی بحثیں جاری ہیں۔ تو ایسے سب لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اِسلام ایک جامع اور مکمل دین ہے، اور اُس کا جو بھی حکم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے، اُس کے خلاف کوئی قانون کسی مسلمان کو ہرگز منظور نہیں ہوسکتا۔ اِسلامی شریعت اِنسانوں کی جاری کردہ نہیں ہے کہ لوگ کسی مصلحت سے اُس میں ترمیم وتبدیلی کردیں؛ بلکہ اِس دائمی قانون میں کسی فرد یا اَفراد کو تبدیلی کرنے کا حق ہی نہیں ہے، یہ اَبدی اور دائمی ہے۔ دنیا کا کوئی قانون اِس پر اَثر انداز نہیں ہوسکتا۔ پس اہل اِسلام پر لازم ہے کہ وہ اپنے معاملات خود شریعت کی روشنی میں حل کریں، اور دوسروں کے قوانین کو اختیار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین پر ثبات قدمی عطا فرمائیں، آمین۔

زوجین میں ناچاقی ہوجائے تو کیا کریں؟

درحقیقت نکاح کا رشتہ کوئی ہنسی کھیل نہیں کہ آج کرو کل توڑ دو؛ بلکہ یہ رشتہ زندگی بھر کے لئے ہوتا ہے، اِس لئے حتی الامکان اُسے نبھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر کسی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان کشیدگی پیدا ہوجائے؛ جس کا عین اِمکان ہے، تو جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہ کیا جائے؛ بلکہ اَولاً زوجین آپس میں معاملات کو سدھارنے کی کوشش کریں، اور گھر کی بات گھر سے باہر نہ نکلنے دیں۔ اور اگر اِس میں کامیابی نہ ملے تو پھر دونوں طرف کے بااثر اور ذمہ دار حضرات کے سامنے معاملہ کو رکھا جائے اور یہ دونوں طرف کے لوگ سنجیدگی اور دور اندیشی سے کام لیتے

ہوئے اتفاق واتحاد کی کوشش کریں، اگر وہ دونوں اِصلاحِ حال کی مخلصانہ فکر کریں گے تو ضرور بالضرور اللہ تعالیٰ خیر کا راستہ نکالیں گے؛ چناں چہ قرآنِ پاک میں اِرشادِ خداوندی ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا، اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا. (النساء: ۳۵)

اگر تم زوجین کے درمیان نزاع کا اندیشہ کرو تو بھیج دو ایک حکم لڑکے والے کی طرف سے اور ایک حکم لڑکی والوں کی طرف سے، اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ زوجین کے درمیان اتفاق پیدا کردیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والے اور باخبر ہیں۔

اِس آیت مبارکہ میں صرف اتفاق کا پہلو ذکر کرکے گویا کہ تلقین کی گئی ہے کہ حکمین کو بہرحال زوجین میں ملاپ کی شکل نکالنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور تعصب واَنانیت اور ایک دوسرے کی تحقیر وتذلیل اور نیچا دکھانے کا جذبہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔

معاشرہ کا حال

اَفسوس ہے کہ آج کل اِس سنجیدہ اور مؤثر قرآنی ہدایت کے برخلاف جہالت اور اَنانیت کا دور دورہ ہے، جہاں ذرا سی ناگواری کی بات پیش آتی ہے، تو یا تو شوہر سوچے سمجھے بغیر طلاق کے الفاظ زبان سے نکال دیتا ہے، یا لڑکی روٹھ کر گھر بیٹھ جاتی ہے، اور پھر دونوں طرف سے جھوٹی سچی رپورٹیں درج کرائی جاتی ہیں، اور ایک دوسرے کو جیل میں ڈالنے کی کارروائیاں انجام دے کر اپنی جھوٹی انا کو تسکین دی جاتی ہے، اور یہ نہیں سوچا جاتا کہ اِن منفی اقدامات کی وجہ سے خاندانوں پر اور بچوں پر کتنے غلط اثرات پڑتے ہیں، اور اِس کی وجہ سے کتنی غیبتیں ہوتی ہیں، الزامات کی بوچھار کی جاتی ہیں، اور بہتان تراشیاں ہوتی ہیں، جو نیکیوں کے ضائع ہونے کا سبب بنتی ہیں، بلاشبہ یہ سب حرکتیں مذموم اور قابل مذمت ہیں۔

طلاق کی ضرورت

اسلام کی نظر میں طلاق اگرچہ ایک ناگوار اور ناپسندیدہ عمل ہے؛ تاہم کبھی کبھی متعدد اسباب کی وجہ سے طلاق معاشرہ کی ایک ناگزیر ضرورت بن جاتی ہے۔ مثلاً:

الف:- بدخلقی کی وجہ سے آپس میں نبھاؤ نہ ہو پانا۔

ب:- مالی تنگی کی وجہ سے حقوق کی اَدائیگی میں کوتاہی پیش آنا۔

ج:- یا زوجین میں سے کسی کا دوسرے شخص پر دل آجانا، وغیرہ۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ ۱۴۰/۵)

اَب اگر طلاق کی بالکل ممانعت کردی جاتی تو یہ نکاح دونوں کے لئے سخت فتنہ اور پریشانی کا سبب بن جاتا، اِس لئے شریعت اسلامی نے ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے بوقت ضرورت طلاق کی گنجائش دی ہے؛ لیکن بلاضرورت طلاق کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی ہے؛ بلکہ اُسے ناپسند قرار دیا گیا ہے۔

چناں چہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ. (سنن أبي داؤد ۲۹۶/۱)

اللہ کے نزدیک حلال باتوں میں سب سے زیادہ ناپسند بات طلاق ہے۔

نیز سیدنا حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا مِنْ غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ. (سنن أبي داؤد ۳۰۳/۱ رقم: ۲۲۲۶)

جو عورت بغیر کسی معقول وجہ کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اُس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

إِنَّ الْأَصْلَ فِي الطَّلَاقِ هُوَ الْحَظْرُ لِمَا فِيهِ مِنْ قَطْعِ النِّكَاحِ الَّذِيْ تَعَلَّقَتْ بِهِ الْمَصَالِحُ الدِّيْنِيَّةُ وَالدُّنْيَوِيَّةُ وَالإِبَاحَةُ لِلْحَاجَةِ إِلَى الْخَلَاصِ. (البحر الرائق ۴۱۳/۳ زکریا)

طلاق میں اصل حکم ممانعت کا ہے؛ اِس لئے کہ اس میں اُس نکاح کو ختم کرنا لازم آتا ہے جس سے بہت سی دینی اور دنیوی مصلحتیں وابستہ ہیں، اور طلاق کی اِجازت صرف (مجبوری میں) چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ہی دی جاتی ہے۔

اِسی طرح کی وضاحت دیگر کتب فقہ میں بھی مذکور ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِسلام بلاوجہ طلاق کی ہمت اَفزائی نہیں کرتا۔

طلاق کا اختیار کس کو؟

اِسلام میں اگرچہ معاشرت کے اعتبار سے مرد وعورت کے حقوق برابر ہیں؛ لیکن ان کے درمیان چوں کہ فطری ساخت کے اعتبار سے فرق ہے؛ اِسی لئے شریعت نے نہ تو عورتوں پر کمانے کا بوجھ ڈالا ہے اور نہ اُن کو طلاق کے اختیار میں مرد کے ساتھ برابر کا شریک بنایا ہے؛ کیوں کہ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اگر عورت کو طلاق کا کلی اختیار مل جائے تو اکثر نکاح پائے دار نہیں رہ پائیں گے؛ اس لئے کہ جہاں بھی تھوڑی بہت ناچاقی ہوگی بیوی طلاق دے کر گھر چھوڑ کر چلی جائے گی۔

اسی طرح اگر طلاق کے وقوع کے لئے بیوی کی رضا مندی کو شرط قرار دیا جائے گا تو طلاق کا منشا ہی فوت ہو جائے گا؛ کیوں کہ طلاق کا منشا یہ ہے کہ دل نہ ملنے کی وجہ سے تنگ زندگی سے نجات حاصل کی جائے، اب اگر بہر صورت بیوی کی اجازت طلاق میں مشروط ہوگی تو بسا اوقات شوہر حالات کی وجہ سے طلاق دینا چاہے گا اور عورت طلاق پر آمادہ نہ ہوگی، تو ایسی صورت میں شوہر کو جس ضیق کی کیفیت سے گزرنا ہوگا اُس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا؛ اس لئے شریعت نے کامل دور اندیشی اور مرد وعورت میں فطری فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس معاملہ میں

مرد کو عورت پر ایک گونہ فوقیت عطا کی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلِلرِّجَالِ عَلَيۡهِنَّ دَرَجَةٌ. (البقرة، جزء آیت: ۲۲۸) یعنی مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے۔

اَب اگر غور کیا جائے تو یہاں عقلاً تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) میاں بیوی کے اختیارات میں برابری:- تو ایسی صورت میں نظام ہی قائم نہیں رہ سکتا؛ کیوں کہ یکساں اختیارات کی دو متوازی شخصیتیں کسی نظام کو خوبی کے ساتھ چلا نہیں سکتیں، یہ فطرت کے خلاف ہے۔

(۲) عورت کے اختیارات کا زیادہ ہونا:- تو عورت کی طرف سے صنفی کمزوری کی وجہ سے اختیارات کے غلط استعمال کا امکان زیادہ رہتا ہے، جو بالکل واقعی ہے، اس کے لئے کسی الگ دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) مردوں کو عورتوں پر فوقیت:- یعنی اِنتظامی اعتبار سے مرد کو عورت پر فوقیت دی جائے اور اُسے ''قوام'' یعنی ذمہ دار بنایا جائے۔ اِسی کی تائید قرآنِ کریم میں اِن اَلفاظ میں کی گئی ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ وَّبِمَاۤ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ. (النساء، آیت: ۳٤)

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اِس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہے، اور اِس لئے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

گویا کہ مالی کفیل ہونے کے اعتبار سے بھی اُن کا درجہ بڑھا ہوا ہے، جو بالکل معقول ہے۔

غور کیا جائے تو یہی آخری صورت عملاً قابل عمل اور انجام کے اعتبار سے خیر اور بہتر ہے؛ اِس لئے کہ مرد بالعموم عورت کے مقابلہ میں بہر حال زیاہ سوجھ بوجھ رکھتا ہے، اور سوچ سمجھ کر فیصلے کرتا ہے۔

اور بعض مردوں کے غلط فیصلوں کی بنا پر یہ اصول ٹوٹ نہیں سکتا، اس لئے کہ اصل اعتبار غالب اور اکثر کا ہوتا ہے۔ اور واقعۃً صنفی حیثیت سے مردوں میں صبر وتحمل اور بصیرت کی استعداد عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ رکھی گئی ہے، اور اس قدرتی اختلاف میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کی کاریگری کارفرما ہے۔

لیکن ساتھ میں مردوں کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ طلاق حلال باتوں میں اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے؛ اس لئے مردوں کو ذمہ داری ہے کہ صبر وتحمل سے کام لیں اور طلاق کے اختیار کو صرف ناگزیر حالات ہی میں شریعت کے بنائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہی استعمال کریں؛ کیوں کہ بلاوجہ اور غیر شرعی طریقہ پر طلاق دینے کے جو مفاسد ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔

یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ بعض ناواقف لوگ ایسا تأثر دیتے ہیں کہ طلاق دینے میں ہمیشہ مرد ہی قصوروار ہوتا ہے؛ حالاں کہ یہ بات حقیقت اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ ہمارے سامنے دارالافتاء اور محکمہ شرعیہ میں بہت سے ایسے مسائل آتے رہتے ہیں، جن میں شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا جب کہ لڑکی والے طلاق لینے پر مصر رہتے ہیں، اور بعض مرتبہ قصور بھی لڑکی اور اُس کے گھر والوں کی طرف سے ہوتا ہے؛ اِس لئے اِس پہلو کو نظر انداز کر کے سارا قصور مردوں پر ڈالنا انصاف کے خلاف ہے۔

طلاق کو تین میں محدود رکھنے کی حکمت

زمانۂ جاہلیت میں اور اسلام کے شروع زمانہ میں یہ دستور تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو دسیوں طلاق دے دیتا تو بھی عدت کے اندر اندر اسے بہر حال رجعت کا حق حاصل رہتا تھا، جس کی وجہ سے بسا اَوقات عورت کی زندگی اجیرن بن جاتی تھی۔ چناں چہ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک صاحب اپنی بیوی پر ناراض ہوگئے اور اُس سے یہ کہہ دیا کہ ''نہ تو میں تجھے رکھوں گا اور نہ ہی تجھے الگ ہونے دوں گا''۔ بیوی نے پوچھا کہ ''وہ کس طرح؟'' تو شوہر نے کہا کہ: ''تجھے طلاق دوں گا اور جب تیری عدت پوری ہونے لگے گی تو رجوع کرلوں گا اور بار بار ایسا ہی

کرتا رہوں گا"۔ تو اُس عورت نے آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہر کی بات کا ذکر کیا، اِس پر قرآنِ کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌ بِاِحۡسَانٍ. (البقرۃ، جزء آیت: ۲۲۹)

طلاقِ رجعی دو بار تک ہے، اُس کے بعد دستور کے موافق رکھ لینا ہے یا خوش اسلوبی سے چھوڑ دینا ہے۔

اِس آیت نے عورت کے استحصال کے ایک دروازے کو بند کر دیا، اور تاکید کر دی گئی کہ شوہر کو چاہئے کہ یا تو اچھی طرح بیوی کو رکھے یا پھر خوش اُسلوبی سے اسے چھوڑ دے، اَدھر میں لٹا کر رکھنا اور تنگ کر کے اُس کی عمر کو برباد کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے؛ البتہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجعت کا حق دیا گیا؛ تاکہ آدمی اگر چاہے تو اپنے نقصان کی تلافی کر سکے اور تین کے بعد رجعت بغیر حلالہ کے ممنوع قرار دی گئی؛ تاکہ لوگ طلاق کو مذاق نہ بنا لیں۔ (حجۃ اللہ البالغۃ مع رحمۃ اللہ الواسعۃ ۵/۱۴۷)

غلط فہمی کا ازالہ

ہمارے بہت سے عوام وخواص کو یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ طلاق ہر حالت میں عورت کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے؛ حالاں کہ یہ مفروضہ قطعاً غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ طلاق کے بارے میں کئی طرح کی صورتِ حال پیش آتی ہے، مثلاً:

(۱) کبھی مرد وعورت دونوں طلاق چاہتے ہیں۔

(۲) کبھی مرد طلاق دے کر عورت کو الگ کرنا چاہتا ہے، مگر عورت نہیں چاہتی۔

(۳) کبھی عورت طلاق لینا چاہتی ہیں، مگر مرد طلاق پر راضی نہیں ہوتا۔

اِس میں پہلی صورت تو بحث سے خارج ہے؛ کیوں کہ اِس میں نزاع ہی نہیں۔ اَب اگر دوسری صورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بالفرض شوہر کی یک طرفہ طلاق کو کالعدم قرار دیا جائے تو شوہر کو کس قدر ضیق میں زندگی گذارنی پڑے گی، اُس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اِسی طرح تیسری صورت میں جب کہ خود عورت طلاق چاہتی ہے، اگر طلاق پر پابندی ہوگی تو اُسے چھٹکارا کیسے ملے گا؟ یہ بھی سوچنے کا مقام ہے۔ اِن سب پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے بالآخر یہی بات سامنے آتی ہے کہ طلاق کا اختیار اگر چہ مردوں کو دیا جائے؛ لیکن سماجی اصلاح کی مہم چلاتے ہوئے اُن کی ذہن سازی کی جائے کہ وہ اس اختیار کا استعمال صرف ضرورت کے وقت ہی کریں، اِس کے بغیر معاشرتی زندگی پرسکون نہیں رہ سکتی۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اِسلام نے نکاح اور طلاق کا جو بہترین نظام دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، اِنسان کی فطرت وجبلت کے اعتبار سے اِس سے بہتر کسی نظام کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ نادان یا متعصب لوگ میڈیا کے ذریعہ اسلامی نظام کے خلاف خواہ کتنا ہی پروپیگنڈہ کرلیں، وہ اِن روشن ہدایات کو بجھانے میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے، اور بلاشبہ اللہ کا دین سربلند رہا ہے اور تا قیامت سربلند رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

بس ضرورت اِس بات کی ہے کہ اہل اسلام اپنے اُصولوں پر سختی سے کاربند رہیں، اور اپنی بدعملی کی وجہ سے دشمنانِ دین کو اُنگلی اُٹھانے کا موقع نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین پر ثبات قدمی نصیب فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(شائع شدہ: ندائے شاہی جولائی/اگست/ستمبر ۲۰۲۳ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (۷۰)

اِباحیت کی دعوت

تحریر:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ فقہ وحدیث دارالعلوم دیوبند

جمع وضبط:

محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۷۰)

- موضوع : اِباحیت کی دعوت
- تحریر : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- شائع شدہ : ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' اپریل ۲۰۱۶ء
- جمع وضبط : محمد اسجد قاسمی مظفر نگری

- آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل لنک ملاحظہ کریں:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

نحمدہٗ ونصلي علی رسوله الکریم، أما بعد!

وہ قومیں جن کے نزدیک دنیا کی زندگی اور یہاں کی لذات وخواہشات ہی سب کچھ ہیں، اُن کے نزدیک اِنسانی اَقدار کی کوئی اہمیت نہیں، اُنہیں تو بس اپنی لذت کوشی اور موج مستی سے مطلب ہوتا ہے۔ جس کا نظارہ آج مغربی ممالک میں جابجا دیکھا جاسکتا ہے، جہاں عورت کو ترقی اور مساوات کے نام پر انتہائی ذلت ناک اور کرب ناک زندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ قومیں یہ چاہتی ہیں کہ جس طرح اُنہوں نے مادر پدر آزاد معاشرہ کی تشکیل دی ہے، یہی معاشرت پوری دنیا میں پھیل جائے، اُن کی اِس خواہش کے سامنے آج دنیا کے تقریباً سبھی مذاہب اور تہذیبوں نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں، ایک صرف اور صرف مذہبِ اسلام ہے جو مغربیت کے بہتے ہوئے تعفن آمیز سیلاب کے سامنے ''سدِ سکندری'' بن کر کھڑا ہے، جس کی فطری تعلیمات اِنسانیت کی بقا کی ضمانت ہیں، جن کی چھاؤں میں پرسکون معاشرتی زندگی کا راز مضمر ہے۔ اِسی بنا پر مغرب کی طرف سے خواتین سے متعلق نظریات میں اِسلام کو سب سے زیادہ نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ خود غیر مسلم مغربی مفکرین کی کتابیں اِس بارے میں اِسلام پر لچر اور بے ہودہ اعتراضات سے بھری پڑی ہیں، وہیں مغربی ماحول میں پروان چڑھنے والے بہت سے اِسلامی نام رکھنے والے ''دانشوروں'' کی بھی کمی نہیں ہے، جو موقع بموقع اِسلامی معاشرتی وعائلی قوانین وضوابط پر بے جا تبصرے کرتے رہتے ہیں، اور اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کا کام انجام دیتے رہتے ہیں۔

اِسی سلسلہ کی ایک کڑی گذشتہ ۶/مارچ ۲۰۱۶ء کو کیرالہ کے ایک مسلمان جج کی طرف سے مسلم پرسنل لاء پر کیا گیا رکیک تبصرہ ہے، جس میں مسلمانوں کی تنزلی کا سبب مسلم پرسنل لاء کو قرار دیا گیا ہے، اور ساتھ ہی علماء ومفتیان پر یہ بہتان تراشی بھی کی ہے کہ اُنہوں نے قرآنِ کریم سے ہٹ کر خود اپنے انداز میں شریعت گھڑ رکھی ہے۔ مذکورہ جج کا یہ بھی کہنا ہے کہ جب تک مسلم قوم اِن ''فرسودہ روایات'' کو ترک نہیں کرے گی، اُس وقت تک اُسے ترقی نصیب نہ ہوگی۔ جج نے خاص طور پر یہ سوال بھی اُٹھایا ہے کہ جب مرد چار شادیاں کرسکتے ہیں تو پھر عورتیں کیوں نہیں کرسکتیں؟ وغیرہ۔

اِس خبر کو قومی پریس نے بہت اہتمام سے صفحہ اول پر رنگ آمیزی کے ساتھ شائع کیا، اور یہ تصور دینے کی کوشش کی کہ گویا خود مسلمانوں میں اِسلامی اَحکام سے بغاوت کا آغاز ہوچکا ہے، حالاں کہ مذکورہ جج کا درج بالا پورا تبصرہ سراسر جہالت یا شرارت پر مبنی تھا؛ اِس لئے کہ جو شخص بھی اِنصاف کے ساتھ اِسلامی قوانین پر نظر ڈالے گا، وہ اِس نتیجہ تک ضرور پہنچے گا کہ اِنسانی معاشرہ (مردوں اور عورتوں دونوں) کے لئے اِسلامی قوانین سے بہتر زندگی گذارنے کا اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ بالخصوص ایک شوہر کے نکاح میں رہتے ہوئے عورت کے لئے دوسرے مرد سے نکاح کرنے کو جو شریعت میں قطعاً حرام قرار دیا گیا ہے، وہ بڑی حکمت ومصلحت پر مبنی ہے؛ کیوں کہ:

(۱) اگر اِس کی اجازت دی جائے گی، تو اس عورت سے پیدا ہونے والے بچوں کے نسب میں اشتباہ ہوجائے گا اور یہ پتہ چلانا مشکل ہوگا کہ اس بچہ کا اصل باپ کون ہے؟ جب کہ نسب کا تحفظ انسانیت کی بقاء کے لئے ضروری ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اگر ایک عورت کا تعلق بیک وقت کئی مردوں سے ہوگا تو اس سے متعلق مردوں کا آپس میں نزاع لازم ہے؛ کیوں کہ ہر مرد یہ چاہے گا کہ جب بھی وہ چاہے اس عورت سے انتفاع کرے، مگر دیگر افراد کے تعلق کی وجہ سے ہر وقت یہ ممکن نہ ہوسکے گا، جس کی بنا پر جھگڑے اور جنگ وجدال کی نوبت ضرور پیش آئے گی، اور یہ تو نکاح کی بات ہے، بلا نکاح بھی اگر کسی عورت کا کئی مردوں سے ناجائز تعلق ہوتا ہے تو وہ بھی سخت فتنہ کا سبب بنتا ہے، جس کے واقعات آئے دن دنیا میں پیش آتے رہتے ہیں؛ لہٰذا اسلام جیسا مہذب مذہب اس جھگڑے کی جڑ کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۱۷۳)

(۴) علاوہ ازیں ہر شریف معاشرہ میں ایک عورت کا متعدد مردوں سے بیک وقت تعلق بہت بڑا عیب جانا جاتا ہے، جس کے ثبوت کے لئے الگ سے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، تو جو عمل تمام انسانیت کی نظر میں متفقہ طور پر باعث عیب ہو وہ اسلام میں جائز کیسے ہوسکتا ہے؟

اور یہ بات علماء کی خود ساختہ نہیں ہے، جیسا کہ مذکورہ جج صاحب نے باور کرانے کی کوشش کی ہے؛ بلکہ خود قرآنِ پاک کی صریح آیت سے اِس کا ثبوت ملتا ہے؛ چناں چہ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۲۴ / ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ﴾ میں یہ صراحت ہے کہ جب تک عورت کسی مرد کے نکاح میں ہے، اُس سے دوسرے مرد کو نکاح کرنا حرام ہے۔

اور اس کو مردوں کے متعدد شادی کرنے کے جواز پر قیاس نہ کیا جائے؛ کیوں کہ ایک مرد کے لئے کئی عورتوں کو منکوحہ بنانے میں نہ تو مذکورہ مشکلات ہیں، اور نہ ہی اُس کی وجہ سے بچوں کے نسب پر کوئی فرق پڑتا ہے؛ بلکہ اس کی سب جائز بیویوں کی اولاد اس مرد کی حقیقی اولاد قرار پاتی ہے اور ان کی سب ضروریات کا وہی مرد کفیل ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ مرد کو تعدد نکاح کی اجازت ضرورۃً دی گئی ہے؛ کیوں کہ مردوں میں اسبابِ شہوت ظاہراً پائے جاتے ہیں، جب کہ عورتوں میں مردوں کے مقابلہ میں شہوتوں کا ابھار کم ہوتا ہے، اس کی کئی وجوہات ہیں، مثلاً عورتوں میں فطرۃً حیا کا غلبہ ہوتا ہے۔ نیز ان کے جنسی اعضاء مستور رکھے گئے ہیں، اور ہر مہینہ میں ماہواری کے ایام اور ایام حمل اور ایام رضاعت میں قدرتی طور پر جنسی ہیجان ان میں کم ہوتا ہے؛ لہٰذا مردوں میں تعددِ نکاح کی اجازت کے جو اسباب ہیں وہ عورتوں میں متحقق ہی نہیں، اس لئے ان کے واسطے اس کی اجازت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اِس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ منکوحہ عورت کو دوسری شادی کی اجازت نہ دینا کوئی ناانصافی یا ظلم کی بات نہیں؛ بلکہ یہی عورت کے لئے عزت اور عافیت کا راستہ ہے۔ ان حقیقی باتوں کو نظر انداز کر کے اسلام کی فطری تعلیمات پر اعتراض کرنا خود اپنی عقل پر ماتم کرنے کے مرادف ہے۔

مسئلہ تعددِ ازدواج

دین بیزاروں کی طرف سے مردوں کے لئے تعددِ ازدواج کے اِسلامی حکم پر سب سے

زیادہ اعتراضات کیئے جاتے ہیں، حالاں کہ اسلام ''دینِ فطرت'' ہے، خلّاقِ دو جہاں، رب العالمین کو اچھی طرح معلوم ہے کہ انسان کی فطری ضروریات اور تقاضے کیا ہیں؟ اور ان کو پورا کرنے کے لئے کون سی تدبیریں مؤثر اور مفید ہوسکتی ہیں؟ اس کے برخلاف چوں کہ عام انسانوں کی عقلیں محدود علم کی حامل ہیں، اسی لئے انہیں بسا اوقات شریعت اسلامیہ کے بعض احکامات پر طرح طرح کے اشکالات پیش آتے ہیں، انہی احکامات میں ایک حکم مرد کے لئے بیک وقت متعدد نکاح کی اجازت کا بھی ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ وہ مردار خور مغربی اقوام جو اوپر سے نیچے تک بدکاریوں اور شہوت رانیوں میں مبتلا ہیں، اور جن کی نظر میں مرد کا بیک وقت کئی عورتوں سے ناجائز تعلق قطعاً معیوب نہیں ہے، وہی قومیں اسلام کے تعددِ ازدواج کے قانون پر سب سے زیادہ انگلیاں اٹھاتی ہیں، تو اس سے بڑی بے عقلی کیا ہوگی کہ ناجائز تعلقات کو تو بے تکلف گوارا کیا جائے اور جائز اور قانونی تعلق جو اپنے ساتھ پوری ذمہ داریوں کو بھی ثابت کرتا ہے اسے ناگوار سمجھا جائے؟

بات دراصل یہ ہے کہ مغربی قومیں صنفِ نازک کو محض اپنی جنسی تسکین کا ذریعہ سمجھتی ہیں، انہیں عورت کی فلاح و بہبود سے کوئی دلچسپی نہیں، ان کا نظریہ صرف اور صرف یہ ہے کہ: ''یوز اینڈ تھرو'' یعنی استعمال کرو اور پھینک دو، جب کہ اسلام صنفِ نازک کو مکمل تقدس عطا کرتا ہے کہ اگر کسی عورت سے جسمانی تعلق حلال ہو تو اس کی اور اس کی اولاد کی تمام ذمہ داریاں مرد کو اٹھانی ہوں گی، اس کی رہائش اور نان نفقہ کا ذمہ دار بھی مرد ہوگا، یہ نہیں کہ ''ٹشو پیپر'' کی طرح استعمال کر کے اسے ردی میں پھینک دیا جائے؛ بلکہ اس کا مکمل تحفظ کرنا ہوگا، اور اس کی سب ضروریات کا خیال رکھنا ہوگا۔

اس اسلامی نظریہ کو سامنے رکھ کر تعددِ ازدواج کے حکم پر نظر ڈالنا ضروری ہے، اسلام نے - یہ دیکھتے ہوئے کہ بعض مردوں کی جنسی تسکین ایک عورت سے مکمل حاصل نہیں ہوتی، یا بعض ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ آدمی کے لئے کسی دوسری عورت کو قانونی بیوی بنائے بغیر چارۂ کار نہیں ہوتا، یا بعض مرتبہ خود عورتوں کی خیر خواہی اس میں مضمر ہوتی ہے کہ انہیں کسی مرد کا شریکِ حیات بنایا جائے، اگرچہ وہ مرد پہلے سے شادی شدہ ہو- تعددِ نکاح کی اجازت دی ہے۔

تعددِ نکاح کی بعض حکمتیں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے درج ذیل وجوہِ تعددِ ازدواج شمار کرائی ہیں:

(۱) تقویٰ:- یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ متعدد بیویوں والا شخص دیگر لوگوں کے مقابلہ میں تقویٰ اور غضِ بصر پر زیادہ قابو پا سکتا ہے۔

(۲) حفظ القویٰ:- یعنی عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کی قوتیں دیر تک محفوظ رہتی ہیں، جب کہ عورتوں پر بڑھاپے کے آثار جلدی ظاہر ہو جاتے ہیں، اس اعتبار سے بعض حالات میں مرد کے لئے دوسری عورت سے نکاح ایسے ہی ضروری ہوتا ہے جیسے پہلا نکاح ضروری تھا۔

(۳) زوجین میں عدمِ توافق:- بسا اوقات ایسی صورت پیش آتی ہے کہ مرد کا عورت سے دل نہیں ملتا؛ لیکن صاحبِ اولاد ہونے کی وجہ سے طلاق کا بھی موقع نہیں رہتا، ایسی صورت میں نکاحِ ثانی کے علاوہ چارۂ کار نہیں ہے۔

(۴) بانجھ پن:- اگر پہلی بیوی قوتِ تولید سے محروم ہو تو اسے طلاق دے کر الگ کرنے کے بجائے بہتر راستہ یہی ہے کہ نکاحِ ثانی کر کے دونوں کے حقوق ادا کئے جائیں، اور بفضلِ خداوندی اولاد کی نعمت بھی حاصل کی جائے۔

(۵) کثرتِ بنات:- بعض خاندانوں میں مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی کثرت ہوتی ہے، ایسی شکل میں ان عورتوں کے ساتھ خیر خواہی اسی وقت ممکن ہو سکے گی جب کہ تعددِ ازدواج کی اجازت دی جائے، ورنہ بہت سی عورتیں بے نکاحی رہ کر گھٹ گھٹ کر زندگی گذار دیں گی۔

(۶) سیاسی مصالح اور ضروریات:- بعض حالات میں بالخصوص حکام اور امراء کے لئے تعددِ نکاح کی ضرورت ایک سیاسی مصلحت بن جاتی ہے، اس طرح کے واقعات تاریخ میں بھرے پڑے ہیں۔

(۷) کثرتِ زنا سے اجتناب:- جب بھی نکاح کی اجازت ہوگی تو بدکاری کا دروازہ بند ہوگا اور جہاں نکاح ممنوع یا مشکل ہوگا وہاں بدکاری کے دروازے کھلیں گے،

چناں چہ جن ممالک میں تعدد ازدواج ممنوع ہے وہاں بدکاریاں بالکل عام ہیں، وغیرہ۔ (تلخیص: المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ ۱۹۴-۲۰۳، نیز دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ للدکتور وہبہ الزحیلی ۷/۳۱۷-۶ ۷ اطبع دیوبند)

ان جیسی وجوہات کی بنا پر اسلام نے بجا طور پر یہ اجازت دی ہے کہ کوئی مرد ایک سے چار عورتوں تک بیک وقت اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ (سورۂ نساء ۳)

متعدد بیویوں میں برابری ضروری ہے

لیکن یہ اجازت مطلق نہیں ہے؛ بلکہ عدل وانصاف کی شرط کے ساتھ مشروط ہے، چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ، ذٰلِكَ أَدْنٰى أَنْ لَّا تَعُوْلُوْا. (النساء: ۳)

پھر اگر ڈرو کہ ان بیویوں میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی نکاح کر یا باندی جو تمہارا ذاتی مال ہے اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے۔

آیتِ بالا سے معلوم ہوا کہ اسلام نے مصالح کے تحت مرد کو چار تک نکاح کی اجازت تو ضرور دی ہے؛ لیکن ساتھ میں یہ حکم بھی دیا ہے کہ ظاہری طور پر سب بیویوں کے ساتھ برابر معاملہ کیا جائے، یعنی رات گذارنے میں، لباس میں اور کھانے پینے اور رہائش کے انتظام میں ہر بیوی کے ساتھ یکساں معاملہ ہو، کسی کے ساتھ کمی بیشی نہ ہو۔ (درمختار مع الشامی ۴/۳۷۸)

خلاصہ یہ کہ اِسلام میں اِنسان کی فطری ضرورتوں کا خیال رکھا گیا ہے اور مردوں اور عورتوں کو اُن کی صلاحیت، ضرورت اور تقاضوں کے اعتبار سے الگ الگ اَحکامات دئے ہیں، ان پر اعتراض کرنا دراصل خود اپنی عقل پر ماتم کرنے کے مرادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقل سلیم سے نوازیں، اور ہر طرح کی کج روی سے محفوظ رکھیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(شائع شدہ ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' اپریل ۲۰۱۶ء)

چند علمی واِصلاحی کاوشیں

سیرتِ طیبہ:

نعت النبی ﷺ نمبر (ماہنامہ ندائے شاہی)	صفحات: ٦٥٨
شمائلِ رسول ﷺ	صفحات: ٦۴
خطباتِ سیرتِ طیبہؐ	صفحات: ۲۴۰
مسک الختام فی الصلوٰۃ علی خیر الانام	صفحات: ۱۰۴

فقہ وفتاویٰ:

کتاب المسائل (۵؍جلدیں، کتاب الطہارت تا کتاب النفقات)	کل صفحات: ۲۳۱۰
کتاب النوازل (۱۹؍جلد)	کل صفحات: ۱۱۴۲۴
اِرشادالسائلین (۲؍جلدیں)	کل صفحات: ۱۲۲۴
دینی مسائل اوراُن کا حل	صفحات: ۴۱٦
درسی سوال وجواب	صفحات: ۴۰۰
فتویٰ نویسی کے رہنما اُصول	صفحات: ۴۲۹
فتاویٰ شیخ الاسلام	صفحات: ۲۵۱
تحفۂ رمضان	صفحات: ۱۷۲
الفہرس الحاوی علی حاشیۃ الطحطاوی	صفحات: ۲۰۰
حج وزیارت نمبر (ندائے شاہی)	صفحات: ۲۳۲

دعوت واصلاح:

ایک جامع قرآنی وعظ	صفحات: ۴۲۸
رحمٰن کے خاص بندے	صفحات: ۵۱۲
اللہ سے شرم کیجئے	صفحات: ۴۳۲
اللہ والوں کی مقبولیت کا راز	صفحات: ۱۹۲
علماء اور طلبہ کے لئے فکر انگیز اور کارآمد باتیں	صفحات: ۳۴۴

○ دعوتِ فکر وعمل	صفحات: ۵۴۰
○ لمحاتِ فکریہ	صفحات: ۳۲۰
○ مشعلِ راہ	صفحات: ۴۰۰
○ کتاب الوعظ والتذکیر (۳/جلدیں)	کل صفحات: ۱۰۵۶
○ نورِ نبوت:	صفحات: ۷۲
○ درسِ سورۂ فاتحہ	صفحات: ۷۲

سیر وسوانح:

○ ذکرِ رفتگاں (۶/جلدیں)	کل صفحات: ۳۶۷۲
○ تذکرۂ فدائے ملتؒ	صفحات: ۱۲۰۰
○ فدائے ملتؒ نمبر (ندائے شاہی)	صفحات: ۷۸۸
○ مشاہدات وتأثرات	صفحات: ۱۰۴
○ خصوصی ضمیمہ (بروفات: حضرت مولانا سید رشید الدین صاحبؒ)	صفحات: ۱۷۶
○ تحریک ریشمی رومال؛ ایک مختصر تعارف	صفحات:۴۱
○ پیکرِ عزم وہمت، اُستاذ اور شاگرد	صفحات: ۸۰

تاریخ:

○ تحریک آزادئ ہند میں مسلم عوام اور علماء کا کردار	صفحات: ۲۲۸
○ تاریخ شاہی نمبر (ندائے شاہی)	صفحات: ۶۴۸

رد قادیانیت:

○ ردِ مرزائیت کے زریں اُصول	صفحات: ۲۱۶
○ قادیانی مغالطے	صفحات: ۱۲۴
○ منامی بشارتیں	صفحات: ۲۴۰
○ مہدئ موعود	صفحات:۱۰۴

رابطہ:

محمد ابوبکر صدیق منصور پوری (مرادآباد) 8791034667 محمد اسجد قاسمی (دیوبند) 9058602750



خطبات سیرت طیبہ
کتاب النوازل
کتاب المسائل
ندائے شاہی
نعت النبی نمبر
سیاسی ڈائری
تذکرہ سید الملت
فدائے ملت
رحمن کے خاص بندے
ایک جامع قرآنی وعظ
اللہ سے شرم کیجیے
دینی مسائل اور ان کا حل
دعوتِ فکر و عمل
حج و زیارت نمبر
مسلم علماء اور عوام کا کردار
تحفۂ رمضان